قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

ترجمہ حقائق الحق

جلد چہارم

جس مین باب الامامت کا مطلب خیز اور عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے

در مطبع اصلاح کجھوا ضلع سارن طبع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی افضل الانبیاء والمرسلین سید الاولین والاٰخرین ابی القاسم محمد المصطفی وآلہ الطیبین الطاہرین

اما بعد فالحمد للہ کہ کتاب مستطاب احقاق الحق کے تیسرے باب کتاب النبوۃ کے ترجمے سے فراغت حاصل ہوئی اور اب چوتھے باب کتاب الامامۃ کا ترجمہ شروع کیا جاتا ہے۔ خداوند عالم اسکو جلد اور باحسن وجوہ تمام کرائے اور اسے گمراہون کی ہدایت کا ذریعہ قرار دے۔

قول علامہ حلی علیہ الرحمہ پانچوان مسئلہ امامت وخلافت جناب رسالتماب صلعم کے بیان مین اور اس مین کئی بحثین ہین۔

پہلی بحث یہ کہ امام کا بھی معصوم ہونا ضروری اور واجب ہے چنانچہ شیعون کا مذہب یہی ہے کہ انبیاء کی طرح آئمہ کو بھی بچپن سے مرتے وقت تک کل برائیون اور ہر عیب سے معصوم ومحفوظ ہونا واجب ہے اور عمداً یا سہواً ان سے بھی کبھی کوئی گناہ یا کسی قسم کی خطا سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی تھی کیونکہ وہ حضرات شرع اسلام وایمان کے حافظ ونگہبان اور اسکے قایم کرنے اور باقی رکھنے والے تھے تو انکو بھی جناب رسالتماب صلعم کی طرح معصوم ہونا چاہیے اور اسوجہ سے بھی کہ دنیا مین جناب رسالتماب صلعم کے بعد امام رہنے کی جو غرض ہے وہ بغیر اسکے معصوم ہوئے حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ اسکا کام ظالم سے مظلوم کا حق دلانا۔ دلورسی کرنی۔ فساد کو دفع کرنا فتنوں کے مادہ کا استیصال کرنا۔ بدمعاشوں کو انکی شرارتوں سے روکنا۔ عامہ ناس کو اچھے کاموں کے بجا لانے کا حکم دینا لوگوں کو طاعتوں کے کرنے اور محرمات سے علیحدہ رہنے پر آمادہ کرنا۔ حدود وفرائض خدا کو قایم کرنا ظلم وتعدی کرنے والوں سے مواخذہ کرنا اور جو شخص مستحق سزا ہو اسے سزا دینا ہے۔ پھر اگر اس سے بھی معصیت کا ہونا جایز ہو اور وہ خود گناہ کرے تو یہ کل فوائد اور ضرورتیں زائل ہو جائیں گی کیونکہ جب وہ خود ہی ظلم وفساد کریگا اور فسق وفجور میں مبتلا رہیگا تو دوسرون کو کیا روک سکتا ہے لہذا کسی دوسرے امام کی ضرورت ہو گی جو اس ظالم اور گنہگار

امام کو سمجھائے اور برائیون سے باز رکھے مگر یہ بھی گناہ کرے گا تو اسے روکنے کے لئے بھی کسی امام کی ضرورت ہوگی اور اس طرح یہ سلسلہ غیر متناہی چلا جائیگا۔

لیکن حضرت اہلسنت نے اس مسئلہ مین بھی شیعون سے علیحدگی اور عقلی اصول کی مخالفت کی ہے اور فاسقون ظالمون بدمعاشون گنہگارون بلکہ چور ڈاکو دن تک کی امامت جائز سمجھتے اور اون کو اپنا دینی سردار تسلیم کرتے ہین جیسا کہ علامہ زمخشری نے جو ان کے افاضل علماء سے ہین کہا ہے کہ دو مثل چور خلیفہ دوانیقی کے [1] اسلئے جو خلفائے بنی عباس کے مشہور خلیفہ منصور دوانیقی کی طرف اشارہ ہے۔ پس کون عاقل اس امر کو پسند کرے گا کہ اوس شخص کو اپنا دینی پیشوا مانے اور اپنے مذہب مین اس صفت کے شخص کی اطاعت کرے اور ایسے آدمی کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ سے خدا کی درگاہ مین تقرب چاہے جو عمر بھر فسق و فجور مین بسر کرتا رہا ہو اور انواع و اقسام کے فواحش سے اس کا نامۂ اعمال بھرا ہو اور اون مقدس فرشتہ خصلت حضرات کی اطاعت و انقیاد سے علیحدگی اختیار کرے جو زہد و عبادت اور ورع و تقوی مین اپنی نظیر نہ رکھتے ہون اور کسی وقت یہ اوصاف اون سے جدا نہ پائے جائین حالانکہ خدا نے اس روش کو ناپسند کیا ہے چنانچہ قرآن مجید مین فرماتا ہے امن ھو قانت آناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الآخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب (رکوع ا سورہ زمر) یعنی بھلا جو شخص رات کے اوقات (تنہائی) مین (خدا کی) بندگی مین لگا ہے (کبھی اوس کے جناب مین سجدہ کرتا اور کبھی اوس کے حضور مین دست بستہ) کھڑا ہوتا۔ آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے (کہین ایسا شخص بندۂ نافرمان کے برابر ہو سکتا ہے۔ اے پیغمبر ان لوگون سے) کہو کہ کہین جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوئے ہین (مگر ان

---

[1] جناب علامہ علیہ الرحمہ نے زمخشری کی اوس کتاب کا حوالہ نہین دیا جسمین اوس نے یہ عبارت لکھی ہو لیکن تفسیر کشاف (مصنفہ علامہ زمخشری) مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۳۲ مین یہ عبارت موجود ہے وکان ابوحنیفۃ رحمہ اللہ یفتی سرا بوجوب نصرۃ زید بن علی رضوان اللہ علیہما وحمل المال الیہ والخروج معہ علی اللص المتغلب المسمی بالامام والخلیفۃ کالدوانیقی واشباہہ یعنی امام ابوحنیفہ مخفی طور پر فتوے دیا کرتے تھے کہ حضرت زید بن علی رضوان اللہ علیہما کی مدد کرنی۔ اوسکے پاس مال بھیجنا اور اون کے ساتھ ہوکر اون لوگون کے خلاف خروج اور بغاوت کرنا واجب ہے جو چور ڈاکو۔ ناجائز طور پر ملک و سلطنت پر غلبہ کر جانے والے اور اپنے کو (غلط طور پر) امام اور خلیفہ مشہور کرنے والے ہین مثل خلیفہ منصور دوانیقی وغیرہ کے ۱۲ مترجم۔

باتون سے) وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہین جو عقل رکھتے ہین انتہی سلہ۔ مگر حضرات اہلسنت کے بڑے) فرقہ اشاعرہ کے اصول کے مطابق خدا کا یہ کلام صحیح نہین ہو سکتا کیونکہ وہ لوگ خدا کے لئے ہر برائی اور قبیح کام کو تجویز کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خدا ہر ظلم اور برا کام کر سکتا ہے تو منجملہ اون برائیون کے کذب (جھوٹ بولنا) بھی ہے پس جائز ہے کہ اس قول مین بھی خدا جھوٹ بولا ہو جس سے اوس کی ذات یقیناً بلند اور برتر ہو۔ رہے اہلسنت کے وہ فرقے جو اشاعرہ کے علاوہ ہین تو وہ کہتے ہین کہ فاضل پر مفضول کو مقدم کرنا جائز ہے (مثلاً عالم کے رہتے ہوئے جاہل امام ہو سکتا ہے) تو خدا کا مذکورہ بالا قول ان لوگون کے اصول کے مطابق بھی صحیح نہین ہو سکتا کیونکہ خدا تو کہتا ہے کہ فاضل اور مفضول برابر نہین ہو سکتے اور یہ کہتے ہین برابر ہونا کیسا مفضول تو فاضل پر مقدم تک ہو سکتا ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ اہلسنت کے دونون (اشاعرہ اور معتزلہ) فرقے مسئلہ امامت مین خدا کے مذکورہ بالا قول کے مخالف ہین۔

قول البطال جاننا چاہئے کہ اشاعرہ کے اعتقاد مین مسئلہ امامت اصول دین (عقاید) سے نہین ہے بلکہ اون فروع سے ہے جن کا تعلق مکلفین کے افعال و اعمال سے رہتا ہے کیونکہ اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ دین اسلام کے قائم رکھنے اور اس ملت کی حفاظت اور نگرانی کرنے مین جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ کی قائم مقامی کرنے کا نام "امامت" ہے اس حیثیت سے کہ تمام اہل اسلام پر اوس (امام) کی پیروی واجب ہو۔ تو جو شخص امامت کی اہلیت رکھتا اور امام کہے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے اس کے شرائط یہ ہین کہ وہ (۱) اصول و فروع دین مین مجتہد ہو تاکہ امر دین کو اچھی طرح قائم رکھ سکے (۲) فن حرب کی تدبیر اور لشکر کے انتظام و ترتیب مین تجربہ کار اور صاحب رائے و بصارت ہو (۳) بہادر ہو (۴) مضبوط دل کا ہو تاکہ دین و ملت اسلام پر اغیار و مخالفین جو حملہ کرین اونکی پوری طرح مدافعت کر سکے (۵) عادل ہو تاکہ ظلم نہ کرے کیونکہ جو شخص فاسق ہوتا ہے وہ اکثر مسلمانون کے مالون کو اپنی ذاتی غرضون مین صرف کر ڈالتا ہے۔ اور ہمارے مذہب مین عادل اوس شخص کو کہتے ہین جو گناہان کبیرہ کبھی نہ کرتا ہو اور جو گناہان صغیرہ اوس سے

سلہ یہ ترجمہ حضرات اہلسنت کے مشہور عالم شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کے ترجمہ قرآن سے لیا گیا ہے ۱۲

ہوجاتے ہین اون پر اصرار نہ کرتا ہو (۶) عاقل ہوتاکہ شرعی امور اور اسلامی ضروریات وخدمات کو سمجھ کر انجام دے سکے (۷) بالغ ہو کیونکہ بچہ کی عقل کم ہوتی ہے (۸) مرد ہو کیونکہ عورتین ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہین (۹) آزاد ہو کہ کسی کی غلامی نہ کرے اور (۱۰) قریشی ہو۔ پس جس شخص مین بھی یہ صفات پائی جائینگی وہ آنحضرت صلعم کی خلافت (امامت) اسلام کی ریاست اور مسلمانون کی سرداری کا اہل ہوجائے گا۔

رہی صفت عصمت تو صرف فرقہ شیعہ یعنی امامیہ و اسماعیلیہ ہی نے اسکو امام کیلئے شرط قرار دیا ہے۔ جس پر اس شخص (علامہ حلی) نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ امام کی حاجت بلکہ حکمت اون اغراض اور ضرورتون کیلئے ہوتی ہے جنکو اس شخص نے اپنے بیان مین ذکر کیا ہے۔ پھر اگر امام کا گناہ کرنا جائز ہو اور دوسرون کی طرح وہ بھی گناہ کرے تو وہ فوائد حاصل نہین ہونگے جن کے لئے وہ امام مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے جواب مین ہم کہتے ہین کہ لفظ ”عصمت“ سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اگر یہ مقصود ہے کہ امام اپنی ہر حالت مین اور ہمیشہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ سے بچا رہے تو اس کا ضروری ہونا ہم تسلیم نہین کرتے کیونکہ اگر امام گناہان کبیرہ سے بچا رہے تو اوس سے صرف بعض گناہان صغیرہ کے صادر ہونے پر یہ لازم نہین آتا کہ پھر وہ امامت کی قابلیت ہی سے محروم ہوجائے اور ظالم سے مظلوم کا عوض نہ لے سکے۔ یا اور وہ کام نہ کر سکے جنکو (علامہ حلی نے) ذکر کیا ہے۔ اور اگر عصمت سے آپ کی مراد امام مین ایسے ملکہ کا موجود ہونا ہے جو اوس کو گناہ سے بچاتا اور فسق و فجور سے روکتا رہے تو اس عصمت کے ہم بھی قائل ہین اور اسے امام کیلئے اور اوس کی شرط قرار دیتے ہین کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ امام کے شرائط سے اوس کا عادل ہونا بھی ہے اور عادل اوسی شخص کو کہتے ہین جس مین عصمت کا ایسا ملکہ موجود ہو جو اوس شخص کو فسق و فجور سے روکتا رہے۔ رہا اس عادل سے کبھی کبھی بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہوتے رہنا تو اس سے اس کا ملکہ عصمت زائل نہین ہوسکتا (یعنی کوئی شخص گناہان صغیرہ کرتا رہے جب بھی اوس مین ملکہ عصمت موجود رہیگا) کیونکہ ملکہ اوس کیفیت کو کہتے ہین جو نفس مین اسطرح راسخ ہوجائے کہ جب اوس سے کسی فعل کا ارادہ کیا جائے تو وہ فعل بغیر

کسی مشقت اور فکر و زحمت کے ہوجائے۔ اور اس ملکہ کے خلاف کبھی کسی کام کا ظاہر ہونا اوس ملکہ کی قوت زائل ہونے کا ثبوت نہین ہوتا کیونکہ بعض خارجی اسباب پیدا ہوجاتے ہین جن سے کوئی شخص بچ نہین سکتا اور اوس سے خلاف ملکہ بات واقع ہوجاتی ہے۔ مثلاً جس شخص مین عفت اور شجاعت کا خلقی ملکہ ہوتا ہے اوس سے بھی کبھی اتفاقاً خلاف عفت اور منافی شجاعت فعل ہوجاتا ہے۔ تو اس سے یہ نہین کہہ سکتے کہ اس شخص کا ملکہ عفت و شجاعت ہی زائل ہوگیا۔ غرض عصمت بمعنے ملکہ ہر اوس شخص مین پایا جاتا ہے جو گناہان کبیرہ سے بچتا رہے اگرچہ اوس سے کبھی کبھی گناہان صغیرہ ہوجایا کرین۔ اسطرح علامہ حلی کا وہ اعتراض رفع ہوگیا اور سلسلہ غیر متناہی کا عذر بھی جاتا رہا۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ "حضرات اہلسنت نے اس مسئلہ مین بھی شیعون سے علیحدگی اور عقلی اصول کی مخالفت کی ہے اور فاسقون، ظالمون، چور ڈاکوؤن تک کی امامت جائز سمجھتے ہین" تو جان لو کہ یہ اون کا اتہام ہی اتہام ہے کیونکہ اہلسنت کی کل کتابین اس عقیدہ سے بھری پڑی ہین کہ امام کا عادل ہونا واجب اور ضروری ہے لہذا فاسق شخص اون کے یہان امام کیونکر ہوسکتا ہے اسلئے کہ فاسق تو عادل کا ضد ہوتا ہے۔ غرض ثابت ہوگیا کہ علامہ حلی اس دعوے مین مفتری اور کذاب ہین اور مین نے اون کی شان مین کیا اچھا شعر کہا ہے کہ "اذا ما رأے طیبا فی الکلام + بقاذورۃ الکذب قد ولسنہ بخلط بالطہر انجاسہ + فابن المطہر ما انجسہ" یعنی جب یہ شخص کسی کلام مین خوشبو پاتا ہے تو اوس کو اپنے کذب کی گندگی سے بدبودار کردیتا ہے۔ طہر کو اپنی نجاستون سے مخلوط کرتا رہتا ہے پس ابن مطہر (علامہ حلی) بھی کیا ہی نجس شخص ہے۔ اور اون کے باقی اعتراضات کے جوابات آپ حضرات کو کئی بار معلوم ہوچکے۔

قول احقاق فاضل ابن روزبہان کے اس جواب مین کئی اعتراضات ہین ایک یہ کہ جو کہا ہے کہ "اشاعرہ کے یہان مسئلہ امامت اصول دین سے نہین ہے الخ" تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان لوگون مین دیانت ہی نہین ہے اور اون کو حقائق اصول دین پر اطلاع تک نہین حاصل ہے اسلئے کہ ان حضرات کا مسئلہ امامت کے منجملہ اصول دین ہونے سے انکار کرنا ایسا مکابرہ (اور ہٹ دھرمی) ہے جو حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے اس بیان سے مردود ہوجاتا ہے کہ "وہ حضرات (یعنی ائمہ دین اور

خلفائے رسولؐ) شرع اسلام و ایمان کے حافظ و نگہبان اور اس کے قائم رکھنے والے
تھے اون کو بھی جناب رسالتمآب صلعم کی طرح معصوم ہونا چاہیے" اور چونکہ جناب ممدوح
کی یہ دلیل نہایت قوی اور لاجواب تھی لہذا فاضل مخاطب اس کے جواب سے چشم پوشی
کر گئے اور اسکو ذکر تک نہین کیا بلکہ اس کے بعد کا قول لیکر جواب دینے کی کوشش کی ہیں
فاضل موصوف کی یہ چالاکی قابل دید ہے۔ کس قدر حیرت ہوتی ہے کہ ان حضرات نے
مسئلہ امامت کو اصول دین سے ہٹا کر فروع دین سے ثابت کرنے مین کیا کیا کوششین
کی ہین اور کسدرجہ مبالغہ سے کام لیا ہے یہان تک وہ کہہ گئے کہ اس مسئلہ مین بحث کرنا
یا اس کی تحقیق کرنی یا اس مین راہ حق ڈھونڈنا ضروری اور واجب نہین ہے بلکہ (باپ
دادا کی) تقلید کر لینا کافی ہے اسی وجہ سے اسکا مخالف ان کے یہان کافر نہین سمجھا جاتا بلکہ
ان کے ظاہر اقوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ امامت کا مخالف فاسق تک نہین سمجھا
جاتا ہے۔ اور یہ سب صرف اسوجہ سے کہ امامت کو بجائے نص خدا اور تعیین رسولؐ
کے مسلمانون کے انتخاب اور اختیار سے ثابت کرنے کی جو راہ ان حضرات نے ایجاد
کی ہے اس کی خرابیون سے عامہ مسلمین غفلت ہی مین پڑے رہین اور ان لوگون کے
خلفا نے حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے جو حقوق غصب کر لئے اور جو موضوع حدیثین
بنا کر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہین اونکا فاسد اور باطل
ہونا واضح نہ ہونے پائے۔ باوجود اس کے ان حضرات نے اپنے ہی ایجاد کردہ اصول
کی مخالفت بھی کی اور تناقض کا منظر پیش کر دیا کیونکہ اونھون نے دوسرے مواقع پر تصریح
کر دی ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم کے حقوق اور فرائض و خصوصیات مثلاً دین و ملت
اسلام کی حمایت۔ شرع کی حفاظت کرنی۔ کافرون اور باغیون سے جہاد کرنیکے لئے
لوا اور علم کا نصب کرنا۔ ظالم سے مظلوم کا عوض لینا۔ امور حقہ کو جاری کرنا اور امور باطلہ
کو رفع کرنا وغیرہ امور جو منصب نبوت کے لوازم سے ہین وہ سب امامت کے لئے بھی
ثابت اور ضروری ہین کیونکہ امامت اوسی نبوت کی جانشینی اور قائم مقامی تو ہے لہذا
جو صفت اوس مین ضروری اور واجب ہے وہ صفت امامت مین بھی ضروری و واجب
ہے جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید مین ارشاد فرمایا ہے یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا
اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (رکوع ۵ سورہ نساء) یعنی اے ایمان والو تم اطاعت۔

کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولوالامر کی اپنے مین سے - اور سنی و شیعہ دونون
کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس آیت مین اولی الامر سے مراد امام ہی ہے لہذا اوسکی
معرفت حاصل کرنا بھی فی نفسہ اور اصالۃً واجب ہے نہ فرعی حیثیت سے اور نہ مین
باب المقدمہ - اور حضرات اہلسنت نے اپنی کتابون مین اس مضمون کی حدیثین بھی روایت
کی ہین چنانچہ ان کے امام حمیدی نے کتاب[1] الجمع بین الصحیحین مین روایت کی ہے کہ ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ - یعنی
حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اس حالت مین مرجائے کہ اس نے
اپنے زمانہ کے امام کی معرفت نہ حاصل کی ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا - پھر یہ حدیث
بھی نص صریح ہے اس امر پر کہ امامت اصول دین سے ہے اسلئے کہ یہ امر واضح ہے
کہ جو امور فروع دین سے ہین اون سے کسی واجب امر کو کوئی شخص نہ پہچانے تو اسکی
وجہ سے اوس کی موت جاہلیت کی موت نہین کہی جائے گی کیونکہ اس کے نہ جاننے
سے اوس کے اسلام مین کوئی خرابی نہین پیدا ہوتی ہے مثلاً حج کرنا فروع دین سے
ہے اور استطاعت ہونے پر واجب ہے لیکن کوئی مسلمان اگر حج کو نہ پہچانے اور
مرجائے تو اس کی وجہ سے اوس کی موت جاہلیت کی موت نہین کہی جاسکتی ہے جس سے
واضح ہوا کہ جس چیز کے نہ پہچاننے سے جاہلیۃ کی موت ہوتی ہے وہ فروع دین سے نہین
ہوسکتی بلکہ حتماً وجزماً اصول دین ہی سے ہے) اور حدیث مذکور مین جو لفظ امام زمانہ
واقع ہے اس سے قرآن مجید مراد نہین ہوسکتا جیسا کہ بعض ناواقفون کو شبہہ ہوگیا ہے
اسلئے کہ اگر ایسا ہو تو اس کا سیکھنا ہر شخص پر واجب ہوگا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہین
دوسرے یہ کہ حضرت نے فرمایا ہے "امام زمانہ" یعنی زمانہ کو اوس شخص کی طرف
مضاف اور ضمیر کو مضاف الیہ قرار دیا ہے جس کا معنے یہ ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ
کے امام کو نہ پہچانے یعنی ہر شخص کو اپنے وقت کے امام کو پہچاننا ضروری ہے جو
اس امر کی دلیل ہے کہ ہر زمانہ مین ایک مخصوص امام ہوگا جس کی معرفت حاصل
کرنی اوس زمانہ کے لوگون پر واجب ہے - پس اگر امام سے مراد قرآن لین تو یہ
خصوصیت لغو ہوجائیگی اور اس اضافت کا کوئی مطلب نہین ہوگا کیونکہ قرآن ہر زمانہ کیلئے

[1] کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد اول صفحہ ۲۶ -

الگ الگ نہین ہے بلکہ ایک ہی ہے۔ پس امام زمانہ سے پورے قرآن یا اوسکے بعض حصہ مثلاً سورہ فاتحہ کو مراد لینے سے اس تخصیص کا کوئی فائدہ نہین رہیگا خصوصًا مذہب حنفی کی بنا پر جو قرآن پڑھنے یا سیکھنے کو واجب نہین کہتا بلکہ اوس کے اصول کے مطابق کسی شخص پر سورہ فاتحہ یا اور کوئی سورہ تک پڑھنا یا جاننا واجب نہین ہے کیونکہ اون کا فتوے یہ ہے کہ نماز مین بزبان فارسی یا اردو "دو برگ سبز" یا "دو سبز پتہ" کہدینا کافی ہے اور اون کی نماز ہو جائے گی جیساکہ جمہور مین مشہور ہے [۱] لہذا حدیث

---

[۱] چنانچہ زمانہ حال کے مشہور عالم اہلسنت شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے امام ابوحنیفہ صاحب کی جو زبردست سوانح عمری مسمے بہ سیرۃ النعمان لکھی ہے اوس کے صفحہ ۲۲۳ (مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ) مین وہ لکھتے ہین "امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ۔ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اوس کے ہم معنے ہین (مثلاً اللہ اعظم، اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہین ہو سکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان مین کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اوس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرارت کا فرض ادا ہو جاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہین سکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی مین قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبورًا ترجمہ پڑھ سکتا ہے۔ امام محمد نے جامع صغیر مین جو روایت کی ہے اوسمین مجبوری کی قید نہین ہو اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر سخت اعتراض کیا ہو کہ وہ قرآن کی حقیقت ومفہوم مین الفاظ کو داخل نہین سمجھتے یعنی اون کے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بے شبہہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہین" لیکن مولوی شبلی صاحب نے جو مجبوری کی قید بڑہائی ہے یہ حنفی حضرات کی مسلم الثبوت کتابونکے بیان کے خلاف ہے۔ چنانچہ کتاب ہدایہ جلد اول کے صفحہ ۹۳ مین لکھا ہوا ہے فان افتتح الصلوۃ بالفارسیۃ او قرء فیہا بالفارسیۃ او ذبح وسمّے بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ اجزاہ۔ یعنی اگر نماز کو فارسی زبان مین شروع کرے۔ اور تکبیرۃ الاحرام کو فارسی مین کہے یا فارسی زبان مین نماز پڑھے یا کسی جانور کو ذبح کرے اور فارسی مین خدا کا نام لے اگرچہ عربی اچھی طرح جانتا اور پڑھتا ہو جب بھی اوس کی نماز وغیرہ فارسی زبان ہی مین صحیح ہو جائے گی۔ اور در مختار صفحہ ۲۲ مین ہے صح لو شرع بغیر عربیۃ ای لسان کان وخصہ البردعی بالفارسیۃ۔ یعنی نماز صحیح ہے اگر شروع کرے اوس کو غیر عربی زبان کے یعنی جس زبان مین چاہے نماز شروع کرے اور تخصیص کی ہے اوس کی بردعی نے فارسی زبان کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقط بردعی نے فارسی کی تخصیص کی ہے ورنہ ترکی۔ پشتو۔ انگریزی۔ اور ہندی وغیرہ سب زبانون مین حنفی مذہب مین نماز پڑھنا صحیح ہے۔ اور فتاوے عالمگیری جلد اول صفحہ ۷۰ مین ہے۔ ولو کبر بالفارسیۃ جاز ھکذا فی المتون سواء کان یحسن العربیۃ اولا الا انہ اذا کان یحسنہا یکرہ وعلی قول ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ لا یجوز اذا کان یحسن العربیۃ ھکذا فی المحیط وعلی ھذا الخلاف جمیع اذکار الصلوۃ من التشہد والقنوت واللہ عا

مذکور (من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاهلیۃ) مین امام زمانہ کی
تاویل قرآن مجید سے کرنی کسی طرح بھی اوس کی غرض اور مقصود کے مطابق نہین ہوگی
علاوہ برین علامہ قاضی بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج الوصول کے مبحث اخبار مین
اور اس کتاب کی شرح کرنے والون نے بھی اپنی شرحون مین تصریح کردی ہی کہ ان
مسئلۃ الامامۃ من اعظم مسائل اصول الدین الذی مخالفتها توجب الکفر
والبدعۃ یعنی مسئلہ امامت اصول دین کے اعظم مسائل سے ہے جس کی مخالفت کفر
اور بدعت کا سبب ہوتی ہے۔ اور فرقہ حنفیہ کے عالم استروشنی نے اپنی مشہور کتاب
فصول استروشنی مین اوس شخص کو کافر لکھا ہے جو حضرت ابوبکر کی امامت کو تسلیم
نہین کرتا بلکہ یہ حضرات اہلسنت اپنے افعال سے بھی اپنے سابق قول اور ظاہری
عقیدہ کی مخالفت کرتے (اور ثابت کرتے) ہین (کہ مسئلہ امامت اون کے یہان
بھی اصول دین مین داخل ہے) اسلئے کہ جو شخص حضرت ابوبکر کو خلیفۂ برحق نہین
تسلیم کرتا یا کہتا ہے کہ اوس گمان کی وجہ سے جو مجھے حاصل ہوگیا ہے یا بعض
مجتہدین کی تقلید کی وجہ سے مین حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام
کو جناب رسالتمآب صلعم کا خلیفہ بلافصل مانتا ہون اوس شخص کے قتل اور ایذارسانی
کے درپے رہتے ہین۔

تسبیحات الرکوع والسجود وکذا کل ما لیس بعربیۃ کالترکیۃ والزنجیۃ والحبشیۃ
والنبطیۃ هکذا فی فتاوی قاضی خان یعنی اگر نماز کی تکبیر فارسی زبان مین کہے تو جائز ہے
یہی قول بہت سے متون مین ہے خواہ نماز پڑھنے والا عربی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو لیکن اگر وہ عربی
جانتا ہوگا تو اوسکے لئے فارسی مین نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ اور اسی اختلاف پر نماز کے کل اذکار ہین مثلاً
تشہد۔ قنوت۔ دعا۔ تسبیحات رکوع وسجود۔ اور اسی طرح ہر زبان مین نماز اور کل اذکار کا پڑھنا جائز
ہے جو عربی نہ ہو مثل ترکی۔ زنجی۔ حبشی۔ نبطی وغیرہ کے۔ اسیطرح فتاوے قاضی خان مین ہے
رہا دو برگ سبز کہدینا تو منیۃ المصلی صفحہ ۴۴ مین ہے۔ واما تقدیرها فی الفرض
قرأۃ آیۃ واحدۃ وان قصیرۃ نحو قولہ تعالی ثم عند ابی حنیفہ۔ یعنی امام ابوحنیفہ
کے نزدیک نماز مین سورہ یا قرآن پڑھنے کی واجبی مقدار صرف ایک آیت ہے اگرچہ
چھوٹی سی ہو مثل قول اللہ تعالی ثم کے اسیتے۔ علامہ فخر الدین رازی نے امام ابوحنیفہ صاحب کے
ان اور ایسے ہی دیگر مسائل سے بہت مضحک نکتہ پیدا کئے ہین جو اون کی تفسیر کبیر مین مذکور
ہین طوالت کے خوف سے یہان نقل نہین کئے گئے ۱۲ مترجم۔

مختصر یہ کہ یہ مسئلہ امامت اگر واقعا فروع دین سے ہوتا تو آمین مجتہد کا گمان یا دوسرون کی تقلید کافی ہوتی اور اوس مجتہد کے گمان یا دوسرونکے قول کو غلط تک کہنے کی کوئی وجہ نہین ہوتی چہ جائیکہ ایسا اعتقاد رکھنے والون کو قتل کرنے کی کوشش کیجائے حالانکہ ان حضرات کا فتوے بلکہ ان کے افعال اس کے خلاف ہین (یعنی جو شخص مجتہد کے ظن یا کسی کی تقلید کیوجہ سے حضرت ابوبکر کی خلافت کو نہین مانتا اوسکو یہ لوگ کافر سمجھتے اور قتل کرنا چاہتے ہین جو ثابت کرتا ہے کہ یہ حضرات اس مسئلہ کو واقعاً اصول دین ہی مین شمار کرتے ہین -)

اور کتاب مواقف نیز اوسکی شرح[۹۷] مین مسئلہ امامت کے فروع دین سے ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے " اما وجوبہ علینا سمعا فلوجہین الاول انہ تواتر اجماع المسلمین فی الصدر الاول بعد وفاۃ النبی علیہ السلام علی امتناع خلو الوقت عن خلیفۃ و امام حتی قال ابوبکر ان محمد اقد مات ولابد لہذا الدین ممن یقوم بہ فبادر الکل الی قولہ وترکوا الاشیاء المہمۃ منہا دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصلوۃ علیہ والتعزیۃ لاہل البیت وتسلیتہم ولم یزل الناس بعد الخلفاء علی ذلک فی کل عصر الی زماننا ہذا من نصب امام متبع - الثانی انہ فیہ دفع ضرر مظنون وانہ واجب اجماعا وبیانہ انا علمنا علما یقارب الضرورۃ ان مقصود الشارع فیما شرع انما ہو مصالح عایدۃ الی الخلق معاشا ومعادا " یعنی امام کا معین کرنا ہم پر واجب ہے جسکی دو نقلی دلیلین ہین - ایک یہ کہ عہد جناب رسالتمآب صلعم کے بعد مسلمانون نے اس امر پر اجماع کیا کہ کوئی زمانہ اور کوئی وقت خلیفہ اور امام سے خالی نہ ہونا چاہئے اور نہ ہوسکتا ہے - اور اونکے اس اجماع کی خبر ہمین متواتر طور پر پہونچتی رہی ہے یہان تک کہ حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلعم کے انتقال ہی پر کہدیا کہ محمد تو مرگئے اور اس دین کیلئے کسی ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو اس کو چلا سکے اور اس کو باقی رکھے - پس تمام مسلمان آپ کے حکم پر جھک پڑے اور اوس کے عوض مہتم بالشان کامون کو ترک کردیا جن سے جناب رسالتمآب صلعم پر نماز

---

[۹۷] دیکھو شرح مواقف مرصد رابع کا مقصد اول ۱۲ مترجم

جنازہ پڑھنی۔ آپ کو دفن کرنا۔ آپ کے اہل بیت کی تعزیت کرنی اور اون کو تسلی دینا بھی تھا کہ یہ کل امور ترک کر دیئے گئے اور خلیفہ انتخاب کرنے مین صحابہ مشغول ہو گئے) اور خلفائے اربعہ کے بعد اسوقت تک تمام مسلمان برابر ایسا ہی کرتے آئے ہین کہ اپنے زمانہ مین کسی امام کو مقرر کر لیتے ہین جسکی عام طور پر پیروی کیجاتی ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ امام مقرر کر لینے سے وہ ضرر زائل ہو جاتا ہے جس کا گمان رہتا ہے اور ضرر کا دفع کرنا اجماعًا واجب ہے جسکی توضیح یہ ہے کہ ہم کو تقریبًا بدیہی حیثیت سے معلوم ہے کہ شارع کا مقصود اون شرعی امور مین جنکو اوس نے مقرر کیا ہے وہ مصالح ہین جنکا نفع درحقیقت خلق ہی کو اون کی زندگی اور آخرت مین حاصل ہوتا ہے یا ہوگا۔ اور یہ مقصود اوسوقت تک نہ حاصل ہوگا جب تک ہم کوئی امام نہ معین کرین جو اون امور کی نگرانی کرے اور اختلاف کے وقت امت محمدیہ صلعم اوس کی طرف رجوع کرے" انتہیٰ۔

مین کہتا ہون کہ صاحب مواقف کی اس عبارت مین کئی خرابیان اور متعدد غلطیان ہین کیونکہ اونھون نے مسئلہ امامت کے فروع دین سے ہونے پر یہ دلیل جو ذکر کی ہے کہ امام کا معین کرنا خود امت پر واجب ہے تو یہ مصادرہ علی المطلوب (یعنی دعوے ہی کو اوس کی دلیل مین بیان کر دینا) ہے (حالانکہ دلیل کو دعویٰ کے علاوہ ہونا چاہیئے) اس لئے کہ امت پر امام کا معین کرنا اوسوقت واجب ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ مسئلہ فروع دین سے ہے حالانکہ کسی دینی مسئلہ کا نقلی حیثیت سے واجب ہونا تین ہی چیزون سے ثابت ہو سکتا ہے۔ اول قرآن مجید۔ دوسری احادیث جناب رسالتمآب صلعم۔ تیسری اجماع۔ اور خود علمائے اہلسنت کے اقرار کے مطابق یہان تینون امور غائب ہین جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوگا۔ اور اون کے اس قول کا کہ "خود امت پر واجب ہے کہ اپنا امام معین کرے" نتیجہ یہ ہوگا کہ جب امت مین اتفاق نہ ہو تو امامت بھی منعقد نہ ہو سکے اور نہ کوئی شخص امام قرار پا سکے بلکہ اس حالت مین واجب ہے کہ بار بار غور و فکر کیجائے اور امام کا انتخاب ہو مگر اس کا کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا کیونکہ اون کے اختلاف رائے کیوجہ سے کسی شخص پر اتفاق ہی نہین ہوگا بس اس کو امت کی رائے پر چھوڑنا ہی باطل ہوگا۔ غرض امامت کو امت

کی رائے اور مسلمانون کے انتخاب پر چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا مین کوئی امام معین ہی نہ ہوسکے اور تمام مسلمان بغیر امام ہی کے رہین یا لازم آئیگا کہ ہر جماعت اور ہر شخص کا ایک امام علیحدہ ہو اور ہر فریق اپنے امام کے قول پر عمل کرے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک وقت مین متعدد اماموں کے ہونے سے شیرازہ اسلام کس درجہ پراگندہ ہوجائیگا۔ اور صاحب مواقف نے یہ جو کہا ہے کہ "مسلمانون نے اس پر اجماع کیا ہے کہ کوئی زمانہ اور کوئی وقت خلیفہ اور امام سے خالی نہ ہونا چاہیے" تو زمانہ کا امام سے خالی نہ ہونا عام ہے کہ وہ امام خواہ خدا و رسول کا مقرر کیا ہو خواہ امت کا منتخب کیا ہوا۔ اور عام کو خاص پر کوئی دلالت نہین ہوتی لہذا اس بیان سے یہ نہین ثابت ہوسکتا کہ امت ہی پر امام کا معین کرنا واجب ہے (یعنی یہ کس دلیل سے ثابت ہوا کہ امت ہی کے مقرر کردہ امام سے زمانہ کو خالی نہ ہونا چاہیے۔ ہم بھی کہتے ہین کہ بیشک امام سے زمانہ کو خالی نہ ہونا چاہیئے لیکن وہ امام خدا و رسول کا مقرر کیا ہوا ہوگا۔ اہل سنت جو کہتے ہین کہ امت ہی کا منتخب شدہ ہو تو اس کی کیا دلیل ہے) علاوہ برین آپ جس اجماع کا دعوے کرتے ہین وہ آپ کے مذہب کیلئے بجائے مفید ہونیکے مضر ہے کیونکہ تاریخ اس کو بتاتی ہے کہ اہلسنت کا بہت سا زمانہ ایسے امام سے خالی گزرا ہے جس مین وہ شرائط پائے جائین جو آپ کے اصول کے مطابق امام مین ہونے چاہئین (پس جب یہ شرائط ہی ان امامون مین نہ پائے گئے تو وہ امام بھی ناجائز امام ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ جائز امام سے خالی رہا) چنانچہ ایک صفت امام کا قریشی ہونا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے لیکن کس قدر خلفا اس شرط سے خالی گزرے ہین (مثلاً خلفائے بنی عباس کے بعد جس قدر خلفاء ہوئے وہ سب اس صفت سے خالی تھے کیونکہ وہ قریشی نہین تھے[۱]) دوسری شرط (بنا بر اختلاف کے) امام کا عادل ہو

[۱] خصوصاً ٹرکی کے سلاطین جو خلیفۃ المسلمین مانے گئے ہین وہ سب اس صفت سے خالی تھے اور یہی کی وجہ سے وہان جو عربی کتاب چھپتی ہے اسمین سے خلیفہ رسول کے قریشی ہونے کی حدیث اور بحث نکالدیجاتی ہے چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی اپنے سفرنامہ روم و مصر و شام مطبوعہ آگرہ صفحہ ۹۰ مین سلطنت ٹرکی کا حال لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہین کتابون کے چھپنے کے متعلق یہان جو روک ٹوک ہے وہ کسیقدر قابل اعتراض ہے۔ یہان عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھاپنا چاہتا ہے تو پہلے وہ کتاب معارف کے سررشتہ مین پیش کیجاتی ہے۔ وہان معائنہ اور تفتیش کا ایک جداگانہ صیغہ ہے۔ اس صیغہ کے عہدہ دار کتاب کو اول سے آخر تک پڑھجاتے ہین اور انکی ریورٹ کے موافق

مجتہد ہونا ہے (اور ان لوگون کے کس قدر خلفا روہ گزرے ہین جنکے غیر عادل اور غیر مجتہد
ہونے پر ان لوگون کا اتفاق رہا ہے) یہی حال دوسری صفتون اور شرائط کا بھی ہے اور
اس کا جواب یہ دینا کہ ان صفات و شرائط کا امام دنیا کے کسی اور مقام پر ہوگا جسکی
ہم کو خبر نہین ہے محض ہٹ دھرمی ہے - اور یہ جو کہا "پس تمام مسلمان آپ کے حکم پر
جھک پڑے" تو تمام مسلمانون کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر کے قول پر اوس وقت
کے تمام مسلمان نہین جھکے بلکہ صرف بعض جھکے تھے لہذا تمام مسلمانون پر یہ حجت نہین ہوسکتا
اور یہ بھی احتمال ہے کہ تمام مسلمان حضرت ابوبکر کے قول پر اس غرض سے جھک پڑے
ہون کہ اوس امام برحق اور خلیفہ جائز کو ڈھونڈین جو خدا اور رسول کیطرف سے عہد رسول خدا
صلعم ہی مین مقرر ہوچکا تھا - اور یہ جو کہا "مہتم بالشان کامون کو ترک کردیا" تو جس شخص نے
امام برحق کو چھوڑا اور دفن رسول سے منھ موڑا وہ ظالم - جاہل اور زندیق تھا - عالم، عادل اور
صدیق نہین تھا لہذا اس کی وجہ سے آپ کا مطلوب ثابت نہین ہوسکتا - اور فرقہ
شیعہ تو اون لوگون کے انھین شنیع کامون کی وجہ سے اکہ غسل و تکفین و تدفین رسول ؐ
کو ترک کر کے وہ لوگ اپنی دنیا بنانے چلے گئے) اونکے گنہگار بلکہ غیر مومن ہونے
پر استدلال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا طلبی مین مشغول ہوگئے جس کی
دلیل خود حضرات اہلسنت کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا من صلی علی
مغفورلہ غفرلہ ذنوبہ یعنی جس شخص کے گناہ بخشدیئے گئے ہون اوس پر جو شخص نماز جنازہ
پڑھیگا اوس کے بھی گناہ بخشدیئے جائینگے - پس اگر وہ صحابہ کرام آنحضرت صلعم کے
ارشادات پر ایمان رکھتے اور حضرت کے بیانات کو سچ سمجھتے ہوتے تو اس سعادت
کبرے اور مغفرت عظمی سے منھ نہ موڑتے - علاوہ برین دین یا دنیا کا کوئی کام ایسا
نہین ہے جس مین ایک دو روز تک رائے مشورہ موقوف رکھنے سے وہ کام

بعض اوقات کتاب کا چھاپنا روک دیا جاتا ہے یا اوس مین حک و اصلاح کیجاتی ہے... میرے سامنے ایک
مطبع مین شرح عقاید النسفی چھپ رہی تھی - معارف نے اس کتاب کی وہ تمام عبارت قلمزد کردی تھی
جسمین خلافت کی بحث ہے اور الائمۃ من قریش (امام کو قریش ہی سے ہونا چاہئیے) کی حدیث مذکور ہے
مطبع والے نے مجبوراً اوسی قلمزد نسخہ کو چھاپا - مین نے اصل نسخہ جس پر معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا
اور مجھ کو یاد ہے کہ اوس وقت مین رنج اور غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہوگیا تھا - ان لوگون
کا یہ تصرف سلطان کی ہوا خواہی مین کیا ہوگا" اس عبارت مین لفظ معارف جو مذکور ہے
یہ ٹرکی کے ایک بڑے مطبع (پریس) کا نام ہے ۱۲ مترجم -

بگڑ جائے۔ پس اگر ان صحابہ مین ایمان یا کم از کم انسانی مروت ہی ہوتی تو اسقدر صبر کرتے
کہ آنحضرت صلعم پر نماز جنازہ ہو جائے۔ حضرت دفن کر دیئے جائین اور آپ کے اہلبیت
کی تعزیت و تسکین کی رسم ادا کر دی جائے اوسکے بعد خلیفہ سازی کا کام چھیڑتے
آخر ایک روز آنحضرت صلعم کی آخری خدمات مین مشغول رہنے اور انتخاب
خلیفہ کو دوسرے روز پر موقوف رکھنے مین مسلمانون کا بگڑ تا ہی کیا تھا؟۔ اس سے
یہ نفع بھی ہوتا کہ انتخاب خلیفہ کے جلسہ مین حضرات اہلبیت بھی شریک ہو جاتے
کیونکہ خلافت کی نزاع تو انھین اہلبیت سے تھی۔ اسیوجہ سے تو حضرت علی علیہ السلام
نے فرما دیا کہ "کیف الشوریٰ والمشیرون غیب" یعنی جب مشورہ دینے والے ہی غائب
تھے تو سقیفہ بنی ساعدہ مین خلافت حضرت ابو بکر پر مشورہ ہوا کیونکر؟ کاش مجھ سے کوئی
صاحب فرما دین کہ آنحضرت صلعم کے مرتے ہی خلیفہ کا مقرر کر لینا اس درجہ ضروری
اور واجب فوری کیون سمجھ لیا گیا درحالیکہ کچھ ہی دیر قبل خود آنحضرت صلعم نے قلم اور
دوات طلب کر کے اس مسئلہ کے متعلق ایک فرمان اور وصیت لکھدینی چاہی تھی
تو حضرت عمر نے اوسے روکدیا اور کہدیا تھا حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمین رسول کی کسی
نوشتہ کی ضرورت نہین ہے ہمین قرآن مجید کافی ہے (پھر سقیفہ مین جاتے وقت کیون نہ کہدیا
کہ ہمین خلیفہ مقرر کرنے کی ضرورت نہین ہے ہمین قرآن مجید کافی ہے؟) جیسا کہ عنقریب
تفصیل سے بیان کیا جائیگا۔ اور یہ جو کہا کہ "اسوقت تک تمام مسلمان برابر ایسا ہی کرتے
آئے ہین" تو سفید جھوٹ اور محض غلط ہے اور اس کا خلاف واقع ہونا کسی بچہ پر
بھی مخفی نہین رہ سکتا۔ اور یہ جو کہا کہ "امام مقرر کرنے سے وہ ضرر زائل ہو جاتا ہے الخ"
تو نبی کے بعد خود امت کے امام کرنے مین بھی اوس ضرر کا اندیشہ باقی رہتا ہے اور زائل
نہین ہوتا بلکہ اس ضرر کا یقین ہے اور اس کے بعد بھی بعض اوقات یہ ضرر متصور
ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "ہم کو تقریباً بدیہی حیثیت سے معلوم ہے الخ" تو علاوہ اس کے کہ یہ
قول مصنف کے مقصود پر کسی طرح دلالت نہین کرتا اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے
کہ مصنف کتاب مواقف نے اس امر کا اقرار کر لیا کہ خدا کے افعال اغراض اور مصالح
پر مبنی ہوتے ہین اسلئے کہ مقصود اور غرض مین کوئی فرق نہین ہے۔ اور یہ کہنا کہ خدا کا
مقصود یا اوسکی غرض اوسکو فعل پر آمادہ نہین کرتی محض ہٹ دھرمی ہے جیسا کہ پوشیدہ

نہین رہ سکتا۔ اور ہم نے جو تفصیل اوپر کی ہے اوس سے یہ بات پایہ ثبوت کو
پہونچگئی کہ امامت درحقیقت نبوت کی قائم مقامی اور اوسی کی جانشینی کا نام ہے جیسا
کہ علامہ علیہ الرحمہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو حکمت
الہی مین نبوت کے واجب ہونے کیلئے جو ضرورت ثابت ہوئی ہے حکمت الہی مین
بعینہ وہی ضرورت امامت کے واجب ہونے کیلئے بھی ثابت ہے اسلئے کہ امامت
اوسی نبوت کی جانشینی اور نیابت تو ہے اور دونون مین اسکے سوا کوئی فرق ہی
نہین کہ نبی کو وحی الہی بلا واسطہ پہونچتی ہے اور امام کو نبی کے واسطہ سے۔ اور یہی
کلام ہے اون شرائط مین بھی جو ہمارے یہان معتبر اور ضروری ہین۔ اور فاضل ابن روز
بہان نے جناب علامہ علیہ الرحمہ کے جواب مین یہ جو کہا ہے کہ "امام کی شرط یہ ہے کہ
وہ اصول و فروع دین مین مجتہد ہو" تو غلط ہے کیونکہ امام کا رتبہ اس سے اجل و ارفع
ہے جس طرح نبی کا درجہ بھی اس سے بلند تر ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کے مباحث
مین اُس کی تفصیل انشاء اللہ آئے گی۔ یہان مجملاً یہی سمجھ لینا چاہئیے کہ اجتہاد کبھی صحیح
ہوتا ہے کبھی غلط۔ اور نبی سے غلطی واقع ہونا ہمارے مذہب کی روسے محال ہے
کیونکہ اوس کے لئے عصمت ضروری ہے۔ لہذا امام سے بھی غلطی نہین ہو سکتی اس
لئے کہ وہ نبی کا قائم مقام۔ اونکا نائب اور نبی ہی کیطرح وہ بھی معصوم ہوتا ہے لہذا نہ
نبی کو مجتہد کہنا چاہئیے نہ امام کو جیسا کہ سابقاً تفصیل سے بیان ہو چکا۔ دوسرے یہ کہ امام
پر اگرچہ بلا واسطہ وحی نازل نہین ہوتی لیکن اوس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ
کا مطالعہ کرتا ہے جس پر حضرات اہلسنت کے علامہ ابن حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت
کرتا ہے جو اونھون نے صحیح بخاری کی اوس روایت کی شرح مین لکھا ہے جس مین
آنحضرت صلعم نے امام حسنؑ پر جب آپ شیر خوار تھے اور صدقہ کی کھجور منھ مین رکھ لی تھی
اعتراض کیا تھا اور آپ سے فرمایا تھا کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ حرام علینا۔ یعنی
تھو تھو! کیا تمہین نہین معلوم کہ ہم لوگون پر صدقہ حرام ہے۔ اور جس شخص نے یہ خیال
کرے کہ امام حسنؑ اوسوقت دودھ پیتے تھے اور آپ پر ابھی کسی شرعی امر کی تکلیف نہین
تھی آنحضرت صلعم کے امام حسنؑ پر اعتراض کرنے کو امر عجیب سمجھا کہ آنحضرت صلعم نے
امام حسنؑ پر کیون اعتراض کیا (کیونکہ وہ تو کوئی بات سمجھ سکتے ہی نہین تھے) تو اس شخص

کا (جس نے اسکو امر عجیب سمجھا تھا) جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا ہے بعدم استواء حال الحسن وحال غیرہ لان الحسن فی تلک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ کہ امام حسن علیہ السلام کی حالت کو دوسرے بچون پر قیاس نہین کرنا چاہیے اس لئے کہ امام حسنؑ اس حالت شیر خوارگی مین بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ علاوہ برین اگر امام کو بھی مجتہد مانین تو بعض اوقات وہ لاجواب بھی کر دیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی شخص کو وہ کوئی حکم دے تو وہ شخص اس امام سے کہہ سکتا ہے کہ "مجھ پر آپ کا حکم ماننا اوسوقت تک ضروری اور واجب نہین ہے جبتک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ جو کہہ رہے ہین وہ صحیح ہے اور اس اجتہاد مین آپ نے غلطی نہین کی ہے اور آپ کی شہوانی قوت کے غلبہ سے یہ حکم نہین صادر ہوا ہے۔ اور اس کے جاننے کا (کہ یہ قول آپ کی شہوانی قوت کے غلبہ سے نہین صادر ہوا ہے) کوئی ذریعہ میرے پاس نہین ہے سوا اسکے کہ آپ ہی کہین۔ اور آپ کا کہنا مجھ پر ہمیشہ حجت نہین ہے بلکہ اوسی وقت حجت ہو سکتا ہے جب آپ پر شہوانی قوت غالب نہ ہو بلکہ قوت عقلیہ غالب ہو جو ملکہ عصمت کے قریب قریب ہوتی ہے۔ اور مین نہین جانتا کہ اسوقت آپ پر شہوانی قوت غالب ہے یا قوت عقلیہ لہذا آپ پہلے اس کو ثابت کر لیجیے کہ آپ پر اسوقت شہوانی قوت غالب نہین ہے بلکہ عقلی قوت غالب ہے پھر مین آپ کے حکم کو مانون گا" تو فرمائیے وہ امام صاحب جس کا آپ کے اعتقاد کے مطابق معصوم ہونا ضروری نہین ہے بلکہ صرف مجتہد ہونا کافی ہے اس شخص کا کیا جواب دے سکتے ہین اور اون کی امامت کیا کام دے گی۔ یہان اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام کے صرف مجتہد ہونے سے اوس کے حکم کی صحت معلوم ہو جائے گی اور اگر یہ بھی نہین تو جس طرح فتوے دینے والے کا قول ماننا اس کے مقلد پر ضروری ہوتا ہے اوسیطرح مجتہد امام کا حکم ماننا بھی ہر مسلمان پر فرض ہوگا اگرچہ وہ امام معصوم نہ ہو تو ہم جواب مین کہین گے کہ مجتہد امام کے رہتے ہوئے مسلمانون مین دوسرے مجتہد بھی تو ہون گے پس وہ مجتہدین اس امام سے کہہ سکتے ہین کہ ہم نے آپ کا حکم ماننے کے متعلق اجتہاد کیا تو اجتہاد نے یہ فیصلہ کیا کہ اسوقت آپ کا حکم نہ مانین۔ اس طرح مجتہد امام صاحب اون مجتہدین کے جواب سے عاجز ہو جائین گے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ جس طرح فتوے دینے والے کا قول ماننا مقلد پر ضروری ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفتی کا قول اوسی شخص پر واجب ہے

جو جاہل محض ہو کہ صحیح اور غلط مسئلہ مین کسی طرح تمیز نہ کر سکے۔ اور جو شخص خود اجتہاد کرکے تمیز کر سکتا ہے اوس پر دوسرے مجتہد کا قول ماننا کسی طرح واجب نہین ہے۔ اس کا ایک جواب علامہ علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کتاب الیقین مین دیا ہے جو طوالت کے خوف سے یہان ترک کیا گیا جسکو خواہش ہو وہ اون کی اوس کتاب مین دیکھ لے۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "فن حرب کی تدبیر اور لشکر کے انتظام و ترتیب مین تجربہ کار اور صاحب رائے و بصارت ہو" تو یہ بھی شرط عصمت کے لوازم سے ہے کیونکہ واضح ہو کہ جو معصوم ہو گا امور دینیہ مین عقل اور بصارت سے اوسکی تائید ضرور کیجائے گی۔ اسیطرح صفت شجاعت بھی ہے۔ اور جب فاضل مخاطب کو صفت شجاعت لکھنے کے بعد یہ کھٹکا ہوا کہ یہ صفت حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان مین تو پائی نہین گئی جو غزوات جناب رسالت مآب صلعم مین بار بار فرار کرتے رہے (جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا) پس اون لوگون کی امامت ہی باطل ہو جائیگی تو اس کے ساتھ یہ جوڑ لگا دیا کہ "امام مضبوط دل کا ہو" تاکہ اون حضرات کی شجاعت پر کوئی اعتراض کرے تو یہ کہنے کا موقع باقی رہے کہ شجاعت تو دل کی مضبوطی کا اثر اور نتیجہ ہوتی ہے اور دل کی حالت ایک امر غیبی ہے جس کو خدا کے سوا کوئی نہین جانتا لہذا ممکن ہے وہ حضرات (خلفائے ثلثہ) مضبوط دل کے رہے ہون اگرچہ اس صفت کے ظاہر ہونیکا موقع عمر بھر مین کبھی پیدا نہین ہوا۔ لیکن اس ترکیب اور ایسی تاویل کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسمین کہان تک معقولیت ہے کہ دل تو مضبوط ہو مگر ہر جنگ مین بھاگا ہی کرین۔ رہی پانچوین صفت عدالت تو جب شیعون نے امام مین صفت عصمت تسلیم کر لی پھر اس کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے اسلئے کہ یہ اوس سے کہین پست تر اور حقیر تر صفت ہے جو غیر امام مین بھی پائی جاتی ہے۔ اور اس کے بیان مین فاضل مخاطب نے جو دلیل ذکر کی ہے کہ "جو شخص فاسق ہوتا ہے وہ اکثر مسلمانون کے مالون کو اپنی ذاتی غرضون مین صرف کر ڈالتا ہے" اسکی رکاکت مخفی نہین رہ سکتی کیونکہ یہ دلیل دعوے سے اخص ہے (یعنی دعوے تو عام ہے کہ امام کا عادل ہونا شرط ہے اور دلیل خاص ہے کہ تاکہ وہ امام مسلمانون کا مال نہ ہضم کر جایا کرے)۔ نوین صفت آزاد ہونا مسلم ہے جسمین کوئی کلام نہین ہے۔ اور دسوین صفت جو قریشی ہونا لکھی ہے تو یہ امام ہونے کی شرط نہین ہے اگرچہ حضرات آئمہ

اثنا عشر علیہم السلام جو خلفائے برحق تھے کل قریش ہی بلکہ بنو ہاشم بلکہ بنو عبد المطلب بلکہ خاص اولاد رسولخدا صلعم سے تھے۔

فاضل مخاطب کے جواب پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اونھون نے جو کہا "لفظ عصمت سے آپ کی کیا مراد ہے الخ" اور اس مین جو شکلین نکالین تو یہ سب مہمل ہین اول اس وجہ سے کہ یہ کہنا "امام اپنی ہر حالت مین اور ہمیشہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ سے بچتا رہے الخ" اوس دعوی ہی کو منع کرتا ہے جس پر دلیل قائم کی گئی ہے تو یہ قانون مناظرہ سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ جناب علامہ علیہ الرحمہ نے اس دعوی پر جو دلیل قائم کی ہے اوس کا جواب دینا چاہئے نہ کہ دعوے ہی سے انکار کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے جو دو شقین ذکر کی ہین تو ہم پہلی ہی شق کو اختیار کرتے ہین اور کہتے ہین کہ آپ نے اپنے جملہ "اس کا ضروری ہونا ہم تسلیم نہین کرتے" سے جو منع ذکر کیا ہے وہ یا گناہان صغیرہ سے بچنے پر منع ہے جس پر اون کا بعد کا قول دلالت کرتا ہے کہ "اوس سے صرف بعض گناہان صغیرہ کے صادر ہونے پر الخ" یا ہر حالت مین گناہون سے بچنے پر منع ہے تو اسکا باطل ہونا ظاہر ہے کیونکہ منجملہ حالات کے کھولہ (ادھیڑ پنا) شیخوخۃ (بڑھاپا) سفر حضر۔ بیٹھنا۔ کھڑا ہونا۔ سوار رہنا۔ پیدل رہنا سب ہی ہے اور واضح ہے کہ ان حالات سے کسی حالت مین بھی اگر ظالم سے مظلوم کا عوض امام نہ لے تو اوس کی امامت کا فائدہ زائل ہو جائیگا۔ اور پہلی صورت بھی باطل ہے کیونکہ گفتگو اس مین نہین ہے کہ امام سے گناہان صغیرہ صادر ہوتے ہین یا نہین یا اون کے صادر ہونیکی وجہ سے ظالم سے مظلوم کا عوض لینے کی قابلیت امام سے زائل ہو جائیگی یا نہین بلکہ گفتگو اس مین ہے کہ امام سے گناہان کبیرہ یا صغیرہ صادر ہو سکتے ہین یا نہین کیونکہ اگر ہم مان لین کہ امام سے گناہ ہو سکتے ہین تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امام کبھی خطا کرے اور انصاف نہ کر سکے یا ظالم سے عوض نہ لے سکے لہذا دوسرے امام کی ضرورت ہوگی اس مین بھی یہی تقریر جاری ہوگی اور تسلسل لازم آئیگا۔ مختصر یہ کہ امام معین کرنے کی غرض یہ ہے کہ وہ مسلمانون کو گناہون اور بری باتون سے روکے اور اچھے کامون پر آمادہ کرے لیکن اگر اوس سے بھی گناہ ہوگا اور وہ بری باتین کریگا تو دوسرے امام کی ضرورت ہوگی جو سابق امام کو اوس گناہ یا بری باتون سے روکے اور یہ دوسرا امام

بھی معصوم نہ ہوگا تو تیسرے امام کی ضرورت ہوگی اور اسیطرح سلسلہ بڑھتا چلا جائے گا جبتک کسی معصوم امام تک آکر نہ رک جائے جس سے گناہ ہو ہی نہ سکے اوس کے بعد دوسرے امام کی ضرورت نہین ہوگی اور ممکنات کے واجب تک منتہی ہونے کی جو دلیل ہے (یعنی دنیا کی جو چیز ہے وہ ممکن ہے لہذا کسی کی پیدا کی ہوگی اب اگر وہ پیدا کرنیوالا ممکن ہے تو اوسکو بھی کسی نے پیدا کیا ہوگا لہذا ایک ایسی ذات کو ماننا پڑیگا جو ممکن نہ ہو بلکہ واجب ہو کہ اوسکو کسی نے نہ پیدا کیا ہو اور وہی خدا ہے) اوسی کے مشابہ امام کے معصوم ہونے کی یہ دلیل بھی ہے جس سے دونون مقامون مین سلسلہ غیر متناہی کا اعتراض دفع ہوجاتا ہے بعض اوقات مخالفین یون ہٹ دھرمی کرتے ہین کہ امام کی غرض وہ نہین ہے جو آپ نے ذکر کی ہے کہ وہ مسلمانون کو بری باتون سے روکے اور اچھے کامون پر آمادہ کرے بلکہ صرف یہ ہے کہ اہل اسلام کی حفاظت کرے اور انکے امور کو باقاعدہ نظام کے مطابق مرتب کرے تاکہ مسلمانون مین کوئی فتنہ و فساد نہ پیدا ہو اور بندون کے حالات مین کسی قسم کا خلل نہ آئے چنانچہ فاضل مخاطب کے کلام مین بھی اسطرف اشارہ موجود ہے اور اس کا جواب واضح ہے کیونکہ اہل اسلام کے امور کو ایسے قاعدہ نظام پر مرتب کرنا جو شریعت کے مطابق نہ ہو شارع کو مطلوب نہین ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ کل مسلمان شرعی حدود کے اندر رہین اور اونکا کوئی امر شریعت کے خلاف نہ ہو لہذا واجب ہے کہ امام معصوم ہو اور کوئی گناہ نہ کرسکے ورنہ امام کے رہتے ہوئے بھی مسلمانون کے امور کا انتظام شرعی نہین ہوسکے گا۔ کم ازکم اوسی کے گناہ کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوسکتی ہے لہذا دوسرے امام کی ضرورت ہوگی جس سے شرعی انتظام حاصل ہوسکے تیسرے یہ کہ ہم دوسری شق کو اختیار کرتے ہین اور کہتے ہین کہ آپ نے ملکہ کے جو احکام بیان کئے اون سے اکثر باطل ہین جنھین آپ نے اپنے دل سے اختراع کیا ہے خصوصاً یہ قول "وصدور بعض الصغایر عنہ فی بعض الاوقات لا یبطل ملکۃ العصمۃ" یعنی اس عادل سے کبھی کبھی بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہوتے رہنا تو اس سے اوس کا ملکہ عصمت زائل نہین ہوسکتا" بالکل غلط اور باطل دعوے ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "ملکہ اوس کیفیت کو کہتے ہین جو نفس مین اسطرح راسخ الخ" تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ کتب مروجہ مین ملکہ کی تعریف وہی ہے جسمین دوام وضبط (ہمیشہ رہنا اور مستحکم ہونا) داخل ہے چنانچہ محقق دوانی اپنے مشہور فارسی رسالہ مین جسکو صفت عدالت

کی تحقیق مین تحریر کیا ہے لکھتے ہین "چون نفس متمرن بملکات ثلث حکمت و عفت و شجاعت گردد بوسبے کہ علی الدوام افعال بر قانونے مضبوط و نہجے مقرر از وصدور یابد بے تجشم رویتی جدید و سعی مستانف آن ملکہ عدالت باشد انتہے" یعنی جب نفس تینون ملکہ حکمت عفت اور شجاعت کا اس طرح عادی اور خوگر ہو جائے کہ اوس سے یہ افعال ہمیشہ بغیر کسی جدید کوشش یا نئی توجہ کے مستحکم اصول اور پختہ قانون کے مطابق صادر ہوتی رہین تو یہ ملکہ عدالت کہا جائیگا انتہے۔ اور علامہ ابن حاجب نے اپنی کتاب مختصر الاصول اور دوسرے محققین نے اپنی کتابون مین عدالت کی تعریف یہ کی ہے کہ انہ کیفیۃ راسخۃ تبعث المتصف بہا علی ملازمۃ التقوی والمروۃ یعنی عدالت اوس کیفیت کا نام ہے جو نفس مین راسخ ہو جائے اور جس شخص مین یہ پیدا ہو جائے اوس کو تقوی اور مروۃ کی پابندی پر آمادہ کئے رہے۔ پس مصنف مذکور کی عبارت مین لفظ رسوخ اور ملازمۃ کا مقتضی یہ ہے کہ یہ صفت نفس مین ہمیشہ پائی جائے اور کبھی زائل نہ ہو۔ پھر کوئی عقل والا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ فن کتابت (لکھنا) مثلاً جب کسی شخص کا ملکہ ہو جائے گا تو اسمین غلطی واقع ہونا اوس ملکہ کے خلاف نہین ہوگا (یعنی کسیوقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قوت و آلات و اسباب رہتے ہوئے وہ شخص لکھنے پر قادر نہ ہو) بلکہ خود فاضل مخاطب نے اسکے قبل مسئلہ عصمت انبیا کی شرح مین اشاعرہ کی جو تعریف عصمت نقل کی ہے کہ ان لا یخلق اللہ فیہم ذنبا یعنی خدا اون مین کوئی گناہ نہ پیدا کرے وہ بھی ہمیشگی اور لزوم ہی کو ثابت کرتی ہے (کہ انبیا سے گناہ کبھی صادر نہین ہوگا) بلکہ حکما کی جو تعریف عصمت اوس مقام پر نقل کی ہے وہ بھی یہی بتاتی ہے۔ غرض فاضل موصوف نے اس مقام پر جو کہا ہے کہ "اس ملکہ کے خلاف کبھی کسی کام کا ظاہر ہونا اوس ملکہ کی قوت زائل ہو جانیکا ثبوت نہین ہوتا" بالکل غلط اور عقل و نقل دونون ہی کے مخالف ہے۔ ہان کوئی خارجی سبب پیدا ہو جانے سے ملکہ عدالت کے خلاف کوئی بات ہو سکتی ہے مثلاً جو شخص شراب سے برابر بچتا ہوا سکے حلق مین کوئی زبردستی شراب ڈالدے یا نبی کو دشمن ہلاک کرنا چاہے تو اس سے بچانے کے لئے جھوٹ بولدیا جائے کیونکہ ایسی صورت مین جھوٹ بولنا اقل القبیحین (دو برائیون مین سے کمتر) ہے (جس سے نبی ہلاک ہو جائے) اور حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے من ابتلی ببلیتین فلیختر ایسرہما یعنی جو شخص دو طرف سے مصیبتون مین مبتلا

اوسے چاہئے کہ جو ہلکی مصیبت ہو اوسکو اختیار کرلے (تاکہ بڑی مصیبت سے بچ سکے) اور چونکہ ان دونوں (مجبوراً شراب پینے اور جھوٹ بولنے کی) مثالون یا اسی قسم کی اور صورتون مین درحقیقت شرع کی کوئی مخالفت نہین ہے لہذا ان گناہون کے ہو جانے سے ملکہ عدالت زائل نہین ہوگا۔ یہی حال تقیہ کا بھی ہے (جسمین مذہب اور جان بچانے کیلئے جھوٹ بولدینے پر انسان مجبور ہوجاتا ہے کہ اس سے بھی عدالت زائل نہین ہوسکتی) جیساکہ پوشیدہ نہین ہے۔

فاضل مخاطب کے جواب پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اونھون نے آخر مین جو کہا ہے کہ "فاسق ظالم جور ڈاکو اونکے یہان امام کیونکر ہوسکتا ہے" اور جناب علامہ علیہ الرحمہ کے اعتراض سے انکار کرگئے تو یہ ایسا حیلہ ہے جو اون کے بزرگان دین اور علمائے ملت کے اعتقادات اور تحقیقات کی خرابیان زائل نہین کرسکتا چنانچہ علامہ اسفرائنی شافعی نے کتاب الینابیع کے باب الخبابات مین لکھدیا ہے وینعقد الامامة ببیعة اہل الحل والعقد من العلماء والرؤساء ووجوہ الناس الذین یتیسر حضورہم الموصوفین بصفات الشہود کامامة الصدیق واستخلاف من قبله ولو لبعضہم کامامة الفاروق وبجعله الشوری کامامة عثمان وبقبول المولی من عهد المولی الی موته وبالقهر والاستیلاء ولو فاسقا وجاہلا وعجمیا یعنی امامت اور خلافت ثابت کرنے کے متعدد طریقہ ہین ایک یہ کہ اہل حل وعقد یعنی علماء۔ روساء۔ اور ارکان قوم سے جو لوگ حاضر ہوسکین اور گواہون کی صفتین اون مین پائی جائین وہ کسی کی بیعت کرلین جیسے حضرت ابوبکر کی خلافت ہوئی دوسرا یہ کہ سابق خلیفہ مابعد کے خلیفہ کو نامزد کرجائے جیسے حضرت عمر کی خلافت تیسرا یہ کہ سابق خلیفہ خلیفہ مابعد کو شورے سے مقرر کرنے کو کہہ جائے جیسے حضرت عثمان کی خلافت چوتھا یہ کہ مولے اپنے مولی کے عہد کو اپنی موت تک قبول کرلے (جیسے حضرت علی کہ آنحضرت صلعم نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہکر آپ کو اپنا ولیعہد بنایا تھا لہذا حضرت علی نے حضرت عثمان کے بعد حضرت رسولخدا کے اوس ارشاد کے مطابق مسلمانون کا مولے اور خلیفہ ہونا قبول کرلیا)۔ پانچوین یہ کہ قہر اور غلبہ سے کوئی خلیفہ بن جائے اگرچہ وہ فاسق۔ یا جاہل یا عجمی ہو اسکتے۔ اور شرح عقاید نسفی مین ہے لاینعزل الامام بالفسق والجور لانه قد ظهر الفسق وانتشر الجور من الائمة

والامراء بعد الخلفاء والسلف کانوا ینقادون لهم ویقیمون الجمع والاعیاد باذنهم یعنی فسق اور ظلم کی وجہ سے امام یا خلیفہ معزول نہین ہو سکتا کیونکہ بہت سے خلفاء اور نیز امراء سے فسق اور ظلم ظاہر ہوا اگر بزرگان دین برابر اونکو خلیفہ مانتے اور اونکی اطاعت کرتے رہے اور اونکی اجازت سے نماز جمعہ اور نماز عیدین قائم کرتے رہے۔ اور شرح وقایہ مین جو فقہ حنفی کی مسلم الثبوت کتاب ہے لکھا ہے کہ لا یحد الامام حد الشرب لانہ نایب من اللہ تعالی انتہے یعنی خلیفہ شراب پیئے تو اوس پر شراب پینے کی حد نہین جاری کیجائیگی کیونکہ وہ خدائے تعالے کا نائب ہے انتہے۔ پس ان حضرات نے ان خرافات اور مہمل عقاید کو اسوجہ سے مانا ہے کہ اسکے ذریعہ سے معویہ، یزید وغیرہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کی خلافت کو صحیح کہہ سکین اور جن بزرگ (عالم اہلسنت) کے قلم سے یہ نکل گیا ہے کہ امام یا خلیفہ کو عادل ہونا چاہیے تو غالبًا انھون نے اسکو شرط استحسانی کہا ہے نہ شرط لازم یعنی اونکا مقصود یہ ہے کہ خلیفہ کا عادل ہونا بہتر ہے یہ مقصود نہین ہے کہ خلیفہ کا عادل ہونا ضروری ہے اور جو عادل نہین ہوگا وہ خلیفہ ہو ہی نہین سکتا) جیسا کہ مطول مین کہا ہے کہ ان اعتقاد التنافی شرط حسن قصر القلب یعنی تنافی کا اعتقاد قصر قلب کے حسن کی شرط ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لاصلوٰۃ الا بحضور القلب یعنی بغیر حضور قلب کے نماز ہی نہین ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کامل نہین ہوئی نہ یہ کہ ہو ہی نہین سکتی۔ فتدبر۔ اور فاضل مخاطب نے آخر مین جو شعر کہا ہے اوس کا جواب یہ ہے ؎

اذا ما رای فاضلا فی الامام - یفضله فیه لقد ولنسبه + ملوث الطهر بما فضله

فضول الصفهان ما انجسه

قول علامہ علیہ الرحمہ دوسری بحث یہ کہ امام کا رعیت (یعنی باقی مسلمانون) سے افضل اور بہتر ہونا ضروری اور واجب ہے چنانچہ شیعون کا اعتقاد یہی ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے مگر حضرات اہلسنت نے اسمین بھی مخالفت کی ہے اور فاضل پر مفضول کو مقدم کرنا یعنی افضل کے رہتے ہوئے کم مرتبہ والون کو امام بنا لینا جائز سمجھتے ہین لیکن ان کا ایسا کرنا عقل اور نقل دونون ہی سے جنگ کرنی ہے اسلئے کہ مفضول کی تعظیم اور فاضل کی توہین کرنے

یا مفضول کا مرتبہ بڑھانے اور فاضل کا مرتبہ گھٹانے کو عقل برا سمجھتی ہے اور قرآن مجید بھی اس کی مذمت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون (سورہ یونس رکوع ۴) یعنی جو حق کی راہ دکھائے وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اوس کی پیروی کیجائے یا جو ایسا ہے کہ جب تک دوسرا اوسکو راہ نہ دکھائے وہ خود بھی راہ نہیں پا سکتا تو تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب (سورہ زمر رکوع ۱) یعنی اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوئے ہین؟ نصیحت تو وہی لوگ پکڑتے ہین جو عقل رکھتے ہین۔ تو جو شخص زیادہ علم رکھتا ہو زیادہ زاہد اور حسب ونسب کے اعتبار سے زیادہ شریف ہو وہ اوس کی اطاعت کیونکر کر سکتا ہے جو ہر صفت مین اوس سے ادون (پست تر) ہو۔

قول ابطال امام کے رعیت سے افضل اور بہتر ہونے سے اگر آپ کی یہ مراد ہے کہ وہ حسب۔ نسب۔ شرف۔ معرفت۔ عفت۔ شجاعت اور علم مین اپنی رعیت سے افضل ہو تو اس کا واجب ہونا عقلاً ضروری نہین معلوم ہوتا کیونکہ عقل صریح طور پر حکم کرتی ہے کہ امامت اور خلافت کا مدار ملک وملت کی حفاظت قواعد حکومت وسلطنت کے جاننے اور رعیت کے ساتھ مناسب برتاؤ کرنے پر ہے کہ وہ نہ فظ غلیظ (درشت خو اور بد مزاج) ہو جس سے رعیت نفرت کرنے لگے اور نہ اس قدر نرم اور کمزور ہو کہ رعیت اوس پر غالب آجائے اور حامی عزت وشوکت اسلام ہو۔ پس ان امور کیلئے اوسی قدر علم کافی ہے جس کو ہم لوگوں نے امام کی شرط قرار دیا ہے یعنی وہ مجتہد ہو اور اجتہاد کر سکے۔ یہی حال شجاعت اور حسب ونسب مین قریشی ہونیکا ہے پس اگر رعیت مین ایسا شخص موجود ہو جسمین یہ صفتین امام سے زیادہ پائی جائین لیکن وہ سلطنت کی حفاظت اوس طرح نہ کر سکے تو عقل یہی فیصلہ کرے گی کہ جو شخص سلطنت کی حفاظت زیادہ کر سکے اوسی کو امام اور خلیفہ ہونا چاہیئے اور تاریخ سے ثابت ہے کہ بہت سے مفضول ایسے گذرے ہین جو امامت اور خلافت کی صلاحیت فاضل سے زیادہ رکھتے تھے کیونکہ ہر خلافت اور ہر حکومت مین قابل لحاظ امر یہی ہے کہ

اوس کی مصالح اور مفاسد معلوم ہون اور اوسکے لوازم پورے کرنے کی جانگی قوت موجود ہو۔ تو بہت سے وہ حضرات جو علم اور عمل مین دوسرون سے کم اور پست تر تھے حکومت اور سلطنت کے اصول با حسن وجوہ جانتے اور اچھا برتتے تھے اور اسکے شرائط کو زیادہ قابلیت سے پورا کرنے اور اس بوجھ کے اٹھانے کی قدرت بہتر رکھتے تھے۔ اور اگر افضل سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اوس کا ثواب خدا کے یہان زیادہ ہو تو اس سے اوس کا دینی شرف اور سعادت البتہ زیادہ ہوگی لیکن اسکو دنیوی حکومت اور ریاست سے کیا تعلق ہے۔ اور اگر افضل سے آپ کی مراد یہ ہے کہ حفاظت سلطنت اور تدبیر مملکت مین دوسرون سے بہتر علم و قابلیت رکھنے کی وجہ سے وہ امامت کیلئے زیادہ سزاوار ہو تو ہم بھی تسلیم کرتے ہین کہ بیشک یہی فاضل امامت کیلئے زیادہ موزون ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہین گے کہ اگر پست تر شخص سے حفاظت سلطنت کا کام انجام پا جائے تو فاضل کو اس پر مقدم کرنا واجب نہین ہوگا ہان بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اگر مفضول کی بیعت پہلے نہ ہوگئی ہو تو جو شخص (حفاظت سلطنت کی) قابلیت زیادہ رکھتا ہو وہی امام بنایا جائے۔ اور اگر مفضول کی بیعت پہلے ہو گئی ہے اور اوس کے بدلنے مین فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے تو اوس کا بدلنا جائز نہین ہے۔ یہ ہم نے صرف علامہ حلی کی اوس تقریر کا جواب دیا ہے جو اونھون نے فاضل پر مفضول کے مقدم کرنے مین عقلی خرابی کے طور پر ذکر کی تھی ورنہ ہم دل سے اس کے قائل نہین ہین۔ اس کے بعد اونھون نے قرآن مجید سے جو دلیل ذکر کی ہے تو اوس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم اور جاہل یا ہدایت کرنیوالا اور گمراہ کرنے والا یا ہدایت یافتہ اور گمراہ شخص برابر نہین ہین اور یہ مسلم ہے کسی کو کلام نہین اسی وجہ سے وہ فاضل جو امام نہین ہوا (اور اوس کے رہتے مفضول امام بن گیا) وہ علم اور شرف کے اعتبار سے مفضول پر ترجیح ہی پائیگا لیکن جب حکومت اور سلطنت کیلئے مفضول زیادہ موزون اور حفاظت کرنیوالا ثابت ہو تو وہی خلافت اور امامت کا بھی زیادہ حقدار اور مناسب ہے اور اسمین کوئی خرابی نہین ہے۔ اور فرقہ اشاعرہ کے علماء سے بعض لوگون نے اس مین تفصیل کی ہے کہ اگر افضل شخص کے امام ہونے سے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو تو اوس کا مقرر کرنا واجب نہین ہے مثلاً لشکر اسلام اور رعایا اوس افضل شخص کی اطاعت نہ کرین اور مفضول ہی کی حکومت تسلیم کرین تو اسی مفضول کا خلیفہ ہونا ضروری ہو۔ ہان اگر

ایسا نہ ہو تو پھر افضل ہی کو خلیفہ بنانا واجب ہے۔

قول احقاق حضرت علامہ علیہ الرحمہ کا مقصود یہ ہے کہ کل محامد و اوصاف اور صفات
حمیدہ و اخلاق پسندیدہ مثلاً علم، زہد، کرم، شجاعت، عفت وغیرہ
مین امام کو دوسرے مسلمانون سے افضل اور اکمل ہونا چاہئے غرض ضروری ہے کہ
امام وہی ہو جو نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ شریف، عزت و مرتبہ کے
اعتبار سے سب سے زیادہ بلند اور خلقہ و خُلق کے اعتبار سے سب سے اکمل ہو۔
جس طرح نبی کو اپنی امت سے ہر اچھی صفت مین افضل اور برتر ہونا ضروری ہے، اور
یہ ایسا واضح مسئلہ ہے جس پر چھوٹے بڑے علما، حکما سب متفق ہین لیکن حضرات
اہلسنت نے البتہ اکثر صفات مثلاً امام کے سب سے اعلم سب سے زیادہ شجاع اور
سب سے اشرف ہونے مین مخالفت کی ہے کیونکہ وہ جانتے ہین کہ حضرت ابوبکر
ایسے نہین تھے اور حضرت عمر و ابو عبیدہ نے اپنی رائے سے اونھین خلیفہ بنا دیا
اسی طرح حضرت عمر بھی ان اوصاف سے خالی تھے مگر حضرت ابوبکر کے بنا دینے سے
وہ خلیفہ بن گئے لیکن یہ حضرات اتنا نہین سمجھتے کہ انکا یہ ناجائز اختیار قوم کے مکر و فریب
جاہ خلافت کی فریفتگی اور حقیقی نائب رسول صلعم کی عداوت سے واقع ہوا جس پر مشہور
صحابی طلحہ کے قول سے پوری روشنی پڑتی ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے اپنے بعد
حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا اور اس کا وصیت نامہ لکھدیا تو طلحہ نے حضرت عمر سے کہا ولیتہ
امس ولاک الیوم یعنی تم نے کل (بروز سقیفہ) حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا اور اسی کے
عوض مین) آج اونھون نے تمکو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اسی قسم کے بہت سے کید
حیلے، اور مکر و فریب کی تدابیر ان حضرات نے خلافت کو اوسکے حقیقی اہل سے غصب
کرنے کے لئے استعمال کی ہین۔ اسی طرح فرقہ معتزلہ کی ایک جماعت بھی جس سے
علامہ عبد الحمید بن ابی الحدید مدائنی (شارح نہج البلاغہ ایسا محقق) بھی ہے کہتی ہے
کہ کسی مصلحت سے مفضول کو فاضل پر مقدم کر دینا جائز ہے بلکہ وہ لوگ تصریح
کر دیتے ہین کہ "ان علیا افضل من ابی بکر و جاز تقدیم ابی بکر علیہ مصلحۃ یعنی
حضرت علی یقیناً حضرت ابوبکر سے افضل تھے پھر بھی مصلحتاً حضرت ابوبکر کو حضرت
علی پر مقدم کر دینا جائز ہوا" لیکن یہ قول کسی طرح قبول نہین کیا جاسکتا ہے کیونکہ

لطیف خبیر کیلئے عقلاً ونقلاً ہر طرح یہ امر نہایت مذموم ہے کہ جو شخص مفضول اور ابھی خود ہی تکمیل کا محتاج ہو اوسکو ایسے شخص پر فضیلت دیدیجائے جو افضل اور اکمل ہو۔ چنانچہ ایسی ہی تفصیل نبوت کی بحث مین گزر گئی۔ اور ان لوگون کے شبہہ کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے عمرو بن عاص اور اسامہ بن زید کو حضرت ابوبکر و عمر پر مقدم کیا کیونکہ بعض غزوات مین اون دونون کو سردار اور ان دونون کو اونکا ماتحت بناکر بھیجا حالانکہ حضرت ابوبکر و عمر اون دونون سے افضل تھے۔ مگر اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کا اون دونون صحابیون سے افضل ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟ کیونکہ شیخین کے افضل ہونیکا عقیدہ تو آپ حضرات نے اون کے خلیفہ بن بیٹھنے سے ایجاد کیا ہے۔ اگر یہ دونون حضرات خلیفہ نہ بنجاتے تو آپ اونکو افضل بھی نہین کہتے۔ اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت ابوبکر و عمر اون دونون صحابیون (عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید) سے افضل تھے تو قابل غور یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے صرف جنگ مین عمرو بن عاص اور اسامہ کو ان کا سردار مقرر کیا تھا اور فن جنگ مین وہ دونون ان شیخین سے یقیناً زیادہ ماہر اور ہوشیار تھے جس کی تصدیق کثرت احادیث۔ تواریخ اور مشہور واقعات سے ہوتی ہے۔ یہ جواب تو اوس صورت کا ہے جب ہم خلافت مین کسی کے مقدم اور کسی کے مؤخر ہونے کو خدا کے اختیار سے سمجھین لیکن اگر اس کو امت کے اختیار سے متعلق کرین جیسا جمہور اہلسنت کا مذہب ہے تب بھی یہ لایق قبول نہین کیونکہ عقل اسکو برا سمجھتی ہے کہ جو شخص مفضول اور علوم فقہ مین مثلاً مبتدی اور ابجد خوان ہو اوسکو حضرت ابن عباس پر مقدم کردیا جائے جو اون لوگون سے ان علوم مین کہین زیادہ بلند پایہ رکھتے تھے۔ پس اس امر کی خرابی کسی عاقل پر پوشیدہ نہین رہ سکتی اور اس سے مخالفت کرنیوالا صرف مکابر (ہٹ دھرم) ہی ہو سکتا ہے۔

کسقدر حیرت انگیز یہ امر ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کے حضرت علی پر مقدم کرنے کو (جو سقیفہ بنی ساعدہ کے چند مسلمانون کا کیا ہوا تھا) علامہ ابن ابی الحدید نے خدا کی طرف نسبت دیدی ہے چنانچہ اوھنون نے اپنی شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ مین لکھا ہے کہ وقدم المفضول علی الفاضل لمصلحۃ اقتضاھا التکلیف یعنی مقتضائے تکلیف کی مصلحت

سے خدا نے مفضول کو فاضل پر مقدم کر دیا۔ اور یہ قول نہایت درجہ لغو ہے کیونکہ جو امر عقلا برا ہے اوسکو علامہ ممدوح نے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ وہ عدلی المذہب ہین (یعنی معتزلی ہین جنکا اعتقاد ہے کہ خدا عادل ہے اور اوس کا ہر فعل عدل کے مطابق ہونا ضروری ہے) تو اس قول مین علامہ ممدوح نے اپنی ہی مذہب کی مخالفت کی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ خطبۂ شقشقیہ کی شرح کرنے لگے جسمین حضرت امیر المومنین نے خلفائے ثلثہ کے غصب خلافت کرنے کی تصویر کھینچی ہے تو حضرت کی شکایات کو اوسی بھول گیا۔ لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علی کی ان شکایات کی تاویل کرنے سے خود حضرت علی پر بڑا اعتراض ہوتا ہے کیونکہ دو حالتون سے خالی نہین ہو سکتی یا حضرت ابوبکر کو خدا نے خلیفہ بنایا ہوگا تو اس صورت مین حضرت علی کی شکایت کسی طرح جائز نہین ہو سکتی اس لئے کہ پھر یہ اعتراض خدا پر ہوگا کہ اوس نے کیون آپ کے رہتے ہوے ابوبکر کو خلیفہ بنایا اور معلوم ہے کہ خدا کے کسی فعل پر اعتراض کرنے والا کفر کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔ یا حضرت ابوبکر کو مسلمانون نے خلیفہ بنایا ہوگا تو اگر مسلمانون نے اپنی دینی مصلحت کے لئے ایسا کیا تو اون سب کو اپنی مصلحت معلوم ہوئی لیکن حضرت علی کو اسکی مصلحت نہین معلوم ہوئی پس آپ اس سے جاہل رہے مگر حضرت کو اوس سے جاہل کہنے کی جرأت بھی کوئی مسلمان نہین کر سکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کو اپنی دینی مصلحت کے لئے خلیفہ نہین بنایا بلکہ اتفاقاً بنا دیا تو پھر حضرت علی کی شکایت کی یہ تاویل درست نہین ہو سکتی۔ غرض جب حضرت علی کی شکایت اس خلافت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان سے یقینی ہے تو ان حضرات کی خلافت صحیح کسی طرح ثابت ہی نہین ہو سکتی۔ اور افضل کے رہتے ہوئے مفضول کو خلیفہ مقرر کرنا اس دلیل سے بھی باطل اور ناجائز ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے خلیفہ ہونے کے بعد مسلمانون سے کہا تھا اقیلونی اقیلونی فانی لست بخیر کم و علی فیکم یعنی تملوگ مجھے چھوڑ دو کیونکہ حضرت علی کے رہتے ہوئے مین تملوگون سے بہتر نہین ہون۔ اور یہ دلیل اس کتاب کی خصوصیات سے ہے جسکو یاد رکھنا چاہیے۔ فاضل مخاطب نے جناب علامہ علیہ الرحمہ کا جواب دیتے ہوئے جو لکھا ہے "وہ حسب۔ نسب۔ شرف۔ معرفت۔ عفت۔ شجاعت اور علم مین افضل ہو" اس مین معرفت اور علم دونون کو ذکر کیا ہے جو محل تامل ہے کیونکہ

معرفت سے مراد اگر علم ہی ہے تو اسکے لئے دو لفظ لکھنا فضول تھا اور معرفت سے مراد اگر قواعد
حکومت واصول سلطنت کا جاننا ہے جیسا کہ اس کی ایک سطر کے بعد لکھا ہے تو اس سے
پہلی سطر مین انکار کرنے اور بعد مین اسی کو تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی۔ اور یہ جو
کہا "عقل صریح طور پر حکم کرتی ہے الخ" تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر ہم تسلیم بھی کر لین کہ خلافت
کا مدار ملک وملت کی حفاظت۔ قواعد حکومت وسلطنت کے جاننے اور رعیت کے ساتھ
مناسب برتاؤ کرنے پر ہے تاہم یہ حفاظت اور برتاؤ وہی معتبر ہوگا جو شرعی اصول کے مطابق
اور جور وظلم کی آمیزش سے خالی ہو اور واضح ہے کہ اس قسم کی حفاظت وہ شخص کر سکتا ہو
جو اوصاف علم وفقہ وزہد وشجاعت سے متصف بلکہ درجہ عصمت پر فایز ہو جیسا کہ ابھی
بیان کیا گیا۔ اور وہ حفاظت اسلام نہین معتبر ہو سکتی جو معمولی دینوی یا سیاسی طرز پر ہو
جیسی معویہ ویزید کی تھی یا خلیفہ بنی امیہ ولید کی جس نے (قرآن مجید مین فال دیکھی آیت
اوس کے خواہش کے خلاف نکلی تو) قرآن کو پتھر بارانی کر کے پھاڑ ڈالا۔ یا ظالم اور
خونریز حجاج (گورنر بنی امیہ) کی یا چوری سے خلافت پر قبضہ کرنے والے منصور دوانیقی
وغیرہم کی کیونکہ یہ لوگ تو بغیر لحاظ حفاظت دین وملت اسلام کے صرف اپنی سلطنت حکومت
اور جاہ وحشمت محفوظ رکھنے کے لئے ہر اوس خدا رسیدہ کو قتل کر دیتے تھے جس سے اونکے
دنیوی عیش کو خطرہ پہونچنے کا اندیشہ ہوتا تھا اور ہر اوس برگزیدہ شخص کو سولی پر چڑھا دیتے
اوس کے مکان مین آگ لگوا دیتے اوس کی اور اوسکے اعزہ اقربہ ہمسایون کی گردنین
مار دیتے اور بھی مختلف قسم کی سزائین دیتے تھے جس سے مخالفت کا ذرہ برابر بھی شبہہ
پیدا ہو جاتا یا جس کو کوئی شخص غلط طور پر متہم کر دیتا۔ حالانکہ شرعی حیثیت سے اُن بیچارون
کا کوئی گناہ ثابت نہین ہوتا تھا اور کسی قسم کی خطا کی تحقیق نہین ہوتی تھی مختصر یہ کہ حکومت
اور سلطنت کی حفاظت ایسے عنوان سے جس سے صرف ظاہری انتظام ہو لڑائی جھگڑا
موقوف رہے ایک شخص دوسرے پر ظلم نہ کرنے پائے وہ خلفا بھی کر لیتے ہین
جو صرف برائے نام خلیفہ اور در حقیقت سلاطین جور ہین بلکہ کوتوال، اور چوکیدار بھی یہ
کام انجام دیدیتے ہین بلکہ جو بادشاہ کافر اور غیر مسلم بلکہ دشمن اسلام ہوتے ہین اونسے
بھی یہ فوائد حاصل ہوتے رہے ہین۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دین ومذہب اسلام اور
ایمان وشریعت کی حفاظت کون شخص کر سکتا ہے۔ چنانچہ جو حضرات خلفاے رسول ؐ

سب سمجھے جاتے ہین اونھین کی یہ حالت تھی کہ اپنی سلطنت کے ہر خطرہ کا انتظام تو کر لیتے تھے مگر احکام دین اور اصول مذہب مین کوئی خرابی پیدا ہوجاتی یا کوئی مشکل آن پڑتی تو اوس کی اصلاح یا حل کرنے سے عاجز رہ جاتے تھے جسکو ایک شاعر عبد اللہ بن الحر نے اپنے ان شعرون مین اس طرح ادا کیا ہے۔

تبیت النشاوی من امیۃ نوما ۔ وبالطف قتلی ما ینام حمیمھا + وما ضیع الاسلام الا قبیلۃ ۔ تامر نو کاھا ودام نعیمھا + واضحت قناۃ الدین فی کف ظالم ۔ اذا اعوج منھا جانب لا یقیمھا + یعنی بنی امیہ کے شراب خوار لوگ تو آرام کی نیند سویا کرتے ہین مگر کربلا مین (آل محمد) شہید ہو کر پڑے ہوئے ہین + اسلام کو اسی قبیلہ (بنی امیہ) نے ضائع و برباد کردیا جسکے جاہل اور احمق لوگ مسلمانون کے حاکم بن بیٹھے اور برابر عیش کرتے رہے اور دین و مذہب کی لگام ایسے ظالمون کے ہاتھ مین پڑ گئی جو اسلام مین کوئی رخنہ یا کسی قسم کی خرابی پیدا ہو تو اوس کو کسی طرح زائل نہین کرسکتے۔

ہر سمجھدار شخص کو غور کرنا چاہیے کہ حضرات اہلسنت کے خلیفہ یزید بن معویہ کے زمانہ مین حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام جو اس بے دردی سے قتل کر دیئے گئے اس سے ملک و ملت اسلام کی کس قسم کی حفاظت ہوئی ؟ یا اوس نے مدینہ منورہ پر حملہ کر کے جو وہان والون کو قتل کرایا اور صحابہ جناب رسالتمآب صلعم نیز تابعین کی ہزارہا لڑکیون کا ازالہ بکارت کرڈالا (جو اسلام کی تاریخ مین واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے) اس مین مخلوق کے حقوق کی کیا رعایت کی گئی ؟ یا اوس نے کعبہ پر منجنیق کے ذریعہ سے جو گولے برسوائے اور خانہ خدا کو مسمار کرادیا اس سے کون سا حسن انتظام مقصود تھا اور اسلام کی کس قسم کی خدمت انجام پائی ؟ اور فاضل مخاطب نے امامت کی شرطون مین یہ جو لکھا ہے کہ "وہ نہ فظ غلیظ (درشت خو اور بدمزاج) ہو" تو اس وجہ سے حضرت عمر کی خلافت مین بڑی مشکل پڑ جائے گی کیونکہ صحابہ آپ کو انھین صفتون سے ناپسند کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "ان امور کیلئے اوسیقدر علم کافی ہے الخ" تو اس کا جواب بھی گزر چکا اور حضرت عمر کے اجتہاد سے جو فاحش غلطیان ہوتی رہی ہین اُن کی تفصیل آگے آئیگی جن پر وہ برابر اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور لولا علی لھلک عمر (اگر حضرت علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا رہتا) فرماتے رہے ہین اور یہ بھی کہا

کرتے تھے کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات یعنی ہر شخص (مجھ) عمر سے زیادہ علم والا اور سمجھدار ہے۔ یہانتک کہ پردہ نشین عورتیں بھی۔ اور یہ جو فرضی صورت بیان کی ہے کہ "اگر رعیت مین ایسا شخص موجود ہو الخ" تو یہ فرض محال ہے کیونکہ ایسی کوئی صورت عقل مین آہی نہین سکتی کہ ایک شخص حسب۔ نسب۔ شرف۔ معرفت۔ علم اور شجاعت مین سب سے بڑھا ہوا ہو پھر بھی وہ سلطنت کی حفاظت قانون شرعی کے مطابق اچھی طرح نہ کرسکے اور وہ شخص کرسکے جو ان اوصاف مین اوس سے کمتر ہو۔ ان حضرات کا مطلب شاید یہ ہو کہ حضرت علی علیہ السلام بمقابلہ حضرت ابوبکر و عمر کے ایسے ہی تھے لیکن اس خیال کا غلط ہونا واضح ہے کیونکہ سب جانتے ہین اور کل اسلامی تاریخین اس پر گواہ ہین کہ حضرت عمر کے زمانہ مین فتح ایران و عراق اور اشاعت اسلام وغیرہ امور مین جو کچھ کامیابی ہوئی وہ سب اسوجہ سے کہ وہ حضرت علی سے اصرار کرکے مشورہ لیتے (اور حضرت علیؑ اسلام کی محبت اور ہمدردی کا خیال کرکے مجبوراً مناسب رائے دیتے اور کامیابی کی تدبیرین کرتے) جس سے حضرت عمر فائز المرام ہوتے گئے سلہ چنانچہ خلیفہ ثانی کے زمانہ کا ایک مشہور اور عظیم الشان واقعہ یہ بھی ہے کہ جب مدینہ مین یہ خبر پہونچی کہ ایرانیون کے اوس علم کے مقابلہ مین جسکا نام درفش کاویانی ہے اوس جدول کے سبب سے جسے اوس پر بعض جادوگرون نے بنادیا تھا اور جسکے طول مین بھی سو خانہ تھے اور عرض مین بھی سو خانہ مسلمانون کا علم سرنگون ہوگیا اور مسلمانونکو ہزیمت ہوئی تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے مخصوص علم جفر سے کام لے کر مسلمانون کے علم پر بھی ایک جدول بنادی اور اسکے طول مین ایک سو ایک اور عرض مین بھی ایک سو ایک خانہ رکھے۔ چنانچہ حضرت کی اس جدول سے ایرانیون کے طلسم کی خاصیت باطل ہوگئی اور دوسری جنگ مین مسلمانون کا لشکر فتحیاب اور ایرانیون کا علم سرنگون ہوگیا۔ ہان حضرت مکر و فریب جعلسازی اور دھوکہ بازی کو ہمیشہ حرام

سلہ اس زمانہ کے جدید تعلیم یافتہ اور نکتہ سنج مورخین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر کو اپنی خلافت مین جو کامیابی ہوئی وہ زیادہ تر حضرت علی ہی کے مفید مشورون اور موثر تدبیرون سے چنانچہ مسٹر سید امیر علی صاحب اپنی تاریخ اسلام مین لکھتے ہین کہ "حضرت عمر کے عہد حکومت مین جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علی کی صلاح و مشورہ سے عمل مین آئے تھے"

جانتے اور ان باتون سے برابر بچتے رہتے تھے اگرچہ اہل عرب ان چیزون کے برتنے
والون کو دہاۃ (ہوشیار اور چالاک) سمجھتے اور ان اوصاف مین معویہ کو استاد
قرار دیتے تھے چنانچہ لوگون نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ
خبر پہونچی کہ آپ کے لشکر سے کچھ لوگ کہتے ہین کہ معویہ بڑا چالاک شخص ہے اور حضرت
علی ایسے نہین ہین تو حضرت نے ان لوگون سے فرمایا لولا الدین لکنت من ادھی
العرب یعنی اگر خدا کا خوف اور دین و ایمان کا پاس نہ ہوتا تو مین تمام عرب سے
زیادہ ہوشیار اور چالاک ثابت ہوتا۔ اور دوسری شق اختیار کرکے فاضل مخاطب
نے جو کہا ہے "اگر افضل سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اوس کا ثواب خدا کے یہان
زیادہ ہو الخ" تو یہ بھی بے جوڑ سی بات ہے کیونکہ ایسا کوئی شخص عقل مین آتا ہی نہین
ہے جو اپنے زمانہ مین سب سے زیادہ ثواب کا مستحق تو ہو مگر قوانین امامت اور اصول
حکومت کے علم سے خالی ہو اور اس صفت مین دوسرون سے پست تر ہو۔ اور
تیسری شق مین جو یہ فرمایا ہے "اگر پست تر شخص سے حفاظت سلطنت کا کام انجام
پا جائے الخ" تو یہ صاف صاف بلا وجہ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا اور ترجیح دینا ہے

[1] زمانہ حال مین ایک بہت بڑا عیسائی علامہ اور وسیع النظر و محقق مورخ ملک مصر مین گزرا ہے
جسکا نام تھا (علامہ) جرجی زیدان - جو عربی - فارسی - انگریزی - جرمنی - فرانسیسی - لاطینی زبانون کا
بڑا ادیب تھا اور اسلامی تاریخ کی اطلاع جیسی اس زمانہ مین اوس کو تھی بہت کم لوگون کو ہوگی اوس
نے اسلامی تاریخ کے متعلق متعدد کتابین نہایت تحقیق اور بکمال جامعیت سے لکھی ہین۔ اوس کا
ایک قابل قدر علمی رسالہ بھی الہلال نامے عربی زبان مین مصر سے شائع ہوتا تھا جو یورپ۔ مصر
عرب - عراق - ایران - روس و ہندوستان وغیرہ ممالک کے تمام عربی دان مسلمانون اور علمی
ذوق رکھنے والے عیسائیون مین بھی نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس شخص کو اسلامی تاریخ
پر جو بے مثل اور بے نظیر عبور حاصل تھا اوسکی شہادت کے لئے یہی امر کافی ہے کہ حال مین مصر مین
جو قومی یونیورسٹی قایم ہوئی اور اوسمین اسلامی تاریخ پر اعلےٰ درجہ کا لکچر دینے کے لئے ایک وسیع
النظر پروفیسر علم تاریخ کی جستجو ہوئی تو مصر - ٹرکی - شام - عراق - عرب وغیرہ مین کوئی شخص ایسا
نہین ملا جو اس عیسائی علامہ کے برابر اس کام کو انجام دے سکتا۔ مجبوراً مسلمانون نے اسی علامہ کو مقرر
کیا۔ اس نے اپنی بے مثل مولفات مین ایک کتاب تاریخ التمدن الاسلامی لکھی ہے جو پانچ جلدون
مین ہے اور جسکی مدح مین اکثر علمائے یورپ بھی رطب اللسان ہین۔ اس کتاب کا ترجمہ دنیا کے
تقریباً تمام مسلمانون کی زبانون مین ہوگیا ہے۔ علامہ ممدوح نے اپنی اسی کتاب مین حضرت
علی ع کے متعلق جو لکھا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت امیر المومنین ع کا مکر و فریب اور خلاف
صدق و حق باتون سے علیحدہ بلکہ متنفر رہنا اس درجہ واضح ہے کہ مخالفین اسلام بھی اعتراف

جس پر عقل اور نقل دونون ہی کا اعتراض ہے اور اسی کو جناب علامہ علیہ الرحمہ نے
قابل شناعت سمجھا ہے تو پھر فاضل مخاطب کو اس درجہ طویل تقریر کرنے کی کیا ضرورت
تھی مختصر طور پر کہہ دیتے کہ جب مفضول سے ملک کا انتظام درست ہو تو اس کو افضل پر
ترجیح دینا جایز ہے تاکہ آپ سے اور جو کچھ مہمل لغو اور بھرتی کی باتون کیلئے خامہ فرسائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲)

کرتے بلکہ اس کی وجہ سے آپ کی مدح کرتے ہین چنانچہ صفحہ ۳ جلد چہارم مین لکھتا ہے اما علی فحکایاته
فی الزهد والتقوی کثیرة وکان شدید التمسك بالاسلام حر القول والفعل لا یعرف
الدهاء ولا یرکن الی الحیلة فی شان من الشؤون۔ وانما همه الدین وعمل تمه فی
اعماله الصدق والحق۔ فمن امثلة تقشفه وزهده انه تزوج فاطمة بنت النبی
ولیس له فراش الا جلد کبش کانا ینامان علیه باللیل ویعلفان علیه ناضحهما
بالنهار ولم یکن عنده خادم یخدمه وجائه مال من اصبهان فی ایام خلافته
فقسمه علی سبعة اسهم۔ فوجد فیه رغیفا فقسمه علی سبعة۔ وکان یلبس قطیفة
لا تقیه البرد ورآه بعضهم یحمل تمرا فی ملحفته قد اشتراه بدرهم فقال له
یا امیر المومنین الا نحمله عنك۔ فقال "ابو العیال احق بحمله"۔ ومن اقواله
فی کیف یجب ان یکون المسلمون قوله "خمص البطون من الطوی یبس الشفاه
من الظماء۔ عمش العیون من البکاء" (ابن اثیر صفحہ ۲۰۴ جلد ۳)۔ ومن امثلة عدله
انه رأی درعاله عند رجل فتقاضیا الی شریح القاضی فوقف علی جانب خصمه
احتراما للعدل۔ وکان اذا بعث رجاله فی حرب اوصاهم ان یرفقوا بالناس
وان یکفوا الاذی عن النساء وکان شدیدا فی محاسبة رجاله حرصا علی العدل والحق
کما کان یفعل عمر۔ ولو تولی امور المسلمین فی زمن عمر والناس فی دهشة
النبوة وصدق الدین لکان نصیبه من الحکم اطول ولما بدا فی تدبیره ضعف
ولکنه تولاها وقد فسدت النیات وطمع العمال فی الاحکام واطمعهم وادهاهم
معویة بن ابی سفیان فانه جمع الرجال حوله بالدهاء والحیلة والبذل وعلی
یضیع الاحزاب بتدقیقه فی محاسبة عماله وقواده والمبالغة فی المحافظة علی
الدین واسباب التقوی ففارقه جلة الصحابة حتی ابن عمه عبد الله بن عباس

کی ہے اوس کی ضرورت نہ ہوتی۔ فاضل مخاطب نے آگے تصریح کی ہے کہ اونھون نے یہ جواب ہمارے اس اصول کو تسلیم کرکے دیا ہے کہ حسن و قبح اشیا عقلی ہین چنانچہ لکھتے ہین "یہ توہم نے صرف علامہ حلی کی اوس تقریر کا جواب دیا ہے الخ" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس تیسری شق مین اونھون نے جو تقریر کی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳)

وکان عاملا له علی البصرة فوشی به ابو الاسود الدؤلی الی علی فکتب علیؑ الی ابن عباس بذلك ولم یذکر اسم الواشی۔ فاجابه اما بعد فان الذی بلغك باطل وانی لما تحت یدی لضابط وله حافظ فلا تصدق الظنین والسلام" فکتب الیه علیؑ "اما بعد فاعلمنی ما اخذت من الجزیة۔ ومن این اخذت وفیما وضعت" فکتب الیه ابن عباس "اما بعد فقد فهمت تعظیمك مرزاة ما بلغك انی رزئته من اهل هذه البلاد فابعث الی عملك من احببت فانی ظاعن عنه والسلام"۔ واستدعی اخواله من بنی هلال بن عامر فاجتمعت معه قیس کلها فحمل مالا وقال "هذه ارزاقنا اجتمعت" فتبعه اهل البصرة الی مکة ولم ینتفع علیؑ به ولا باحزابه۔ فلم یفعل علیؑ بابن عمه غیر ما کان عمر یفعله بعماله۔ ولکن الاحوال کانت قد تغیرت، وقام معویة یبتاع الاحزاب بالعطاء ویجتذب القواد بالدهاء یعنی رہے حضرت علی (علیہ السلام) تو زہد و تقوی (وغیرہ اوصاف) مین آپ کے واقعات بہت کثرت سے ہین (جنکا حصر اور شمار نہین ہوسکتا) آپ (قوانین و شریعت) اسلام کی سختی سے پابندی کرتے۔ اپنے ہر کام اور ہر کلام مین نہایت آزاد اور پابند حق رہتے تھے۔ مکر و فریب اور چالاکی دھوکہ بازی کے قریب تک نہین جاتے اور ان باتون کو (گویا) جانتے تک نہین تھے۔ آپنے اپنی زندگی کی کسی حالت مین حیلہ سازی کی طرف رخ تک نہین کیا۔ بلکہ آپ کی تمام تر ہمت اور کوشش صرف دین (کی پابندی اور اسی پر خود قائم رہنا اور دوسرون کو بھی باقی رکھنا) تھا اور آپ اپنے تمام افعال اور جمیع حرکات و سکنات مین جو کچھ اعتماد کرتے اور جس چیز کا لحاظ رکھتے وہ صرف سچائی اور حق کی پابندی ہوتی۔ چنانچہ آپ کے زہد اور دنیا کی نفرت کے واقعات سے ایک (قابل ذکر اور عبرت خیز) امر یہ بھی ہے کہ آپ کی شادی

وہ عقلی اصول کے مطابق ہونے کے عوض بالکل مخالف عقل ہے اور حکماء و عقلاء
نے جو رائے قائم کی ہے اوسکے بھی خلاف ہے چنانچہ اعقل الحکماء شیخ الرئیس
بوعلی سینا نے اپنی کتاب شفاء کی الہیات مین خلیفہ کے یہ شرائط کہ اوسکو خدا و
رسول کیطرف سے منصوص (مقرر کیا ہوا) اور (تمام مسلمانون سے) افضل ہونا چاہیے
اسی طرح اوسکی دوسری صفات لکھنے کے بعد کہا ہے والمعول الاعظم العقل وحسن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴)

جب حضرت رسالتمآب صلعم کی صاحبزادی جناب فاطمہ زہرا سے ہوئی تو آپ کے پاس ایک دنبہ
کی کھال کے سوا کوئی چیز فرش کیلیے نہین تھی۔ تو دونون میان بی بی شب کے وقت اوس کھال
پر سورہتے اور دن کو آپ کا اونٹ اوسی کھال پر دانہ کھلایا جاتا۔ آپ کے خدمت کیلیے
کوئی خادم اوسوقت تک نہین تھا (بلکہ کل کام خود ہی کرتے یا جناب سیدہ انجام دیا کرتین) آپ مال
خدا کو ہر شخص کے حق کے مطابق فوراً تقسیم کردینے کا اسدرجہ خیال رکھتے تھے کہ ایک دفعہ
اصفہان (ایران) سے کچھ مال آپ کے عہد خلافت مین آیا تو اوس کے مستحقین کے مطابق
اوس مال کو سات برابر برابر حصون مین تقسیم کیا۔ جب کل مال کے حصے ہوگئے تو ایک روٹی
بھی بچی۔ حضرت نے اوس کے بھی سات ٹکڑے کرائے اور مال کے ہر حصہ پر روٹی کا
ایک ٹکڑا بھی رکھدیا گیا اور اس طرح وہ مال تقسیم کیا گیا۔ لباس مین بھی آپ کا زہد اسی اعلی
درجہ پر پہونچا ہوا تھا چنانچہ) آپ ایسی چادر استعمال کرتے تھے جو آپ کو سردی کی اذیت
سے بچا نہین سکتی تھی۔ (ایک دفعہ) کسی شخص نے آپ کو دیکھا کہ اپنی چادر مین کھجورین باندھکر
اور اپنے اوپر رکھ کر لیجارہے ہین جسکو ایک درہم مین خرید فرمایا تھا۔ تو اوس شخص نے
حضرت کی خدمت مین عرض کی کہ "اے امیر المومنین یہ مجھے دیدیجیے پہونچادون" آپ نے جواب
دیا "وہ بھائی جو صاحب عیال ہے اوسی کا کام اسکو پہونچانا بھی ہے" (چنانچہ اوس شخص کو وہ
بوجھ نہین دیا اور خود ہی لے گئے)۔ آپ کے حکمت آموز اقوال سے ایک یہ بھی ہے کہ جب
کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ مسلمانون کو کیسا ہونا چاہیے تو فرمایا (زہد اس قدر
اختیار کرین کہ) بھوک کیوجہ سے اون کے پیٹ دبے ہوئے ہون اور پیاس کیوجہ سے
ہونٹ خشک ہوگئے ہون اور (خوف خدا مین) روتے روتے اون کی آنکھین زخمی اور کمزور
ہوگئی ہون" (دیکھو تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۴) آپ کے عدل اور مساوات کے واقعات سے
یہ بھی یادگار اور نہایت درجہ سبق آموز واقعہ ہے کہ آپ نے اپنی ایک زرہ کسی شخص کے پاس پائی (اسکا
مطالبہ کیا اوس شخص نے دینے سے انکار کیا) تو دونون نے شریح قاضی کے یہان اس مقدمہ کو پیش
کیا۔ وہان حضرت علی نے عدل و انصاف کا احترام باقی رکھنے کی غرض سے یہ تدبیر کی کہ آپ (شریح
کی کچہری مین) بیٹھے نہین بلکہ اپنے خصم کے پہلو مین (اوسی کی طرح) کھڑے رہے (چنانچہ یہ کیفیت
دیکھ کر وہ شخص جو نصرانی تھا فوراً مسلمان ہوگیا اور اقرار کرلیا کہ بیشک یہ زرہ آپ ہی کی ہے مین نے فلان
موقع پر لیلی تھی۔ حضرت نے وہ زرہ اوسی کو بخشدی) حضرت علی جب کوئی لشکر کسی جہاد مین روانہ کرتے
تھے تو ان سب کو بطور وصیت تاکید فرماتے تھے کہ دیکھو لڑتے وقت لڑنیوالون کے ساتھ نرمی کرنا اور جو تم سے نہ لڑے
برا بھی تعرض نہ کرنا انھین کوئی اذیت نہ پہونچنے پائے۔ آپ کو عدل پھیلانے اور حق قائم کرنے کی اسقدر فکر
رہتی تھی کہ اپنے ماتحتون اور عاملون سے (مسلمانون کے مال کا) حساب لینے مین آپ بڑی جانچ کرتے تھے جیسا کہ حضرت
عمر اسکے بارے مین کہا جاتا ہے کہ) کرتے تھے۔ اگر حضرت عمر کا زمانہ آپکو ملتا (یعنی جس زمانہ مین حضرت عمر مسلمانون کے خلیفہ رہتے تھے
اوسوقت حضرت علی ہی خلیفہ ہوتے) جبکہ مسلمانون مین عام طور پر نبوت کی دہشت باقی تھی اور

الا بالۃ ممن کان متوسطا فی الباقی بعد ان لا یکون غریبا فی البواقی و لا یکون بمنزلتہ فی ھذین فیلزم اعلمھا ان یشارک اعقلھما و یلزم اعقلھما ان یعتضد بہ و یرجع الیہ مثل ما فعل عمر و علی انتہے۔ یعنی جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵)

ان کا صدق تدین بالکل زائل نہین ہوا تھا تو یقینا حضرت علی کی حکومت اور انتظام سلطنت کی کامیابی کل خلفاء سے بہتر ثابت ہوتی اور آپ کی تدبیر و نمین کسی قسم کی کمزوری پیدا نہین ہوتی لیکن (افسوس) آپ ایسے زمانہ مین مسلمانون کے سردار بنائے گئے جب سب کی نیتین بگڑ گئی تھین اور اسلامی حکومت مین جسقدر عامل۔ والی اور کارپرداز تھے اونکی طمع بہت زیادہ ہو گئی تھی اور احکام مین وہ بہت لالچی ہو گئے تھے۔ اور اس طمع نیز حیل و فریب اور مکر و دھوکہ بازی مین معویہ بن ابی سفیان کا منبر سب سے بڑھا ہوا تھا چنانچہ وہ اپنے گرد (ذی اثر، صاحب اقتدار اور مفسد) لوگون کو دھوکہ بازی حیلہ سازی۔ اور بکثرت صرف مال و عطا جائزہ سے جمع کرتا رہتا تھا۔ برخلاف اوسکے حضرت علی کمال اصول عدل اور شدت تقوی کی پابندی کرکے اپنے عاملون۔ والیون اور سرداران لشکر وغیرہ سے باقاعدہ حساب فہمی کرتے اور مال خدا کے ذرہ ذرہ کی جانچ پڑتال کرتے نیز دین و شریعت کی حفاظت اور اوصاف ورع و تقوی کی رعایت اسدرجہ فرماتے کہ جو لوگ پہلے سے طماع حریص اور دنیا پرست ہو گئے تھے وہ آپکے اس پابندی حق و انصاف کی برداشت نہ کرسکتے اور آپکا ساتھ چھوڑ دینے پر بہت جلد آمادہ ہو جایا کرتے چنانچہ بہت سے صحابہ نے آپ سے علیحدگی اختیار کرلی تھی یہانتک کہ آپ کے چچازاد بھائی عبد اللہ بن عباس بھی جو آپکی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے (سنہ ۳۹ھ مین ابو الاسود دُئلی اور انمین حضرت عبد اللہ بن عباس مین کسیوجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا تو) ابو الاسود دئلی نے حضرت علی کے یہان عبد اللہ بن عباس کی شکائتین لکھ بھیجین (کہ یہ بیت المال مین ناجائز تصرف اور غبن کرتے رہتے ہین جو عام مسلمانونکا مال ہے) حضرت علی کو یہ خبر لی تو آپ نے عبد اللہ بن عباس کو تحریر فرمایا کہ ہمین تمھارے متعلق اس قسم کی شکایت پہونچی ہے تم حقیقت حال سے مطلع کرو مگر آپ نے عبد اللہ بن عباس کو ابو الاسود دئلی کے نام سے مطلع نہین فرمایا۔ عبد اللہ بن عباس نے حضرت کے یہان جواب مین لکھا کہ "آپ کے پاس میری جو شکایت پہونچی ہے وہ قطعا غلط ہے، مین بیت المال کی پوری حفاظت کر رہا ہون اور اوسکے ایک ایک درہم کا حساب موجود ہے۔ آپ متہم شخصون کے بیان اور اس قسم کی بیہودہ خبرون کا کچھ بھی خیال نہ فرمایئے والسلام"

وسلم کی جانشینی اور خلافت کا دار و مدار سب سے زیادہ دو صفتون پر ہے ایک علم و عقل دوسرے حسن انتظام اوس شخص مین جس مین باقی صفات اور دوسرے شرائط خلافت بھی اوسط درجہ کے پائے جاتے ہون۔ اور وہ دوسری صفات سے بالکل عاری اور خالی نہ ہو اور اون دونون صفتون (علم و عقل اور حسن انتظام) مین بھی بمنزلہ اسی (عاری اور خالی) کے نہ ہو پس (اگر دو شخص فرض کئے جائین کہ ایک مین علم زیادہ ہے اور دوسرے مین عقل زیادہ تو) جس شخص مین علم زیادہ ہو اوسے لازم ہے کہ اوس شخص کا شریک ہو جائے جسمین عقل زیادہ ہے اور جس شخص مین عقل زیادہ ہو اوسکو لازم ہے کہ برابر اوس شخص سے مدد حاصل کرتا رہے جسمین علم زیادہ ہے اور اپنے ہر امر مین اسکی

لیکن حضرت علی کو عبد اللہ بن عباس کے اس جواب سے اطمینان نہین ہوا اور آپ نے پھر اونکے پاس یہ تحریر روانہ فرمائی "تم مجھے تفصیل سے مطلع کرو کہ جزیہ کی کس قدر رقم تم نے لوگون سے وصول کی ہے۔ اور کس کس مقام اور کن صورتون سے حاصل کی ہے اور کن کامون مین خرچ کیا اور کسطرح رکھا ہے" جب حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس آپ کی یہ تحریر پہونچی تو اوھنون نے حضرت علی کو جواب مین لکھا کہ "مین سمجھ گیا کہ آپ تک جو میری شکایت اس امر کی پہونچی ہے کہ مین نے ان ملکون کے مال مین کمی کردی ہے اور غبن کا مرتکب ہو گیا ہون اس شکایت کو آپ سچ سمجھتے ہین اور ان چیزون کو آپ بہت وزن دیتے ہین لہذا اب مجھ سے یہ خدمت انجام نہین پا سکتی اور آپ مجھے معاف فرمائیے اور جس شخص کو آپ پسند کرین یہان کا حاکم بنا کر روانہ کردین مین اب اس مقام سے روانہ ہو رہا ہون والسلام"۔ حضرت علی کو یہ جواب لکھ کر عبد اللہ بن عباس نے بنی ہلال بن عامر کے قبیلہ سے اپنے نانیہالی رشتہ دارون کو طلب کیا جسپر پورا قبیلہ قیس اونکے پاس جمع ہو گیا اور عبد اللہ بن عباس بصرہ کے بیت المال سے بہت کچھ مال لیکر روانہ ہو گئے اور کہا "یہ سب وہ مال ہے جو میرے وظیفہ اور جائز حق سے میرے مصارف کے بعد بچ رہا تھا" اہل بصرہ مکہ معظمہ تک آپ کے ساتھ آئے اور یہان پہونچا کر واپس گئے اور حضرت علی کو نہ عبد اللہ بن عباس کے مالون سے کچھ نفع پہونچا نہ اونکے طرفدار وسنے" تو مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت علی کا برتاؤ اور انتظام خلافت کچھ انوکھا اور خلاف معمول نہین تھا بلکہ عمر بھی آپکے پہلے اپنے والیون اور عاملونکے ساتھ یہی برتاؤ کر چکے تھے جو آپ نے اپنے چچا زاد بھائی عبد اللہ بن عباس کیساتھ کیا لیکن اثر کے فرق اور نتیجہ کے اختلاف کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ حضرت علی کے زمانہ تک مسلمانونکے حالات اعمال بخیالات بہت کچھ بدل گئے تھے اور دوسری جانب (حضرت کا دشمن) معویہ مسلمانونکی جماعتون اور عرب کے قبائل کو بکثرت مال و دولت بخشکر اور جو چاہتا کرکے اپنا غلام بناتا جاتا تھا اور سردار ان قبائل نیز ارکان مسلمین کو اپنے گرد فریب سے اپنی طرف کھینچتا

طرف رجوع کر رہا ہے جیسا حضرت عمر و حضرت علی کر رہے ہیں انتہے۔ شیخ الرئیس کی اس عبارت
سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص علم سے عاری اور خالی ہو اجسکا مطلب یہ ہے کہ گویا جاہل ہو) وہ
اگرچہ حسن انتظام اور قانون عدالت سے واقف ہو پھر بھی خلافت کیلئے موزون اور مناسب نہین
ہوگا۔ اور یہ کہ جو شخص اصول سیاست اور تدابیر انتظام کا اچھا ماہر ہو وہ خلافت کے لئے
اوسی وقت زیادہ مناسب ہوگا جب وہ شخص جو علم مین سب سے زیادہ ہو عدالت اور
حسن انتظام مین اوسکے برابر نہ ہو۔ لہذا اگر ہم فرض بھی کرلین کہ حضرت عمر بہت اچھی
سیاست جانتے تھے پھر بھی وہ خلافت کے لئے حضرت علی سے زیادہ مناسب نہین تھے
کیونکہ حضرت علی دونون امر دن (علم اور حسن انتظام) مین بڑا درجہ رکھتے تھے جس کا اقرار
فاضل مخاطب نے بھی کیا ہے۔ اور شیخ الرئیس نے اپنے اس بیان کی مثال حضرت علی و
عمر سے جو ذکر کی ہے اسمین ایک بڑا نکتہ ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب مجالس المومنین[1] مین
ذکر کیا ہے۔ اور غالبًا فاضل مخاطب کا خیال یہ ہے کہ اس شق کا مضمون اوسکے خلفاء
ثلثہ کے حال کے مطابق ہے کہ وہ حضرات اگرچہ اصول سلطنت اور حفاظت ملک وملت
کا علم بھی حضرت علی سے کم ہی رکھتے اور اس صفت مین بھی آپ سے مفضول ہی تھے
لیکن اس صفت مین فاضل کے رہتے ہوئے بھی اوس شخص کو خلیفہ بنانا جائز ہے جو مفضول
(پست تر) ہو (یعنی باوجودیکہ اصول سلطنت اور حفاظت ملک وملت کا علم بھی خلفاء
ثلثہ کو حضرت علی سے کم تھا پھر بھی حضرت علی کے رہتے ہوئے خلفائے ثلثہ کو خلیفہ مقرر
کرنا جائز تھا) لیکن اس خیال کا غلط اور مہمل ہونا اس درجہ واضح ہے کہ بیان کرنے کی
ضرورت نہین ہے کیونکہ اگر خلفائے ثلثہ کو (اصول سلطنت اور حفاظت ملک وملت کا
علم ہونا کیسا) ایک چھوٹے لشکر کی سرداری اور حکومت کا علم بھی حاصل رہتا تو حضرت
رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جن سے بہتر کوئی شخص کسی کے علم اور تدبیر کا امتحان
نہین کرسکتا تھا) ایک مرتبہ عمرو بن العاص کو۔ دوسری مرتبہ زید بن حارثہ کو اور تیسری مرتبہ

[1] جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اسکی تصریح نہین فرمائی کہ مجالس المومنین کے کس باب اور کس
مقام پر آپ نے اس نکتہ کو ذکر کیا ہے مگر مجالس المومنین مطبوعہ طہران مجلس ہفتم صفحہ ۱۳۳ حالات
الشیخ الرئیس ابو علی سینا قدس سرہ مین یہ عبارت تحریر فرمائی ہے (بالجملہ تولد شیخ در فطرت تشیع
وانقطاع وباز گشت او درمیان سلاطین عصر سلاطین شیعہ واحد البعد واحد واشتراطا وافضلیت

اسامہ بن زید کو ان لوگوں کا سردار اور حاکم بنا کر اور ان خلفاء کو صحابیوں کے ماتحت لشکر میں رکھ کر جہاد کے لئے روانہ فرماتے۔ یہاں اگر کوئی یہ شبہہ کرے کہ اگر خلفائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸)

ونص واجماع رابر عثمان خلیفہ پیغمبر صلعم چنانکہ در مبحث امامت از الٰہیات شفا بآن تصریح نمودہ دلیل قوی است براینکہ او از اہل ایمان بودہ وایضا در ہمین مبحث گفتہ کہ ومن اجتمعت لہ الحکمۃ النظریۃ وقد فاز مع ذلک بالخواص النبویۃ کاد ان یصیر ربًا انسانیًا فکاد ان یحل عبادتہ بعد اللہ وھو سلطان العالم الارضی خلیفۃ اللہ۔ وشک نیست کہ این اوصاف صادق نیست الا بر امیر المومنین علیہ السلام کہ باتفاق جامع جمیع اقسام حکمت نظری کشفا وشہودا بودہ وصدور معجزات ظاہرہ وکرامات باہرہ آنحضرت متواتر ومشہور است وآنکہ در آخر این مبحث از کتاب مذکور گفتہ کہ می تواند بود کہ خلیفہ جاہل باشد ودر احکام شریعت رجوع بعالمے نماید چنانکہ در زمان عمر وعلی معمول بودہ مراد خلافت مجازیست کہ نظام ظاہری بہ آن انتظام می یابد نہ خلافت حقیقی چنانکہ بعضے از قاصران توہم کردہ اند زیرا کہ اگرچہ سیاق کلام او موہم ارادۂ خلافت حقیقی است اما بعد از تامل در اطراف کلام ظاہر میشود کہ شیخ در نزد تحریر این مرام در مقام تمویہ وفریب مستولیان زمان او از اہل سنت وجماعت بودہ لاجرم چنانکہ رسم مولفان است گاہے استعمال لفظ در معنے حقیقی وگاہے در معنے مجازی نمودہ ومؤید ارادۂ خلافت مجازی است آنکہ اگر مراد شیخ ازآن بودے اولی چنان نمودے کہ تمثیل بحال ابوبکر نمودے کہ نزد اہل سنت اول خلفاء وافضل واکبر ودر اکثر احکام استعانت برائے وزیر خود عمر وصحابہ دیگر می نمود والتماس ان عوججت فاستقیمونی از ایشان می کرد لیکن تمثیل بحال ابوبکر ننمود بنابر آنکہ انتظام عرفی ظاہری کہ شیخ قصد تمثیل بہ آن نمودہ در زمان خلافت او متحقق نشد چہ جمعے کثیر از بیعت او تخلف نمودند واکثر قبائل عرب در زمان او مرتد شدند وفتنہائے عظیم در زمان قصیر خلافت او ظاہر گشت وہم چنین در زمان خلافت عثمان انتظام امور روئے در تنزل داشت تا اینکہ مسلمانان از ظلم او وخویشان او بہ تنگ آمدہ بر او خروج نمودند واو را بقتل رسانیدند بخلاف عمر کہ ہمیشہ خلافت او در میان قوم منتظم بود۔ و مخفی نماند کہ نزاع در آن نیست کہ انتظام ظاہری کہ مشتمل بر دفع ہرج ومرج ودفع تعادل بعضے آحاد الناس بر بعضے باشد بوجود خلفائے مجازی وملوک جابرہ بلکہ کوتوال وعسس ہر شہر حاصل میشود تا آنکہ حضرت زین المجتہدین رحمہ اللہ در رسالۂ نماز جمعہ گفتہ کہ بسیار باشد

خلیفہ کو انتظام سلطنت اور تدبیر حکومت کا علم نہ ہوتا تو وہ اپنے زمانہ خلافت مین کیون کامیاب ہو جاتے تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ (۱) انحضرت صلعم کے انتقال کے بعد مسلمانون

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹)

کہ این قسم انتظام بوجود خلیفہ حقیقی منتظم نگردد و بوجود ملوک جابر انتظام یابد چہ ایشان بموجب سیاست عرفی کہ بجائے یک کس صد کس را مواخذہ کنند و امثال آن از قوانین جور رفع تطاول احاد الناس از ہم دیگر می کنند۔ اما خود و اولیائے دولت ایشان با بندگان خدا ہر جور و ستم کہ می خواہند بفعل می آرند و اگر خللے در احکام دین واقع شود استعداد و صلاح و راست کردن آن ندارند چنانکہ عبداللہ بن الحر در این چند بیت بآن اشارہ نمودہ و گفتہ شعر۔ تبیت النشاوی من امیہ نوما وبالطف قتلی ما ینام حمیمھا + وما ضیع الاسلام الا قبیلۃ ۔ تامر نوکاھا ودام نعیمھا + واضحت قناۃ الدین فی کف ظالم ۔ اذا اعوج منھا جانب لا یقیمھا دیگر آنکہ خدمت شیخ خلافت عمر جا ... را خلافت حقیقی داند و حال آنکہ سیاق کلام او مساعد این معنی نیست از دو وجہ۔ اول آنکہ شرط نمودہ کہ خلیفہ منصوص باشد از جانب پیغمبر صلعم یا اجماع جمیع اہل حل و عقد بر خلافت او واقع شدہ باشد بلکہ در آخر حکم بر رجحان وجوب طرق تنصیص نمودہ چنانکہ موافق مذہب امامیہ است و گفتہ کہ والاستحقاق بالنص اصوب فان ذلک لا یؤدی الی الشعب والتشغب والاختلاف ۔ دیگر ہر تقدیر ظاہر است کہ محققان اہل سنت و جماعت دعوے وقوع ہیچ یک از این دو امر در بارہ ہیچ یک از خلفا نمی کنند۔ و لہذا امیں المعاندین قاضی عضد ایجی مضطرب شدہ بالتزام آنکہ در صحت خلافت اختیار یک شخص کافی است چنانکہ خلافت ابوبکر بہ بیعت عمر ثابت شد۔ و بالجملہ بعد از تمہید شرط مذکور چون تواند بود کہ حکیمے دانا مانند شیخ خلافت عمر را مثل خلافت حقیقی داند مگر آنکہ گویند لا مناقشۃ فی المثال۔ با آنکہ شیخ حسین بن عبدالصمد رحمہ اللہ در رسالہ شوارق آوردہ کہ شیخ رئیس تصریح نمودہ و فرمودہ کہ اگر نصے در شان حضرت امیر علیہ السلام نمی بود مع ہذا تقدیم او بسبب مزایا و فضائل واجب می بود۔ دیگر شرط نمودہ کہ خلیفہ می باید کہ عاقل و عارف بہ شریعت باشد بحیثیتے کہ اعرف از او نباشد و صاحب اخلاق خیر یہ مانند شجاعت و عفت و حسن تدبیر باشد و باتفاق ارباب سیر عمر فظ غلیظ ... دل ... جا ... بودہ کہ در غزوات حضرت پیغمبر صلعم مانند بدر و خیبر ہمیشہ طریق فرار از زحف پیمودہ در ہفتاد مسئلہ لولا علی لہلک عمر تکلم نمودہ۔ اگر گویند کہ شیخ در ہمین مبحث گفتہ کہ معول اعظم

مین دنیا پرستی کا مادہ پیدا ہو گیا اور وہ سب اصول اسلام و اغراض بعثت جناب رسالتمآب
صلعم کو پس پشت ڈال کر دنیا کے دوسرے ظالم بادشاہون کی طرح ملکون کے فتح کرنے
اور اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے یا اس کے عوض کفار سے جزیہ وصول کرنے مین مشغول

(بقیہ صفحہ ۴۰)

عقل و حسن ایالت است و چون عمر متصف بعقل و حسن ایالت بود اگر متصف بعلم و شجاعت و نظایر آن
نباشد قدحے در خلافت او بہم نمی رسد۔ گوییم کہ شیخ متصل باین کلام گفتہ آنچہ مضمونش این است
کہ گاہے معول بکمال عقل و حسن ایالت است کہ صاحب آنہا در فضائل باقیہ غریب و بیگانہ نباشد
یعنی آن کس کہ از علم غریب و بجہل قریب باشد یا آنکہ عارف بحسن ایالت و قانون عدالت باشد
لایق خلافت نیست و آن کسے کہ اعرف بہ سیاست باشد گاہے از اعلم اولی است کہ اعلم مثل
او نباشد در عدالت و ایالت۔ پس بر تقدیرے کہ عمر اعرف بہ سیاست باشد اولے نخواہد بود
از حضرت امیرؑ زیرا کہ آنحضرت صاحب مرتبۂ عالی از عدالت و ایالت بودہ چنانکہ خصم نیز بآن
اعتراف نمودہ و بتواتر رسیدہ کہ در مسائل بسیار خبطہائے رسوا نمودہ چندین بار لولا علی لہلک
عمر گفتہ و زبان بمضمون کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال کشودہ و مانند
مادہ شغالان فرار از زحف نمودہ و ظاہر است کہ چنین کسے را نہایت بیگانگی از علم و شجاعت
بودہ با آنکہ اتصاف او بعقل نیز محل بحث است بلے مکر و حیلہ او مسلم است و آنچہ در تدبیر فتح امصار
در زمان او واقع شد ہمگی باشارہ رائے منیر حضرت امیرؑ بود چنانکہ در کتب سیر مسطور است و ایضا
این کلام بر تقدیر تسلیم و ابہام معارض است بآنچہ شیخ قدس سرہ در جواب ابو الحسن عامری و دیلمی بر
تصریح بآن فرمودہ چہ بعد از ذکر دلیل بر وجوب نصب خلیفہ گفتہ واما الشروط المختصۃ بہا فہو ان
یعلم انہ لم یصلح ان یکون سایس البہایم واحدا من البہایم بل وجب ان یکون عاقلا
من العصبیۃ ولم یجز ان یکون سایس الفساق واحدا من الفساق فکذا لا یجوز ان
یکون سایس اہل العلم واحدا من عرض اہل العلم ثم القول واحد واحد لہذہ الرتبۃ
السنیۃ امر قد اکثر المتکلمون واللہ الموفق للرشاد۔ و ہم چنین از شیخ منقول است کہ
علی ابن ابیطالبؑ چون معقول است در میان محسوس یعنی چنانکہ معقول بنا بر تجرد از مادہ اشرف
از محسوس است کہ مقارن بہ کثافت مادہ است آنحضرت افضل و اشرف است از دیگر مردم
و می تواند بود کہ مراد آن باشد کہ حکما و عقلا بحث می کنند از حال او و دیگران مانند محسوسات

ہو گئے اور) انھین جو کچھ کامیابی ہوئی وہ صرف اسوجہ سے کہ اون کے شریک اور معین بہت سے شریر اور دنیوی اقتدار کے حضرات ہو گئے تھے چنانچہ جو لوگ تاریخ اور حدیث کے ماہر ہین اون سے یہ امر پوشیدہ نہین ہے۔ پھر فاضل مخاطب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱)

جزئیہ اند کہ از مبحث خارجند و چون حکماء در وجہ اعتنائے خود بجث از معقولات آن گفتہ اند کہ غرض از علوم حکمیہ این است کہ نفس انسانی را کمالے حاصل شود کہ ببقائے نفس باقی ماند و جزئیات محسوس نا بر تغیر و تبدیل از این قبیل نیستند پس آن کلمہ جامعہ شیخ اشارت بیشو و بہ آنکہ مجرد معرفت حضرت امیر ع تحصیل کمال و سرمایہ حصول امانی و آمال است و این رباعی لطافت آثار کہ نسیم محبت از ان بفضائے قلوب احباب میرسد از اشعار بلاغت شعار شیخ بزرگوار است۔ رباعی

بر صفحہ چہرہا خط لم یزلی۔ معکوس نوشتہ است نام دو علی + یک لام و دو عین با دو یای معکوس۔ از حاجب و انف و عین با خط جلی + آخری۔ تا بادہ عشق در گلو ریختہ اند۔ و اندر پے عشق عاشق انگیختہ اند + در جان و دل ما بو علی مہر علی

چون شیر و شکر بہم بر آمیختہ اند۔

در مکاتیب مولانا قطب الدین شیرازی مذکور است کہ خواجہ عین القضاۃ ہمدانی در مدح شیخ ابو علی اطراء و مبالغہ نمودہ۔ و در فصل الخطاب آوردہ کہ شیخ در آخر عمر توبہ کردہ مال بسیار بفقراء تصدق کرد و رد مظالم بجای آورد و در ہر سہ روز یکبار قرآن را ختم می نمود تا در جمعہ اول رمضان سنۃ ثمان و عشرین و اربعمأۃ وفات یافت و در ہمدان مدفون گردید۔ و در آخر بعضے از فصول از مکاتیب شیخ ابو سعید بن ابی الخیر جناب شیخ را کلامے است کہ دلالت تمام دارد بر آنکہ او بفروع شریعت نیز معترف بودہ و توبہ و استغفار از تقصیرات خود می نمودہ و آن کلام این است ولیعلم ان افضل الحرکات الصلوۃ و افضل السکنات الصوم و افضل البر العطا و ازکی السیر الاحتمال و افضل السعی المراعات و خیر العمل ما صدر عن خالص النیۃ و خیر النیۃ من فرح عن جناب علم و الحکمۃ ام الفضائل و معرفۃ اللہ تعالی اول الاوائل الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعہ اقول ھذا و استغفر اللہ و استھدیہ و اتوب الیہ و استکفیہ و اسئلہ ان یقربنی الیہ انہ سمیع مجیب و الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین انتہی کلامہ۔ در تاریخ یافعی نیز حسن خاتمہ شیخ مذکور است حیث قال وقد ذکر انہ تاب و اشتغل بالنسك و ادرك اللہ تعالی بسابق عنایتہ و واسع

سے نے یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ تو ہم نے صرف علامہ حلی کی اوس تقریر کا جواب دیا ہے جو انھون نے فاضل پر مفضول کے مقدم کرنے مین عقلی خرابی کے طور پر ذکر کی تھی ورنہ

رحمتہ رحمہ اللہ۔ تاریخ وفات شیخ بروجہے است کہ از کتاب فصل الخطاب منقول شد وولادت اودر سال سیصد و ہفتاد بودہ تمام عمر او پنجاہ و ہشت سال بود۔ یعنی مختصر یہ ہے کہ جناب الشیخ الرئیس ابو علی سینا قدس سرہ کا مذہب شیعہ مین پیدا ہونا اور اوس زمانہ کے سلاطین سے علیحدہ ہو کر اور اون سبھون سے منھ موڑ کر شیعہ بادشاہون کے یہان یکے بعد دیگرے آتے رہنا اور انھین لوگون سے وابستہ رہنا اور جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ برحق کے شان مین تمام مسلمانون سے افضل ہونے اور اوسکے متعلق خدا ورسول کی نص اور مسلمانون کے اجماع ہونے کو شرط قرار دینا جیسا کہ اونھون نے اپنی مشہور کتاب شفا کے حصہ الٰہیات مبحث امامت مین بتصریح ذکر کیا ہے اس امر کی قوی اور ناقابل رد دلیل ہے کہ شیخ موصوف فرقہ اہلسنت سے نہین تھے بلکہ مذہب حق شیعہ سے ہونے کا شرف اونکو حاصل تھا۔ نیز اسی مبحث امامت مین اونھون نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جو بزرگوار ایسا ہو جسکی ذات مین حکمت نظریہ مجتمع ہو گئی ہو اور علاوہ برین وہ خواص نبوت واوصاف رسالت پر بھی فائز ہو گیا ہو وہ قریب ہے کہ رب انسانی ہو جائے اور خداوند عالم (معبود حقیقی) کے بعد اوس کی عبادت (یعنی انتہائے اطاعت) بھی حلال ہو جائے اور وہی عالم ارضی کا شہنشاہ اور خدا کا خلیفہ ہے"۔ اور کسی شخص کو اسمین شک اور تردد نہین ہو سکتا کہ جناب شیخ موصوف نے خلیفہ کے جو اوصاف اس جملہ مین ذکر کئے وہ سوائے ذات بابرکات حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے اور کسی مین بھی پائے نہین گئے کہ حضرت ہی جمیع اقسام حکمت نظری کے مجمع اور مخزن تھے جسکو سب جانتے ہین اور حضرت علیہ السلام سے جو معجزات ظاہرہ اور کرامات باہرہ صادر ہوتے رہے ہین اونکی دلیل اور شاہد پیش کرنے کی ضرورت نہین ہے کیونکہ وہ نہایت درجہ مشہور اور حد تواتر پر پہونچے ہوئے ہین۔ اور جناب شیخ موصوف نے اس کتاب شفا کے مبحث امامت کے آخر مین یہ جو کہا ہے کہ "یہ ہو سکتا ہے کہ خلیفہ رسول خدا صلعم جاہل ہو اور احکام شریعت مین کسی عالم دین کی طرف رجوع کر لیا کرے جیسا کہ زمانہ حضرت عمر مین آپ کا اور حضرت علی علیہ السلام کا معمول تھا کہ حضرت عمر کو جن مسائل شریعت کے جاننے کی ضرورت ہوتی اونھین حضرت علی علیہ السلام کیطرف رجوع کر کے حاصل کر لیا کرتے تھے" تو یہان جناب

ہم دل سے اسکے قائل نہین ہین" تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے جناب علامہ علیہ الرحمہ کا مطلب سمجھنے کی زحمت گوارا نہین فرمائی کیونکہ جناب علامہ علیہ الرحمہ نے اپنے

شیخ موصوف کی مراد خلافت سے حقیقی خلافت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہین ہے بلکہ خلافت مجازی مراد ہے جس سے دنیا کا ظاہری انتظام درست ہوسکے کیونکہ اگرچہ جناب شیخ موصوف کی عبارت کا ظاہر اور اوسکا سیاق کلام یہی شبہہ پیدا کرتا ہے کہ ممدوح کی مراد حقیقی خلافت ہے چنانچہ بعض نادانون اور قاصرون کو یہی توہم ہوا ہے لیکن جناب ممدوح کی کل عبارت کو سمجھنے اور تمام اطراف کلام مین غور و تامل کرنیسے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ اوس زمانہ مین حضرات اہلسنت وجماعت کا بڑا زور شور اور غلبہ واقتدار تھا اور اون کے ظلم و عدوان سے بچنا ہر شخص کیلئے آسان نہین تھا اسوجہ سے ممدوح نے اپنے مقصود کو ایسے پیچیدہ عنوان اور مموبہ و فریب کے طرز سے ادا کیا کہ آپکی گرفت ظاہر نظام ہا نہ ہوسکے اسیوجہ سے آپ مولفین و مصنفین کی رسم و عادت کے مطابق اپنی عبارت مین ایک لفظ کا استعمال کبھی معنے حقیقی مین اور کبھی معنے مجازی مین کرتے ہین۔ اگر یہان کوئی یہ شبہہ کرے کہ آپ کے اس دعوی کی کیا دلیل ہے کہ جناب شیخ نے یہان خلیفہ سے مراد حقیقی خلیفہ کو نہین لیا ہے بلکہ مجازی خلیفہ کو لیا ہے تو ہم اوسکے اطمینان کے لئے کہین گے کہ جناب شیخ کی مراد اگر مجازی خلافت نہین ہوتی بلکہ حقیقی خلافت ہوتی تو اون کے لئے بہتر یہ تھا کہ مثال دیتے وقت حضرت عمر خلیفہ ثانی کا نام نہین لیتے بلکہ حضرت ابوبکر خلیفہ اول کا نام نام ذکر کرتے جو حضرات اہلسنت کے یہان اول خلفاء اور افضل و اکبر خلفاء تھے اور اکثر احکام مین اپنے وزیر باتدبیر حضرت عمر نیز دوسرے صحابہ کی راے اور مشورہ سے مدد لیا کرتے تھے اور ان سبھون سے برابر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ان عوجت فاستقیمونی۔ یعنی جب مین بھٹک جایا کرون اور ٹیڑھی چال چلنے لگون تو تم لوگ مجھے سیدھا کر دیا کرو۔ لیکن کتاب کی عبارت کہتی ہے کہ جناب شیخ موصوف نے مثال مین حضرت ابوبکر کا نام نہین لیا کیونکہ جس ظاہری انتظام اور دنیوی تدبیر امن و امان کو شیخ موصوف ذکر کرنا چاہتے ہین اور جس کی مثال دینا اونھین مقصود ہے وہ حضرت ابوبکر کی خلافت مین حاصل نہین ہوسکی اس لئے کہ بکثرت مسلمانون نے اونکی بیعت کرنے سے منھ موڑ لیا اور انکو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اکثر قبائل عرب اونکے خلافت کے زمانہ مین مرتد ہوگئے تھے اور اونکی مختصر مدت خلافت مین بکثرت فتنہ اور فسادات اسلامی عالم مین رونما ہوگئے تھے۔ اسیطرح حضرت عثمان

بیان یہ اوس اصطلاحی حسن و قبح عقلی سے استدلال نہین کیا ہے جسمین اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان نزاع واقع ہے اور جس کے عقلی یا شرعی ہونے مین اختلاف ہے

خلیفہ ثالث کی خلافت کے زمانہ مین بھی اسلامی دنیا کا انتظام درہم و برہم ہوگیا تھا یہانتک کہ تمام مسلمان اون سے اور اون کے اعزہ واقربہ کے ظلم و تعدی سے چیخ اٹھے تھے اور مجبور ہوکر اون پر خروج کردیا اور انھین قتل کرڈالا تھا۔ برخلاف حضرت عمر کے کہ اونکی خلافت کا زمانہ ان فتنون اور فسادون سے بظاہر محفوظ معلوم ہوتا تھا۔

یہ امر بھی پوشیدہ نہین رہنا چاہیئے کہ ہمارے اور حضرات اہلسنت کے درمیان نزاع دنیا کے ظاہری انتظام اور سلطنت و حکومت کے عرفی تدبیر امن و امان کے متعلق نہین ہے جس سے جھگڑا فساد موقوف رہے اور ایک شخص دوسرے پر ظلم نہ کرسکے نہ اوسکے حقوق کو پائمال کرسکے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے ظاہری فوائد اور دنیوی منافع تو یقیناً مجازی خلفاء سے حاصل ہوتے ہین بلکہ انکا حاصل ہونا خلفاء ہی پر موقوف نہین ہے دنیا کے ہر بیدار مغز بادشاہ۔ سلاطین جور یہان تک کہ کوتوال اور چوکیداران شہر وغیرہ تک سے یہ اغراض پورے ہوتے رہتے ہین حتی کہ حضرت زین المجتہدین رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ نماز مین فرمایا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے دنیوی انتظامات اور سیاسی فوائد و اغراض حقیقی اور برحق خلیفہ سے اچھی طرح انجام نہین پاتے اور بے ایمان و ظالم بادشاہان جور نہایت خوبی سے ان امور مین کامیاب ہوجاتے ہین اسلیئے کہ حقیقی خلیفہ تو ہمیشہ حق کا پابند اور شریعت و ایمان کا تابع ہوتا ہے خواہ اس سے سیاست حاصل ہوسکے یا نہ ہوسکے برخلاف حکام جور کے کہ حق و باطل اور ایمان وغیر ایمان کسی امر کا لحاظ نہین کرتے بلکہ اپنی حکومت اور سلطنت کی حفاظت جس طرح بھی ہو اوسی کو ضروری سمجھتے ہین خواہ اسکے لئے اونھین ظلم کرنا پڑے خونریزی کرنی پڑے لوگون کے حقوق زائل کرنے ہون ملک کو ویران کردیا جائے مکانون مین آگ لگادی جائے گھرون کو منہدم کردیا جائے اور ایک کے عوض سو یا ہزار بے قصورون کو قتل کرنا پڑے بچون اور عورتون تک کو ہلاک کرنے کی نوبت آئے کہ اپنی سلطنت اور حکومت کو برقرار رکھنے اور مستحکم کرنے کیلیئے یہ لوگ ذرہ برابر کسی برائی کا خیال نہین کرتے حتی کہ باپ بیٹے تک کو قتل کردیتا ہے اور بیٹا باپ تک کا خون بہا دیتا ہے۔ لیکن جب دینی امر اور ایمانی معاملہ مین کوئی خفیف دقت بھی پیدا ہوجاتی ہے اور ذرہ برابر بھی مشکل مسئلہ سامنے

بلکہ آپ نے اوس حسن و قبح عقلی سے استدلال کیا ہے جس کو اشاعرہ بھی عقلاً تسلیم کرتے ہین
یعنی دل کا کسی چیز کی طرف مائل ہونا یا کسی چیز سے نفرت کرنا یا کسی چیز کا بادی النظر مین خراب

آجاتا ہے تو بغلین جھانکنے لگتے اور دوسرون کا منھ تکتے رہجاتے ہین اور اوس خرابی کے رفع کرنے یا اوس مشکل کو ہٹانے یا اوس فتنہ و فساد کی اصلاح کرنے کی کچھ بھی صلاحیت نہین رکھتے اور ہمیشہ ایسے مواقع پر اونھین لوگون کی طرف رجوع کرتے ہین جو دین و ایمان کا کچھ پاس و لحاظ کرتے یا علم و دین و عقل کے احکام سے واقف ہوتے ہین۔ اور اگر اتفاقاً ایسے لوگون سے دریافت کرنا خلاف مصلحت ہوا تو پھر وہ خرابی اسلام مین باقی ہی رہجاتی ہے اور کبھی بھی اوسکا علاج نہین ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن الحر نے اپنے چند شعرون مین اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ بنی امیہ کے نشہ مین سرشار خلفاء تو شب بھر آرام کی نیند سویا کرتے ہین حالانکہ (خدا کے محبوب اور حقیقی خلفاء رسول کے اعضاء) زمین کربلا پر نہر فرات کے کنارے قتل ہوکر پڑے ہین اور کوئی بھی نیند کی لذت نہین اٹھاتا۔ دین اسلام کو سوا اس قبیلہ کے اور کسی نے ضائع و برباد نہین کیا جبکے جاہل اور احمق تو مسلمانون کے حاکم اور سردار بن بیٹھے اور وہ ہمیشہ نعمت و عیش مین بسر کرتے رہے اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) دین کی لگام ایسے ظالم (اور جاہل) کے ہاتھ مین پڑگئی کہ اوس دین مین کوئی خرابی پیدا ہو تو وہ اوس کو درست تک نہین کرسکتا ہے۔ اور کیونکر عقل اسکو قبول کرسکتی ہے کہ جناب شیخ بو علی سینا ایسا حکیم اور فلسفی حضرت عمر کی خلافت کو حقیقی اور جائز و صحیح خلافت تسلیم کرے حالانکہ شیخ موصوف کے کلام کا سیاق بھی کسیطرح اس مطلب کی تائید نہین کرتا ہے جسکی دو وجہین ہین (۱) ایک یہ کہ موصوف نے خلافت کا ذکر کرتے ہوئے شرط کردی ہے کہ چاہیئے حقیقی خلیفہ وہ ہو جس پر جناب رسالتمآب صلعم نے نص فرمادی ہو (اور اپنی زندگی مین خود ہی معین کردیا ہو لیکن کوئی مدعی نہین کہ آنحضرت صلعم نے خلفائے ثلثہ سے کسی کو منصوص فرما دیا تھا) (۲) دوسرے یہ کہ کل اہل حل و عقد کا اجماع اوسکی خلافت پر ہوا ہو۔ بلکہ اس قدر لکھنے کے بعد بھی آخر مین ترجیح اسی کو دی ہے کہ خلیفہ کو خود جناب رسالتمآب صلعم ہی نے معین کیا ہو بلکہ اسکو واجب کہا ہے۔ اور یہی شیعون کا مذہب بھی ہے کہ خلیفہ رسول صلعم کو منصوص ہونا چاہیئے پھر جناب شیخ نے فرمایا ہے کہ الاستحقاق بالنص اصوب فان ذلک لایودی الی التشعب والاختلاف یعنی نص (خدا اور رسول) کے معین کردینے اسکے ذریعہ سے خلافت کا استحقاق زیادہ مناسب اور صحیح ہے کیونکہ اسکے بعد

اور ناقص یا عمدہ اور کامل ہونا جیساکہ اسکے قبل کتاب النبوۃ مین انبیاء کے عدم عفت امہات کی بحث کرتے ہوئے خود فاضل مخاطب نے بھی اسی عقلی حسن و قبح سے استدلال

مسلمانون مین فرقہ بندی - اختلاف اور فتنہ و فساد نہین ہوگا - غرض جناب شیخ نے حقیقی خلیفہ کے لئے یہی دو شرطین ذکر کی ہین اور بہر تقدیر یہ مسلم ہے کہ محققین اہل سنت وجماعت سے کوئی شخص بھی اسکا دعوے نہین کرتا کہ حضرات خلفائے اہلسنت سے کسی شخص مین بھی ان دونون شرطون سے کوئی شرط پائی گئی ہو (یعنی نہ تو کسی خلیفہ پر خدا یا رسول خدا صلعم نے نص فرمائی تھی اور نہ ہی کسی کے خلیفہ ہونے پر جمیع اہل حل وعقد نے اجماع اور اتفاق کیا تھا - حتی کہ حضرت ابوبکر کو بھی سقیفۂ بنی ساعدہ مین حضرت عمر ہی نے خلیفہ مقرر کردیا اور اونھین کے چند اور ساتھیون نے وہان اونکے ہاتھ پر بیعت کرلی پس مدینہ ہی کے جمیع اہل حل وعقد کا اجماع آپ کی خلافت پر نہین ہوا جمیع عالم اسلام کے اہل حل وعقد کے اجماع کرنے کا کیا ذکر کیا جائے) یہی وجہ تو ہے کہ رئیس المعاندین قاضی عضد ایجی نے اس مرقع پر بہت کچھ ہاتھ پاؤن مارا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کس اصول پر صحیح ثابت کیجائے (نص موجود نہین ہے اور سوائے چند مخصوص حضرات کے اور کسی نے اپنی رائے اور خواہش سے آپکو خلیفہ مقرر نہین کیا بلکہ جب شور وغل کردیا گیا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ مقرر کردیے گئے اوسوقت لوگ مجبوراً خاموش رہگئے) آخر اونھون نے مضطرب ہوکر کہدیا کہ کسی خلیفہ کی صحت خلافت کیلئے صرف ایک شخص کا بھی اپنی خواہش سے اوسکو خلیفہ تسلیم کرلینا کافی ہے جیسے حضرت ابوبکر کی خلافت کہ صرف حضرت عمر کے اختیار کرلینے سے صحیح ہوجائیگی اور آپ خلیفہ برحق مانے جاینگے - بہرکیف جب اوپر کی تمہید سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہونچ گئی کہ جناب شیخ بوعلی سینا خلیفہ حقیقی مین اون دونون شرطون کے قائل ہین تو کیونکر ہوسکتا ہے کہ اونکے ایسا حکیم دانا اور عالم دقیق النظر حضرت عمر کی خلافت کو حقیقی خلافت تسلیم کرے مگر یہ کہ کہا جائے لامناقشۃ فی المثال یعنی مثال دینے مین کوئی مضائقہ نہین ہے جسکا نام ذکر کردیا جائے - علاوہ برین جناب شیخ حسین بن عبدالصمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رسالہ شوارق مین تحریر فرمایا ہے کہ جناب شیخ الرئیس بوعلی سینا نے تصریح کردی ہے اور فرمایا ہے کہ (بفرض محال) اگر حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب ؑ کی شان والاشان مین خدا اور رسول ؐ کی کوئی نص خلافت اور امامت کے متعلق نہین ہوتی جب بھی حضرت ممدوح کے فضائل و مناقب اس درجہ کے تھے کہ تمام مسلمانون پر واجب تھا کہ آپ ہی کو خلیفہ رسول اور سردار مسلمین بناتے اور آپ ہی

لیا ہے۔ اور اس مین کسی شخص کو بھی شبہہ نہین ہو سکتا کہ فاضلیتہ اور مفضولیتہ (یعنی ایک شخص کا عمدہ صفات مین دوسرون سے زیادہ ہونا اور دوسرون کا اوس سے کم ہونا) کامل یا

سے ہدایت پاتے۔ دوسرے یہ کہ اونھون نے شرط کی ہے کہ چاہیئے خلیفہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخص ہو جو عاقل۔ عالم۔ اور شریعت وایمان سے اسطرح واقف ہو کہ اوسکے زمانہ مین اوس سے زیادہ شریعت ودین کا جاننے والا کوئی دوسرا شخص نہ ہوا ور وہ ان صفات کے علاوہ صاحب اخلاق شریفہ بھی مانند شجاعت وعفت وحسن تدبیر وغیرہ کے ہو۔ مگر تمام مورخین اور جمیع اہل سیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر فظ۔ غلیظ۔۔۔ دل۔۔۔ ہل تھے کہ غزوات جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثل بدر واحد وخیبر وخندق وحنین وغیرہ مین ہمیشہ فرار ہی کی راہ اختیار کرتے رہے اور سیکڑون مسئلہ مین فرمایا کیے کہ لولا علی لہلک عمر اگر حضرت علی ابن ابیطالب نہ ہوتے تو عمر ہلاک اور برباد ہو گیا تھا۔

اس مقام پر اگر کوئی شخص یہ شبہہ پیش کرے کہ جناب شیخ الرئیس نے اپنی کتاب کے اسی مبحث مین یہ بھی تو فرمایا ہے کہ معول اعظم عقل وحسن ایالت است یعنی سب سے بڑی صفت قابل لحاظ عقل اور حسن انتظام وسیاست ہے اور چونکہ حضرت عمر ان دونون صفتون یعنی عقل اور حسن انتظام کے مادہ سے متصف تھے لہذا اگر دوسری صفات مثلاً شجاعت۔ علم عفت وغیرہ سے متصف نہ ہون جب بھی اونکی خلافت پر کوئی اعتراض نہین ہو سکتا۔ تو اس شبہہ کے جواب مین ہم عرض کرینگے کہ جناب شیخ موصوف نے اپنے اسی کلام سے متصل ایک اور بات بھی کہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے بڑی صفت قابل لحاظ کمال عقل اور حسن انتظام وخوبی تدبیر اُسوقت ہو گی جب ان خوبیون کے ساتھ دوسرے فضائل وصفات بھی اوس مین پائے جائین یعنی جس شخص مین کمال عقل اور حسن ایالت پائی جائے اوسکو دوسری کمالات اور اوصاف ضرور یہ سے بھی عاری نہین ہونا چاہیئے۔ جس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جو بزرگوار صفت علم وفضل سے خالی اور صفت جہل سے آراستہ ہون وہ اگرچہ حسن انتظام وتدبیر مملکت کے عارف اور قانون حکومت وسلطنت کے ماہر ہون پھر بھی خلافت کے لائق نہین ہو سکتے۔ اور جو شخص سیاست مین زیادہ ماہر اور تدابیر حکومت سے زیادہ واقف ہو وہ اوسوقت خلافت کے لیے صاحب علم ومعرفت سے زیادہ مستحق ہو گا جبکہ وہ شخص جو علم ومعرفت مین اس شخص سے بہتر اور افضل ہو

ناقص اور طبیعت سے کے مناسب یا غیر مناسب ہونے کے طور پر ہے جسکو عقل خود اچھی طرح سمجھ لیتی اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا فیصلہ کر دیتی ہے اور جو کہا ہے کہ " اس کے بعد انھوں نے قرآن مجید

سیاست اور تدبیر حکومت و اصول عدالت مین اس شخص کے مثل نہ ہو۔ پس اگر ہم تسلیم بھی کرین کہ حضرت عمر فن سیاست اور اصول حکومت و سلطنت مین جناب امیر المومنین علیہ السلام سے زیادہ ماہر تھے جب بھی وہ خلافت کیلئے حضرت علی سے زیادہ مستحق نہین قرار پا سکتے کیونکہ حضرت امیر المومنین صفات شجاعت و علم و معرفت مین بے مثل ہونے کے علاوہ سیاست و عدالت اور حسن انتظام و تدبیر جہان رانی مین بھی ید طولی رکھتے اور درجہ عالی پر فائز تھے چنانچہ مخالفین بھی برابر اسکا اعتراف کرتے آئے ہین۔ اور حد تواتر پر یہ امر پہونچا ہوا ہے کہ بہت سے مسائل مین حضرت عمر ایسی فاش اور شرمناک غلطیان کرتے تھے کہ وہ حضرت علیؑ ہی سے درست ہوتی تھین اسی وجہ سے حضرت عمر بار بار فرمایا کرتے تھے لولا علی لهلك عمر یعنی اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک و برباد ہی ہوگیا تھا بلکہ کہہ سکتے ہین کہ مسائل شرعیہ و انتظامیہ مین یہ جملہ آپ کا زبان زد ہو گیا تھا اور اپنی علم و معرفت کی حقیقت آشکارا کرنے کے لئے یہ بھی ہمیشہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال یعنی علم فقہ (شرائع اسلام) مین ہر شخص کا علم عمر سے زیادہ ہی ہے " مردون کا کیا ذکر ہے پردہ کی بیٹھنے والی عورتین تک مجھ سے زیادہ علم فقہ کی جاننے والی ہوتی ہین انتہی"۔ یہ تو علمی فضیلت تھی رہی شجاعت کی صفت تو وہ اظہر من الشمس ہے اور غزوہ احد۔ خندق۔ خیبر و حنین وغیرہ کی زمینین آپ کے کارنامون کو یاد کر رہی ہین پس ظاہر ہے کہ ایسے بزرگوار کو صفات کمالیہ علم و شجاعت سے کسقدر حصہ ملا تھا۔ علاوہ برین آپ کا صفات عقل و حسن تدبیر سے آراستہ ہونا بھی محل کلام ہے ہان اور تدابیر و حیل مراد لی جائین تو ممکن ہے۔ رہا آپ کے زمانہ مین ملکون کا کثرت سے مفتوح ہونا اور سلطنت اسلام کی وسعت و شوکت تو اگرچہ ان امور کو حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہین کیونکہ لا اکراہ فی الدین کے مطابق اسلام بزور شمشیر پھیلنے کے لئے نہین آیا تھا) ان فتوحات مین بھی کامیابی آپ کے وجہ سے نہین ہوئی بلکہ جب آپ کوئی کام اپنی رائے سے کرتے اور اوسمین مشکل آن پڑتی تو حضرت علی سے مشورہ طلب کرتے اور حضرت علی اسلام کو بچانے اور مسلمانون کو مشکلات و مصائب سے نجات دلانے کیلئے ایسی صائب رائے دیدیتے تھے جس سے کل دقتین رفع ہو جاتین اور حضرت عمر کے سر کامیابی کا سہرا بندھ جاتا تھا۔ غرض آپ کی

سے جو دلیل ذکر کی ہے تو اوس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم اور جاہل یا ہدایت
کرنے والا اور گمراہ کرنے والا یا ہدایت یافتہ اور گمراہ شخص برابر نہین ہین الخ تو اس بیان

جو کچھ کامیابی تھی وہ سب صرف حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی قیمتی رایون اور بیش بہا
مشورون سے جیسا کہ تمام کتب تواریخ و حدیث و سیر مین تفصیل سے مرقوم ہے۔
نیز یہ کلام بر تقدیر تسلیم وابہام معارض ہے اوس کلام کے جسکو جناب شیخ ممدوح نے بمقام شہر نیشاپور
ابو الحسن عامری کے جواب مین تصریح سے ذکر فرمایا ہے کیونکہ اوسمین اوبھون نے خلیفہ مقرر کرنیکے
وجوب پر دلیل ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ خلافت کی مخصوص شرطون سے یہ امر بھی ہے کہ
وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھتا ہو کہ جانورون اور بہائم تک کے لئے کبھی یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ اونکا
نگہبان اور چرواہا اونھیں میں سے کوئی جانور مقرر کیا جائے بلکہ واجب ہے کہ وہ چرواہا ایسا مقرر کیا
جائے جو بچوں سے بھی زیادہ عقل رکھتا ہو۔ اور یہ بھی کسی مقام پہ جایز نہیں سمجھا گیا کہ فاسقوں اور
بدمعاشوں کی نگرانی اور اون پر سیاست کرنے والا اونھیں میں سے کوئی فاسق ہو تو اسی
طرح یہ بھی جایز نہیں ہو سکتا کہ عوام کا انعام کا حاکم اور سردار بھی اونھیں ایسا کوئی معمولی اور حقیر
شخص ہو (بلکہ ضروری ہے کہ وہ ایسا شخص ہو جو اپنے صفات اور کمالات میں اون
سب لوگوں سے ممتاز اور اون پر دنیوی حکومت اور اونکی دینی پیشوائی کرنے کی پوری
صلاحیت رکھتا ہو) پھر اس بلند مرتبہ اور عالی درجہ کے ہر امر مین گفتگو اور بحث کرنا ایسا کام ہے۔
جسکے متعلق علمائے علم مناظرہ اور متکلمین نے بڑی بڑی کتابین لکھی ہین لیکن سیدھے راہ کی توفیق دینے
والا خداوند عالم ہی ہے انتہے۔
اسی طرح جناب شیخ موصوف سے منقول ہے کہ وہ برابر کہا کرتے تھے کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب
علیہ السلام کی ذات مجمع صفات دوسرے لوگون کے درمیان ایسی ہے جیسے معقول ہوتا ہے محسوسات
کے درمیان یعنی جسطرح معقول (صرف عقل مین آنیوالی اور اسی کے ذریعہ سے معلوم ہونے والی
چیز) مادہ سے مجرد اور خالی ہونے کی وجہ سے محسوس (حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم ہونے والی چیزون)
سے اشرف اور افضل ہوتی ہے کیونکہ محسوس چیزین تو کثافت مادہ سے ملوث ہوتی رہتی ہین اسیطرح
حضرت امیر المومنین جناب رسالتمآب صلعم کے بعد تمام دنیا کے لوگون سے اشرف و افضل تھے
کہ اور لوگون مین تو مختلف قسم کی کثافتین اور آلودگیان پائی جاتی تھین لیکن حضرت کی ذات

مین بھی فاضل مخاطب چالاکی کر گئے کہ آپ نے تتمہ آیۃ سے تجاہل کیا اور چشم پوشی کی جو
خداوند عالم کا یہ قول ہے افمن یہدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یہدی الا

طاہر و مطہر اور نور ہی نور تھی (اسیوجہ سے تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ برابر ارشاد فرمایا کرتے تھے
کہ خلقت انا و علی من نور واحد یعنی مین اور علی ایک ہی نور سے پیدا کئے گئے ہین) جناب
شیخ کی عبارت کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح علم حکمت و فلسفہ مین علمار و حکمار جو
کچھ بحث کرتے ہین وہ معقولات سے اور محسوسات سے گویا کوئی تعلق ہی نہین رکھتے اسی طرح
صاحبان عقل و فہم و ارباب علم و حکمت کی بحث اور غور و تامل کے لائق حضرت امیر المومنین ہی کی
ذات ہے اور آپ کے علاوہ لوگ مثل محسوسات جزئیہ کے ہین کہ اون سے بحث یا اونکا تذکرہ
کرنے کی اہل علم حضرات کو ضرورت نہین ہوتی ہے اور وہ مبحث سے بالکل خارج ہوتے ہین۔ اور
چونکہ معقولات ہی سے بحث کرنے اور اودھر ہی متوجہ رہنے کی وجہ حکمانے یہ ذکر کی ہے کہ علوم
حکمیہ کی تحصیل اور تدوین و ترتیب سے غرض یہ ہے کہ نفس انسانی کو کوئی ایسا کمال حاصل ہوجائے
جو نفس کے ساتھ باقی رہے اور جزئیات محسوس دن رات متغیر اور متبدل ہوتے رہنے کی وجہ سے
اس قبیل کے نہین ہوتے ہین لہذا ہو سکتا ہے کہ جناب شیخ نے عبارت مذکورہ بالا سے اس امر کی
طرف بھی اشارہ کیا ہو کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ الصلوۃ والسلام کی معرفت حاصل
کرلینا ہی جمیع کمالات کا حاصل کرلینا اور تمام ارزؤن اور کل فضائل و مناقب کے سرمایہ پر قبضہ
کرلینا ہے (کیونکہ جس نے حضرت کی معرفت حاصل کرلی وہ اور کسی شرف عرفان و فضل یقین سے
محروم رہ ہی نہین سکتا ہے)۔ اور یہ رباعی لطافت آثار جس سے محبت و مودت کی نسیم مومنین
صادقین اور موالین آلہ طہ و یسین کے دلون مین پہونچکر اون کو زندہ کر دیتی ہے۔ جناب شیخ بزرگوار
ہی کے اشعار بلاغت شعار سے ہے جسکا حاصل مفہوم یہ ہے کہ لوگون کے چہرون پر خداوند عالم نے
جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہیگا اپنے قلم قدرت سے گویا خط لم یزلی مین حضرت کا نام دو مرتبہ
معکوس طور پر لکھدیا ہے جسکی توضیح یہ ہے کہ ایک لام اور دو عین اور دو یائے معکوس سے دو علی
لکھہ جائیگا (اور اوسکی مثال یہ ہے علی) پس اسکے لئے خدا نے ہر انسان کے چہرہ پر
ایک ناک (جو بجائے علی کے لام کے ہے) اور دو آنکھ (جو بجائے علی کے عین کے ہین) اور دو ابرو (جو
بجائے دونون علی کے حرف یا کے ہین) پیدا کر رکھا ہے۔ دوسری رباعی بھی تقریبا اسی

ان یہدی اکیا جو دین حق کی راہ دکھائے وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اوس کے
حکم کی پیروی کیجائے یا جو ایسا عاجز ہے کہ جب تک دوسرا اوسکو راہ نہ دکھائے وہ خود بھی

مضمون کی ہے جسمین کہتے ہین کہ جب تک عشق کی شراب حلق مین ڈالے ہوئے ہین اور رگون مین
عاشق کا عشق ملائے ہوئے ہین اوسوقت تک بوعلی سینا کے دل وجان مین حضرت علی کی محبت
مثل شیر وشکر کے ملی ہوئی ہے۔
اور جناب مولانا قطب الدین شیرازی علیہ الرحمہ کے مکاتیب مین مذکور ہے کہ خواجہ عین القضاہ ہمدانی
نے جناب شیخ ابوعلی سینا علیہ الرحمہ کی مدح وستایش مین بہت کچھ اطراء اور مبالغہ کیا ہے اور
کتاب فصل الخطاب مین اوسکے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ بوعلی سینا نے اپنی عمر کے آخر مین
(اپنے فلسفی عقائد اور حکیمانہ خیالات سے) توبہ کرکے بہت سا مال فقراء اور مساکین پر تصدق کیا
اور رد مظالم کو بجا لائے اور ہر تین روز مین ایک مرتبہ قرآن مجید کی تلاوت کرکے ختم کردیتے تھے
یہانتک کہ بروز جمعہ تاریخ اول ماہ رمضان المبارک ۴۲۸ھ ہجری کو دنیائے فانی سے عالم
باودانی کی طرف انتقال فرمایا اور مقام ہمدان مین دفن کیے گئے۔ اور شیخ ابوسعید ابن ابی الخیر
کی کتاب مکاتیب کی بعض فصلون کے آخری حصہ مین جناب شیخ بوعلی سینا کا ایک ایسا قول
نقل کیا گیا ہے جو اس امر پر پوری طرح دلالت کرتا ہے کہ شیخ موصوف (اصول مذہب شیعہ کا
اعتقاد رکھنے کے علاوہ) فروع دین وشریعت کے بھی پورے معترف اور پابند تھے اور اپنی
گذشتہ تقصیرون اور خطاؤن سے برابر توبہ واستغفار کیا کرتے تھے چنانچہ اوس کلام کا ملخص یہ
ہے کہ فرماتے ہین اور ہر عاقل عارف کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ افضل حرکات (یعنی جن کامون
مین انسان کو حرکت کرنا پڑتی ہے اون سب سے بہتر) نماز ہے اور جن کامون مین انسان کو
رکنا اور سکون اختیار کرنا چاہتا ہے اون سب مین افضل صوم (روزہ رکھنا) ہے اور بہترین چیز
جود وبخشش کرنا ہے اور پاکیزہ ترین خصلت حلم وبردباری ہے اور افضل سعی مرابطہ ہے اور
بہترین عمل وہ ہے جو انسان کی خالص نیت سے صادر ہو اور بہترین نیت وہ ارادہ ہے جو
کسی کام کا علم حاصل کرکے خوشی سے کیا جائے اور حکمت اصل ہے جمیع فضائل و
مناقب کی اور خداوند عالم کی معرفت اول اوائل (یعنی تمام فرائض وتعلقات کی جڑ) ہے جس تک
اچھی اچھی باتین اوسی کی جناب تک پہونچتی ہین اور وہی نیک عمل کے بجالانے والون کے درجے

راہ نہین پاسکتا) پس یہ آیت صاف صاف اس امر کو بتاتی ہے کہ جو شخص کسی چیز مین راہ پانے کیلئے دوسرے شخص کا محتاج ہو وہ کسی طرح اس قابل نہین ہو سکتا کہ اوسکے حکم کی پیروی کیجاے

کو بتاتا ہے - مین یہ قول (اپنے سچے دل سے) کہتا ہون اور اللہ ہی سے اپنی خطاؤن کی مغفرت کی درخواست کرتا ہون اور اوسی سے ہر حالت مین ہدایت اور ارشاد کا طلبگار ہون اور اوسی کو اپنی تمام حاجات اور ضروریات کے پورا کرنے کے لئے کافی سمجھتا اور اوسی سے کفایت کی خواہش کرتا ہون اور اوسی سے سوال کرتا ہون کہ وہ مجھے اپنی درگاہ مین مقرب کرے کیونکہ وہی سب کی درخواستون کو سننے والا اور سب کی دعاؤن کو قبولیت کا درجہ بخشنے والا ہے اور کل حمد اللہ ہی کے لئے ثابت ہے جو تمام عالمین کا پروردگار ہے - اور درود و سلام ہو اوسکے بہترین مخلوق حضرت محمد مصطفے اور انکی آل طاہرین پر انتہے کلامہ - اور تاریخ یافعی مین مذکور ہے کہ جناب شیخ بوعلی سینا کا خاتمہ اچھا اور مذہب حق پر ہوا کیونکہ صاحب تاریخ یافعی نے لکھا ہے کہ شیخ مذکور نے آخر مین توبہ کیا اور عبادات خدا مین مشغول ہوگئے تھے اور خدا کی توجہ بھی ہوئی عنایت اور اوسکی وسیع رحمت شامل حال ہوئی - خدا ہم سب پر اور ان پر رحم فرمائے - اور شیخ موصوف کی تاریخ وفات اوس قول کے مطابق جو کتاب فصل الخطاب سے اوپر مذکور ہوا ۴۲۸ھ ہجری ہے اور انکی ولادت ۳۷۰ھ ہجری مین ہوئی تھی پس انکی تمام عمر ۵۸ سال ہوئی ۱۲ مترجم

سلہ یہ آیہ مبارکہ سورہ یونس رکوع ۴ مین مذکور ہے جس کا مطلب واضح ہے مگر حضرات اہلسنت اسکو بھی سمجھنے کی کوشش نہین کرتے اور صرف ظاہری عبارت کو اختیار کرتے ہین جس سے عجیب عجیب دقتون مین مبتلا ہوتے ہین چنانچہ ان کے امام المفسرین فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۰۴ مین اس آیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہین وکل ذلک یدل علی ان حصول الهداية والعلم والمعرفة ليس الا من الله تعالى اذا عرفت هذا فنقول الهداية اما ان تكون عبارة عن الدعوة الى الحق واما ان تكون عبارة عن تحصيل تلك المعرفة وعلى التقديرين فقد دللنا على انها اشرف المراتب البشرية واعلى السعادات الحقيقية ودللنا على انها ليست الا من الله تعالى واما الاصنام فانها جمادات لا تاثير لها في الدعوة الى الحق ولا في الارشاد الى الصدق فثبت ان الله تعالى هو الموصل الى جميع الخيرات في الدنيا والآخرة والمرشد الى كل الكمالات و

اور جناب علامہ علیہ الرحمہ کا اصل استدلال یہی ہے۔ لہذا فاضل مخاطب نے اس سے بچنے کے لئے جو دوسرا پہلو اختیار کیا اور اس کے تحت مین جو لغو تقریر کی ہے اوسکا بیفائدہ ہونا کسی سے مخفی نہین رہ سکتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خدا کا مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جاہل اور عالم برابر نہین ہوسکتے جب بھی خدا نے یہان کسی خاص چیز کا نام نہین لیا کہ فلان چیز (مثلاً علم مین یا شرف مین یا تقرب خدا مین یا ثواب آخرت) مین برابر نہین ہوسکتے بلکہ عام رکھکر فرمایا کہ برابر نہین ہوسکتے پس مساوات سے انکار کرنا عموم کو مقتضی ہے جیسا کہ علم اصول فقہ مین طے ہوچکا ہے لہذا ہر قسم کی برابری سے نفی ہوجائے گی کہ جاہل عالم کے برابر نہ تو عزت مین ہوسکتا ہے نہ علم مین نہ دنیا مین نہ دین مین نہ ریاست مین غرض کسی امر مین نہین ہوگا لہذا خلافت مین بھی نہین ہوسکتا اور یہی شیعون کا دعوی ہے کہ خلافت کے بارے مین جو حضرات اہلسنت عالم اور جاہل کو برابر کردیتے ہین بلکہ عالم کو چھوڑکر جاہل کو مانتے ہین یہ قول خداوند عالم کے خلاف ہے۔ یہان کوئی شخص اگر یہ اعتراض کرے کہ فن اصول فقہ مین جو مسئلہ طے ہوا ہے وہ یہ ہے کہ برابری سے انکار اوس مقام پر عموم کو مقتضی ہوتا ہے جہان حرف نفی استعمال کیا گیا ہو جیسے قول خدا لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ وغیرہ مین لیکن جو آیت زیر بحث

فی النفس والجسد وان الاصنام لا تاثیر لها فی شیئ من ذلك واذا كان كذالك كان الاشتغال بعبادتها جهلا محضا وسفها صرفا فهذا حاصل الكلام فی هذا الاستدلال یعنی یہ سب اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہدایت۔ علم اور معرفت نہین حاصل ہوسکتی مگر اللہ تعالی ہی سے جب تم نے اسکو سمجھ لیا تو ہم کہتے ہین کہ ہدایت کا معنے یا کسی کو حق کی طرف بلانا ہوگا یا اوسکو معرفت کا حاصل کرادینا ہوگا۔ اور دونون صورتون مین یہ مسلم ہے کہ خدا کی معرفت ہی اشرف مراتب انسانی اور اعلی سعادات حقیقی ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ خدا ہی کے بتانے یا ارشاد کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے رہے بت تو وہ جمادات (بے حس و حرکت پتھر وغیرہ) ہین جنکو نہ تو حق کی طرف رہنمائی کرنے مین کوئی تاثیر ہے اور نہ صدق کی طرف ہدایت کرنے مین کوئی حصہ ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ وہی خداوند عالم دنیا اور آخرت کے کل خوبیون کی طرف پہونچانے والا اور نفس اور بدن کے کل کمالون کی جانب راستہ بتانے والا ہے اور ان خوبیون

ہے (یعنی هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انما یتذکر اولوا الباب)
اوسمین حرف نفی نہین ہے لہذا ایہان عموم بھی نہین ہوسکتا اور اسی وجہ سے آپ کا
دعوی بھی ثابت نہین ہوگا تو اوس کے جواب مین کہا جائیگا کہ نفی سے مراد صرف وہی
نہین ہے جس پر حرف نفی مثلا لا - ما - لیس وغیرہ داخل ہو بلکہ ہر وہ کلام ہے جو کلمۃ لا یا
اس کے ہم معنے دوسرے کلمہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو اور خداوند عالم کے قول هل یستوی
الذین یعلمون الایہ - مین گو حرف نفی بظاہر نہین ہے لیکن حرف هل ہے جس کا معنی
کیا" ہے اور یہ استفہام انکاری ہے جو نفی مین مبالغہ اور انکار مین زیادتی پر دلالت کرتا ہے
چہ جائیکہ نفس نفی (یعنی اگر خدا یہ فرماتا کہ جاہل اور عالم برابر نہین ہوسکتے تو اسمین صرف معمولی
انکار ہوتا لیکن جب اسکو بدل کر سوال کی صورت مین فرمایا کہ کیا جاہل اور عالم برابر ہوسکتے ہین؟

اور کمالات مین بتون کا کوئی اثر اور کسی قسم کا اختیار نہین ہے اور جب ایسا ہے تو اون بتون کی
عبادت مین مشغول رہنا محض جہالت اور صرف حماقت ہے اس استدلال کا حاصل کلام یہی
ہے انتہی - اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام رازی صاحب بھی خدا کا مقصود حقیقی یہی قرار
دیتے ہین کہ خدا نے اپنا اور بتون کا مقابلہ کرکے یہ بتایا ہے کہ مین سیدھے راستہ کی طرف
ہدایت کرتا ہون اور یہ بُت جنکی تم لوگ پرستش کرتے ہو کسی کو ہدایت نہین کرسکتے لہذا
تم لوگ ان کی پرستش کیون کرتے ہو - مگر آیہ مبارکہ کا یہ مطلب لینے سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے
اوس کو بھی انھین امام صاحب کی زبان سے سن لینا چاہیئے موصوف صفحہ ۲۲۸ مین تحریر فرماتے
ہین فی لفظ الآیۃ اشکال وھو ان المراد من الشرکاء فی ھذہ الآیۃ الاصنام و
انھا جمادات لاتقبل الھدایۃ فقولہ امن لایھدی الا ان یھدی لایلیق بھا
یعنی اس آیہ مبارکہ پر ایک اعتراض ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیہ مین شرکا سے مراد اصنام
(بُت) ہین اور معلوم ہے کہ وہ جمادات (پتھر وغیرہ کے بے حس وحرکت) ہوتے ہین جو کسیطرح
ہدایت کو قبول نہین کرسکتے تو خدا نے یہ جو فرمایا ہے کہ یا وہ جسکو خود راستہ نہین ملتا جبتک
کہ کوئی اوس کو راستہ نہ بتلائے یہ کسی طرح مناسب نہین ہوسکتا (کیونکہ پتھرون کو کوئی راستہ
بتائے جب بھی وہ راستہ نہین پاسکتے) اس آیہ مبارکہ پر ایک ہی اعتراض کو فخر الدین رازی
صاحب نے ذکر کیا ہے اور اس کے جواب ایسے رکیک اور مہمل دیئے ہین کہ اہل علم کا کیا ذکر

تو گو اس مین خدا نے صاف صاف انکار نہین کیا مگر یہ کلام انکار سے بھی بڑھکر [illegible] اچھی طرح
سمجھنا چاہیئے - اور آخر مین فاضل مخاطب نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ [illegible] اشاعرہ [illegible] اس
مسئلہ مین تفصیل کی ہے تو بظاہر اس سے اونھون نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے
کہ حضرت علی علیہ السلام اگرچہ خلفائے ثلثہ سے افضل اور اکمل تو تھے لیکن قریش کے لشکر
جو اوس وقت کے صحابہ ہی تھے حضرت کی اطاعت اور فرمانبرداری گوارا نہین کرتے تھے
کیونکہ اون کے دلون مین آپ سے زمانہ جاہلیت کے کینہ اور غزوہ بدر و احد وغیرہ کے انتقامی
مادے بھرے ہوئے تھے اس لئے کہ اون کے سردار اور اولاد و اعزہ و اقربا حضرت علی
ہی کی تلوار سے درجہ ہلاکت پر پہونچے تھے - تو اس کلام کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ باوجودیکہ خلافت
کا استحقاق حضرت علی ہی کا تھا پھر بھی صحابہ نے حضرت کو اس سے علیحدہ کر دیا کیونکہ اگر وہ آپ
کو خلیفہ ہونے دیتے تو آپ کی اطاعت کر نہین سکتے تھے لہذا فتنہ و فساد برپا کر دیتے جیسا
کہ تینون کے بعد جب حضرت علی تک خلافت پہونچی تو اونھون نے غدر اور فتنہ جیسا ہی [illegible] فساد برپا کیا

سے جدال اور قتال بھی ہنس پڑین گر اوسکے نقل کرنے مین طول ہوگا اسوجہ سے ترک کئے گئے
یہان ایک اور اعتراض زبان عربی کے قواعد کے اصول سے ہوتا ہے جسکی تصریح معترض نے نہین
کی وہ یہ کہ ذوی العقول (صاحبان عقل جیسے انسان، جن، فرشتے) کیلئے [illegible] لفظ من
[illegible] غیر ذوی العقول (یعنی [illegible]) [illegible] جیسے پتھر
[illegible] کیلئے لفظ ما (کون چیز - جو چیز) آتا ہے [illegible] کا استعمال غیر
ذوی العقول [illegible] یہان خداوند عالم قرآن مجید مین [illegible]
[illegible] آتا ہے جو غیر ذوی العقول [illegible] استعمال نہین کیا
[illegible] یہان خدا کا مقصود [illegible] کا ذکر کرنا [illegible]
[illegible] لیکن دوسرون کے ہدایت کرنے سے ہدایت پاجائے جیسے [illegible]
[illegible] امامت [illegible] وہ [illegible] ہدایت پا سکے [illegible] خلفائے ثلثہ
[illegible] حضرت علی [illegible] السلام [illegible]
[illegible] حضرت [illegible]
[illegible] ہدایت فرما دیتے [illegible]

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ تیسری بحث اس امر کے بیان مین کہ امام کے مقرر ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ واضح ہو کہ بالاتفاق فرقہ حقہ شیعہ کے نزدیک امام کے تعیین کا طریقہ دو امر ہین (یا تو) اوس پر نص موجود ہو خدا یا اوس کے رسول یا اوس امام (سابق) کی طرف سے جسکی امامت بذریعہ نص ثابت ہو چکی ہو۔ یا اوس کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہو (یعنی ان دونون امرون مین سے کسی ایک کا امام مین پایا جانا لازم ہے) اس لئے کہ امام کیلئے عصمت شرط ہے اور وہ ایک امر خفی باطنی ہے جس کا علم فقط خدا کو ہوتا ہے (انسان کو معلوم نہین ہو سکتی مگر جب کہ نص یا اظہار معجزہ کے ذریعے ظاہر کر دی جائے) مگر حضرات اہلسنت نے اس معاملہ مین بھی (شیعون کی) مخالفت کی ہے اور حضرت ابو بکر کی اطاعت کو شرق و غرب کے جمیع خلق پر واجب بتایا ہے (محض) اس امر کا اعتبار کر کے کہ حضرت عمر نے چار شخصون (یعنی) ابو عبیدہ و سالم موے حذیفہ و بشر بن سعد اور اسید ابن حصین کی رضامندی سے اون کی بیعت کر لی تھی اور بس۔ پھر بھلا اوس شخص کی تبعیت کو جس پر نہ خدا و رسول نے نص کی ہو اور نہ تمام امت نے اجماع ہی کیا ہو محض چار شخصون کے بیعت کر لینے کے سبب تمام خلق پر واجب بتانا کسی ایسے شخص کیلئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے بلکہ جوینی (جنکو اہل سنت امام الحرمین کہتے ہین اور) جو ان مین سب سے زیادہ عالم اور دشمنی اہلبیت مین سب سے زیادہ سخت تھے اون کی تو یہ بھی رائے ہے کہ بنی ہاشم مین سے کسی ایک شخص سے بھی بیعت منعقد (اور امامت ثابت) ہو جاتی ہے جبکہ اوس کی بیعت ایک ہی شخص کرے اور کوئی بھی دوسرا نہ ہو۔ پس کیا کوئی عاقل اپنے نفس کو ایسے مذہب کا حلقہ بگوش بنانے کے لئے راضی ہو سکتا ہے؟ اور ایسے شخص کی اطاعت و پیروی کو اپنے اوپر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶)

اون مسائل مین ہدایت پا جاتے تھے۔ چنانچہ صحیح تفسیر مین یہی مضمون وارد ہے تفسیر قمی مین جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا جو لوگ حق کی طرف ہدایت کرتے ہین وہ تو جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اور حضرت کے بعد آل محمدؐ ہین اور وہ جو خود ہدایت نہین پاتے جبتک کہ اونکو ہدایت نہ کیجائے وہ قریش اور غیر قریش سب ہین جنھون نے بعد جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونکے اہلبیت سے مخالفت کی ۱۲ مترجم

واجب قرار دیسکتا ہے جسکا عادل ہونا بھی اونکو معلوم نہ ہو اور اوس کے مومن ہونے اور نہ ہونے کی حالت بھی نہ جانتا ہو اور کبھی اوس (امام) کے ساتھ معاشرت کی نوبت بھی اوس شخص کو نہ آئی ہو جس سے وہ اوس کے اچھے برے اور حق و باطل (اعمال و عقائد) کو جان سکے اور وہ بھی محض اس سبب سے کہ ایک ایسے شخص نے اوس کی بیعت کر لی ہے کہ اوسکی بھی عدالت (مثل اس امام کے) نامعلوم ہے۔ بھلا یہ محض جہل و ضلالت و حماقت نہین تو اور کیا ہے؟ خدا ہم سب کو نفس پرستی اور دنیا کی فریفتگی سے محفوظ رکھے۔

اور سب سے عجیب و غریب امر تو یہ ہے کہ اشاعرہ مسئلہ امامت اور اوسکے فروع اور فقہ اور اوس کی تفصیلات سے بحث کرتے ہین حالانکہ وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہین کہ (ہو سکتا ہے کہ) تمام خلق خطا و گمراہی مین مبتلا ہو اور تمام مذاہب اور شریعتین غلط اور باطل ہون اور خدا کا مقصود ان شرائع و ادیان سے محض یہ ہو کہ بندون کو گمراہ کرے پس (اونکے اس اعتقاد سے ظاہر ہے کہ) وہ اون شرائع و ادیان کی سچائی کا یقین تو کیا گمان تک بھی نہین رکھتے کیونکہ اس صورت مین کہ (حضرات اہلسنت کے اعتقاد کے مطابق عالم مین) ضلالت و کفر اور خدا ہی کیطرف سے صادر ہونیوالے گناہون کو غلبہ (اور کثرت) حاصل ہے کوئی عاقل بھلا کس طرح یہ ظن یا شک بھی کر سکتا ہے کہ وہ مذاہب اور شریعتین صحیح ہین بلکہ غالب پہلو پر حمل کرتے ہوئے اون کے بھی باطل ہونے کا اوسکو ظن ہو جائیگا (یعنی جس طرح دوسرے طریقون سے خدا نے بندون کو بہ کثرت طرح طرح کے کفر و معصیت مین مبتلا کر رکھا ہے اوسی طرح ان ادیان و شرائع سے بھی اوس کا مقصود اُن لوگونکو گمراہ ہی کرنا ہوگا اور وہ بھی سراسر راہ ضلالت اور باطل ہونگے اور چونکہ انسان کا خیال اوسی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے جدھر اوسکو غلبہ و کثرت نظر آئے لہذا اون کے حق و صحیح ہونے کا گمان بمشکل ہو سکتا ہے) کیونکہ عالم مین خیر و صلاح بہت ہی کم ہے۔

اور اون کے اس اعتقاد کو دیکھتے ہوئے کہ (جائز ہے کہ) خدا ہم پر ہوا مین سانس لینا حرام کر دے باوجود اس کے کہ اوسکی ضرورت و حاجت موجود ہو اور اس مین کسیطرح کی کوئی خرابی بھی نہ ہو اور (اسی طرح) پانی پینا ہم پر حرام کر دے درآنحالیکہ ہم شدت سے پیاسے ہون اور اوسکے روکنے سے خدا کو کوئی نفع بھی نہ ہو اور اوس کے پینے سے ہمین

کوئی نقصان بھی نہ پہونچے اور دوسری کوئی خرابی بھی کسی قسم کی نہ ہو
کس طرح یہ یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ اس امام کی (جس کی وہ بیعت کرنا چاہتے ہین) اطاعت اور پیروی کو واجب کرکے خدا بندہ کے حق مین نیکی اور بھلائی ہی کرتا ہے (بلکہ جائز ہوگا کہ وہ اوس کی اطاعت کو بندہ پر حرام کردے خواہ وہ اوسکی کتنی ہی حاجت کیون نہ رکھتا ہو اور اوس سے کیسا ہی نفع کیون نہ حاصل ہو سکتا ہو)

قول ابطال جاننا چاہئے کہ کوئی شخص محض اس سبب سے امام نہین ہو سکتا کہ اوس مین امامت کی صلاحیت موجود ہے اور اوس کے شرائط اوس کی ذات مین جمع ہین بلکہ اس لئے ایک اور امر بھی ضروری ہے (اور وہ یہ ہے) کہ اوسکی امامت کا ثبوت رسول یا امام سابق کے نص کردینے سے ہوتا ہے اس پر تو (تمام امت کا) اجماع ہے اور اہل سنت و معتزلہ و صالحیہ کے نزدیک اہل حل وعقد کے بیعت کر لینے سے بھی امامت ثابت ہو جاتی ہے مگر شیعہ امامیہ اس کی خلاف ہین اور وہ اس کے قائل ہین کہ نص کے سوا (ثبوت امامت کا) اور کوئی طریقہ نہین ہے ہماری حجت (اس امر پر کہ بیعت اہل حل وعقد بھی ثبوت امامت کا ایک طریقہ ہے) یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی امامت اہل حل وعقد کے بیعت کر لینے سے ثابت ہوگئی تھی جیسا کہ اپنے موقع مین آئندہ مفصلاً مذکور ہوگا۔ رہا مصنف (علامہ) کا یہ قول کہ "حضرت ابوبکر کی خلافت محض حضرت عمر کی بیعت اور چار شخصون کی رضامندی سے منعقد ہوئی تھی اور بس" تو وہ باطل ہے اور اوس کی تکذیب کیلئے اخبار متواترہ و اجماع امت موجود ہین کیونکہ حضرت ابوبکر کی خلافت بروز سقیفہ ارباب حل وعقد کے مجمع مین منعقد ہوئی تھی اور وہ (ارباب حل وعقد) اوس دن جماعت انصار خصوصاً قبیلہ خزرج والے تھے اس لئے کہ اہل حل وعقد سے مراد سرداران لشکر اور وہ لوگ ہین جنکی رضامندی کے بغیر امر امامت اور خلافت کا مسئلہ طے نہ ہو سکا اور جماعت انصار اوس وقت اس معنی سے اہل حل وعقد تھی (یعنی حل وعقد کا اختیار اوسکو حاصل تھا) اور صحابہ کے زمانے سے لیکر آج کے دن تک مورخین مین سے ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف نہین کیا ہے کہ جب تک تمام انصار نے بیعت نہ کرلی حضرت ابوبکر سقیفہ سے ہٹے ہی نہین البتہ سعد بن عبادہ (نے بیعت نہین کی تھی) اور وہ اوس دن بیمار تھے اور سات ہی دن کے بعد مر گئے پس علامہ حلی کا یہ کہنا کیسا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت فقط حضرت عمر

کی بیعت اور چار شخصون کی رضا سے منعقد ہو گئی تھی یہ تو ایسا افترائے باطل ہے جسکی تکذیب
تمام تواریخ اسلام کر رہی ہین - ہان (اتنا ضرور ہوا تھا کہ) حضرت عمر ہی نے حضرت ابوبکر کی بیعت
مین ابتدا کی تھی اور انصار حیص بیص اور تردد و مباحثہ کے بعد اونکی بیعت کیطرف بڑھے تھے
اور اگر انصار نے رسول خدا صلعم کی زبان سے حضرت علیؑ کی خلافت پر نص سنی تھی تو اوبھون
نے اوسکو حضرت ابوبکر کے برخلاف حجت کیون نہ بنایا اور اس حجت سے اون کی خلافت
روک کیون نہ دی؟ کیا وہ حضرت ابوبکر و عمر سے ڈرتے تھے حالانکہ وہ اپنے گھر دن (یعنی
وطن) مین موجود تھے اور اپنے قوم مین سے امام معین کرنے کیلئے جمع ہوئے تھے اور انکی
تعداد بھی ایکہزار سے زیادہ تھی - اوبھون نے (تکرار و) مباحثہ کے بعد آخر یہی کہا کہ ایک امیر ہم
سے معین ہو اور ایک تم (مہاجرین) مین سے آخر اوبھون نے یہ کیون نہ کہا کہ اے ابوبکر!
اے عمر!! (اے جماعت مہاجرین!!) ابھی کچھ زیادہ دن نہین گذرے ہین کہ رسول خدا صلعم
نے غدیر خم مین حضرت علیؑ کی خلافت پر نص کر دی تھی پھر تم قول رسول کو باطل کرنے کے
درپے کیون ہو اوس کی پیروی کیون نہین کرتے؟ اس بحث کو درمیان مین لانے کا کم
سے کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا کہ اون انصار کو اپنے نفوس سے حضرت ابوبکر کی بیعت ٹالدینے
کا موقع ہاتھ آجاتا اگر کبھی کسی شیعہ کو یہ دعوے کرنے کی جرأت نہین ہوئی کہ انصار نے یہ
بات بروز سقیفہ کہی تھی پس اے اہل عقل! سوچو تو سہی کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نص (تمام
اصحاب اور) عامہ ناس کے مجمع مین عالم وجود مین آئے اور پھر انصار وہان حاضر نہ ہون
(اور ناواقف رہ جائین) اور آیا یہ ممکن ہے کہ جن انصار نے خدا و رسول کی مدد کی تھی اور
رسولخدا صلعم نیز صحابہ کے گھرون بلکہ خود ایمان کی حفاظت کی تھی اور رسول خداؐ کی نصرت
کے پیچھے تمام عرب سے عداوت قائم کر بیٹھے تھے اور (اون کے) اشراف کو قتل کیا تھا وہ
(محض زبانی) معارضہ کے وقت (ڈر کے مارے یا فتور ایمان کے سبب بالکل) خاموش
رہ جاتے اور اوس نص کو اصلا زبان پر نہ لاتے حالانکہ حضرت عمر و ابوعبیدہ نے حدیث
رسولؐ "الائمۃ من قریش" پیش کر کے اون پر حجت بھی قائم کر دی تھی پھر آخر اوبھون نے
کیون نہ کہا کہ امامت حضرت علی کا حق ہے کیونکہ رسول خدا صلعم نے بروز غدیر خم اون پر نص
کر دی تھی پس یہ تمام باتین جو ہم نے کہین کہ انصار نے اوس موقع پر خاموشی سے کام
لیا اور حضرت علی کی بابت نص رسول پیش کر کے حضرت ابوبکر کی بیعت کو روکنے کیلئے

استدلال نہین کیا (ایسی باتین ہین کہ) اگر عاقل مسلم و منصف ان مین غور کرے تو یقین کریگا کہ کسی شخص کی خلافت کے متعلق رسول خدا کی کوئی نص موجود نہیں اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت (جملہ) ارباب حل وعقد کی بیعت سے ثابت ہوتی ہے۔

اور مصنف (علامہ علیہ الرحمہ) نے اس کا ذکر جو چھیڑا ہے کہ اشاعرہ اس بحث (مسئلہ امامت) پر قادر نہین ہوسکتے اور اون کیطرف سے امامت کے مباحث ذکر کئے جانے پر تعجب جو ظاہر کیا ہے اس لئے کہ وہ اس کے قائل ہین کہ خدا ہی ہر شئے کا خالق ہے تو وہ اس کا ذکر بار بار کر چکے ہین اور وہ اس کے اور محالات کی تصویر اپنی باطل رائے کے مطابق کھینچنے کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہین اور ہم یہ ظاہر کر چکے ہین کہ ان تمام امور مذکورہ مین کچھ بھی اشاعرہ کے ذمے لازم نہین آتا۔

قول احقاق فاضل مخاطب کے مذکور بالا کلام مین کئی وجہین ایسی موجود ہین جو انکی جہل اور تجاہل کو ظاہر کر رہی ہین پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اون کا یہ کلام "کوئی شخص محض اس سبب سے امام نہین ہوسکتا کہ اوسمین امامت کی صلاحیت موجود ہے الخ"۔ ان کو اثبات مطلوب مین کچھ فائدہ نہین دیسکتا کیونکہ (ہم نے مانا کہ محض جامع الشرائط ہونا کسی کے امام ہو جانے کا موجب نہین ہوجاتا لیکن یہ بھی تو کھلی ہوئی بات ہے کہ جب تک کسی شخص مین امامت کے کل شرائط نہین پائے جائینگے اوسوقت تک وہ خدا کی جانب سے امام منصوص نہین ہوسکتا۔ اور ہمارے اور حضرات اہلسنت کے درمیان بحث اسی مین ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے سوا جو حضرات خلیفہ رسول اللہ بنگئے اونمین امامت کے شرائط کبھی پائے گئے یا نہین۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنف علامہ علیہ الرحمہ کے اس کلام کو "حضرت ابوبکر کی امامت محض حضرت عمر کی بیعت اور چار شخصون کی رضامندی سے منعقد ہوئی تھی" باطل کہنا یا تو ان کے جہل کا نتیجہ ہے یا اونھون نے کھلم کھلا تجاہل سے کام لیا ہے کیونکہ یہ کلام علامہ سراسر حق ہے اور فاضل مخاطب کے علماء اور پیشوایان دین کی زبان پر بھی جاری ہوچکا ہے اور وہ صاحب مواقف و شارح مواقف ہین چنانچہ وہ کہتے ہین " واذا ثبت حصول الامامۃ بالاختیار والبیعۃ فاعلم ان ذلک الحصول لا یفتقر الی الاجماع من جمیع اھل الحل والعقد اذ لم یقم علیہ ای علی ھذا الافتقار دلیل من العقل

او السمع بل الواحد والاثنان من اهل الحل والعقد کاف فی ثبوت الامامة ووجوب اتباع الامام علی اهل الاسلام وذلک لعلمنا بان الصحابة مع صلابتهم فی الدین وشدة محافظتهم علی امور الشرع کما هو حقها اکتفوا فی عقد الامامة بذلک المذکور من الواحد والاثنین کعقد عمر لابی بکر وعقد عبد الرحمان بن عوف لعثمان ولم یشترطوا فی عقدها اجتماع من فی المدینة من اهل الحل والعقد فضلا عن اجماع الامة من علماء امصار الاسلام ومجتهدی جمیع اقطارها هذا کما مضی ولم ینکر علیهم احد وعلیه ای وعلی الاکتفاء بالواحد والاثنین فی عقد الامامة انطوت الاعصار بعدهم الی وقتنا هذا انتہی۔ یعنی جبکہ امامت کا حاصل ہونا بیعت واختیار سے ثابت ہوا تو (یہ بھی) معلوم کرو کہ یہ حصول امامت تمام اہل حل وعقد کے اجماع کرلینے کا محتاج نہین ہے کیونکہ اوسکے محتاج (اجماع تمام اہل حل وعقد) ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم نہین ہوئی ہے بلکہ ثبوت امامت اور تمام اہل اسلام پر امام کی پیروی واجب ہوجانے کیلئے اہل حل وعقد مین سے فقط ایک یا دو شخصون کا بیعت کرلینا کافی ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ ہم کو معلوم ہوچکا ہے کہ صحابہ نے باوجود اس کے کہ وہ دین کے معاملہ مین نہایت سخت اور امور شرعیہ کا سختی کے ساتھ تحفظ کرنے والے تھے امامت کے منعقد کرنے کے معاملہ مین اسی (تعداد) مذکور یعنی ایک یا دو شخصون کی بیعت پر اکتفا کرلی تھی مثلاً حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو اور عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عثمان کو (اپنی بیعت سے) امامت کے منصب پر پہونچا دیا اور ان لوگون کی امامت قائم ہونے کیلئے اون اہل حل وعقد کا اجماع بھی شرط قرار نہین دیا جو مدینہ ہی مین موجود تھے چہ جائیکہ تمام بلاد اسلام واقطار عالم کے علماء ومجتہدین امت کے اجماع کی شرط لگاتے۔ اور اس طرز عمل پر (کہ تمام اہل حل وعقد کی بیعت واجماع کو شرط نہین قرار دیا) کسی نے اپنی ناپسندیدگی ظاہر نہین کی اور اسی امر پر کہ محض ایک یا دو شخصوں کی بیعت پر امامت قائم کردینے کے معاملہ مین اکتفا کرلیجائے صحابہ کے بعد سے اس وقت (یعنی ہمارے زمانہ) تک بہت سی مدت گذر گئی (اور آجتک اسی طرح امامت قائم ہوتی چلی آئی ہے) انتہے۔ پس تعجب ہے کہ فاضل مخاطب نے اکثر باتین اپنی کتاب کے اس حصہ مین مواقف اور اوس کی شرح سے لیکر ذکر کی ہین مگر یہ کلام بھی

جو ہم نے نقل کیا ہے اون کی نظر تک نہ پہونچ سکا۔ اچھا اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ بیعت کرنیوالے بہت سے لوگ تھے تب بھی ہم یہ کہین گے کہ جو تصرف شرع کو اون لوگون کے نفوس مین حاصل ہے آخر وہ اوس کے تابع ہی تو ہین اون کو دیگر افراد امت کے نفوس مین تصرف کرنیکا حق تو حاصل ہی نہین خواہ وہ (تصرف) اون افراد امت کے کیسے ہی چھوٹے سے چھوٹے امو مین کیون نہ ہو پھر بھلا یہ اختیار اون کو کہان سے حاصل ہو گیا کہ وہ کسی کو خلائق کے نفوس پر حاکم بنا دین آخر جس کو کسی ادنے شخص کے معمولی سے معمولی امر مین بھی حق تصرف کا حاصل ہونا قرین عقل نہ ہو وہ کسی غیر کو تمام اہل شرق و غرب کے نفوس و اموال و فروج پر متصرف (و حاکم) کیونکر بنا سکتا ہے۔ (جب تک کہ یہ بھی تسلیم نہ کر لیا جائے کہ بیعت کرنیوالون کو ساری دنیا کے لوگون کے جان و مال و عزت پر تصرف حاصل ہے اوس وقت تک یہ کہنا بے عقلی ہو گا کہ وہ کسی شخص کو تمام خلائق شرق و غرب پر متصرف و حاکم بنا سکتے ہین اور جب کہ خود اون کا تابع ہونا خلق پر لازم نہ ہو گا تو اون کے بنائے ہوئے امیر و حاکم کی پیروی کب اہل عالم پر فرض ہو سکتی ہے لہذا جس ذات نے شرع کو اون بیعت کرنیوالون پر متصرف بنایا ہے وہی کسی کو اون پر اور دیگر اہل عالم پر متصرف و حاکم بنا سکتا ہے اور بس)۔

علاوہ ان باتون کے فاضل مخاطب کا اپنے دعوی پر اخبار متواترہ کے موجود ہونیکا ادعا کرنا اوس انکار کے منافی ہے جو آگے چلکر مناقب امیر المومنین علیہ السلام کے ذکر مین کیا ہے کہ عالم مین ایک کے سوا نقل متواتر کا وجود ہی نہین (یعنی یہ جو لوگ بہت سی چیزون کے متعلق کہدیتے ہین کہ متواتر ہے تو غلط ہے کیونکہ دنیا مین سوا ایک کے اور کوئی خبر متواتر ہی نہین ہے لہذا فاضل مخاطب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ "اوسکی تکذیب کیلئے اخبار متواترہ و اجماع امت موجود ہین"۔)

تیسری وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کلام "اوس دن اہل حل و عقد جماعت انصار ہی تھی" اوس حصر کے سبب جو بظاہر اوس سے سمجھ مین آتا ہے اسپر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمر اور ابو عبیدہ جو حضرت ابوبکر کی بیعت کرنیوالون کے رکن اعلی تھے اہل حل و عقد کے زمرہ سے خارج تھے اور صفت اجتہاد سے بالکل خالی۔ اور اس سے اون دونون صاحبون کی جلالت قدر مین جو داغ لگتا ہے وہ پوشیدہ نہین رہ سکتا

پھر فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "اہل حل وعقد سے مراد سرداران لشکر ہین الخ" دو وجہون سے غلط ہے ایک تو یہ کہ "اہل حل وعقد" کی تفسیر سرداران لشکر سے کرنی خود اونھین کی ایجاد ہے جو دیگر اہل سنت کی کتابون مین کہین موجود نہین بلکہ ابن حاجب نے مختصر الاصول مین اور عضد الدین نے اوسکی شرح مین اور دیگر علمانے اپنے کتابون مین جس امر کی تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ "الاجماع اتفاق المجتہدین من امۃ محمد صلعم فی عصر علےٰ امر دینی او دنیوی" یعنی کسی زمانے مین کسی دینی یا دنیوی امر پر امت محمدیہ صلعم کے مجتہدین کا اتفاق کر لینا اجماع کہلا جاتا ہے (پس اجماع کی اس تعریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل حل وعقد مجتہدین امت ہین نہ کہ سرداران فوج) اور دوسری وجہ یہ کہ (اہل حل وعقد کی) تفسیر "امراء العسکر سرداران لشکر" سے کرنے اور پھر اون کو انصار مین منحصر بتانے سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہی کہ حضرت امیر المومنین اور ابوبکر وعمر وعثمان اور اسامہ بن زید وہی اسامہ جو بوقت وفات رسول صلعم حضرات ثلاثہ اور دیگر اصحاب پر امیر مقرر کئے گئے تھے یہ سب سرداران لشکر سے خارج ٹھیرین حالانکہ یہ سب لوگ بھی سرداران لشکر تھے اور مہاجرین سے بھی تھے (یعنی انصار سے نہین تھے۔ جیساکہ فاضل مخاطب نے عجیب وغریب دعوے کر دیا ہے) اور یہ کسی پر مخفی نہین (بالجملہ فاضل مخاطب کا کلام تو سراسر باطل ہے) ہان علما اہل سنت سے بعض باتین بنانیوالے حضرات نے یہ البتہ کہا ہے کہ "اگرچہ سقیفہ کے دن خلافت ابوبکر پر اجماع محقق نہین ہوا تھا مگر بعد اوس کے چھ مہینے کی مدت مین اون کی خلافت پر اتفاق کلی متحقق ہو گیا تھا اور سب لوگ اون کی امامت پر رضامند ہو گئے تھے لہذا اوس وقت پورا اجماع حاصل ہو گیا تھا" لیکن اس کلام کا باطل ہونا بھی بالکل واضح ہے اس لئے کہ چھ مہینے کے بعد ہی سہی مگر امیر المومنین اور اون کے اصحاب کی بیعت تو عالم وجود مین نہین آئی تھی اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان حضرات نے بھی الظاہر حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا جیساکہ بیعت کرنیوالے کیا کرتے ہین (اور اس طرح ایک ظاہری صورت بیعت کی موجود ہو چکی تھی اگرچہ وہ حقیقۃً بیعت نہین قرار پاسکتی کیونکہ اوس کا تعلق دلی رضامندی سے ہے جو ان لوگون مین ہرگز موجود نہ تھی) تو اس مین تو کسی شبہہ کی گنجائش ہی نہین کہ سعد بن عبادہ اور اون کی اولاد نے حضرت عمر وغیرہ سے کسیطرح اتفاق نہین کیا اور اونھون نے نہ ابوبکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی جیساکہ ہم عنقریب

بیان کرین گے (پھر چھ مہینے کے بعد بھی اجماع کہان پورا ہوا تھا) اور اگر آپ کی خاطر سے اسکو بھی تسلیم کر لیا جاسے تو ہم کہین گے کہ اجماع کی تعریف مین یہ شرط ہے کہ اجماع کرنے والون کا اتفاق ایک امر پر ایک ہی وقت مین حاصل ہو (جیسا کہ اوس تعریف سے جو سابقا مذکور ہوئی معلوم ہوتا ہے) کیونکہ اگر وہ اتفاق ایک ہی وقت مین واقع نہ ہو (بلکہ مختلف اوقات مین رفتہ رفتہ اتفاق حاصل ہونے کا بھی اعتبار کیا جاسے) تو یہ احتمال ہوسکے گا کہ پہلا شخص قبل اسکے کہ بعد والا شخص اوس سے موافقت کرے اپنی راے سے پلٹ گیا ہو (کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کی ایک وقت مین کوئی راے ہو اور دوسرے وقت مین وہ بدل جاسے لہذا اس صورت مین فقط اتنا معلوم ہو جانا کہ اوس نے کسی وقت مین کسی امر سے اتفاق کیا تھا حصول اجماع کے لئے کافی نہین ہوگا) پس حضرت ابوبکر کی خلافت پر تدریجا اجماع حاصل ہونے کا بھی کوئی معنے نہین ہے۔ مختصر یہ کہ اگر اہلسنت کا دعوی یہ ہے کہ خلافت حضرت ابوبکر پر اتفاق کلی ایک ہی وقت مین حاصل ہو گیا تھا تو وہ بالکل خلاف واقع اور بالاتفاق غلط ہے اور اگر وہ اس کے مدعی ہین کہ مختلف اوقات مین اتفاق حاصل ہو گیا تھا تو اس کا ثابت کرنا اونھین نہایت دشوار ہے (کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جاسے کہ پہلے اتفاق کرنیوالون مین سے کسی نے اپنی راے سے عدول نہین کیا اوس وقت تک اجماع ثابت نہین ہوسکتا اور اس کا ثابت ہو جانا کہ ایک جم غفیر مین سے ایک شخص کی راے مین بھی تغیر واقع نہین ہوا نہایت دشوار ہے خصوصا جبکہ وہ مختلف بلاد و امصار مین متفرق ہو گئے ہون) فاضل مخاطب نہایت بیباکی کے ساتھ قرآن مجید اور کتب احادیث و تواریخ پر بہ کثرت کذب و افترا کے مرتکب ہوتے رہتے ہین تو بظاہر اون کو اس خیال پر بھروسہ ہے کہ اون کی اس کتاب کا علماے امامیہ اور دیگر اہل علم و بصیرۃ کے ہاتھون مین پہونچنا ممکن نہین اور اون کو اس خیال کا پیدا ہو جانا کچھ بعید بھی نہین تھا کیونکہ یہ کتاب اونھون نے ملک ماوراء النہر کے شہر قاسان مین لکھی ہے جبکہ وہ سلطان اعظم شاہ اسماعیل حسینی صفوی رحمہ اللہ کے خوف سے بھاگ آئے تھے جیسا کہ اونھون نے اپنی اس کتاب کے شروع مین جہان اسکو شاہ بیگ خان والی ماوراء النہر کے پاس بطور تحفہ پیش کرنے کا ذکر کیا ہے اسکو بھی بیان کیا ہے اور اونھون نے اپنے نزدیک یہ طے کر لیا تھا کہ علماے امامیہ مین سے کسی کا وہان پہونچنا

خوف ہلاکت کیوجہ سے ممکن نہین اور ماوراء النہر کے سفہا سوائے فقہ و اصول ابو حنیفہ اور کچھ ظواہر علوم عربیہ (صرف و نحو) کے کچھ جانتے ہی نہین لہذا اونھون نے جسقدر جھوٹ کا ذخیرہ اپنی اس کتاب مین بھر رکھا ہے اوس پر کسی کو اطلاع حاصل ہی نہ ہوگی اور حق یہ ہے کہ ایک حد تک یہ خیال اون کا درست بھی نکلا کیونکہ مین نے اس کتاب کے ایک نسخہ کی پشت پر ماوراء النہر کے بعض قاضیون کی لکھی ہوئی چند سطرین دیکھین جن مین اس کتاب اور اسکے مولف کی بیحد و حساب مدح و ثنا کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "جب تک سعد بن عبادہ کے سوا تمام انصار نے بیعت نہ کر لی حضرت ابو بکر سقیفہ سے ہٹے ہی نہین" کذب صریح ہے جیسا کہ ابن عبد البر کی کتاب استیعاب فی معرفۃ الاصحاب سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ اونھون نے حضرت ابو بکر کے حالات مین کہا ہے انہ بویع لہ بالخلافۃ فی الیوم الذی قبض فیہ رسول اللہ صلعم فی سقیفہ بنی ساعدہ ثم بویع البیعۃ العامۃ یوم الثلثاء من غد ذلک الیوم و تخلف عن بیعتہ سعد بن عبادہ و طائفۃ من الخزرج و فرقۃ من قریش[۱] یعنی سقیفہ مین حضرت ابو بکر کے ہاتھون پر بیعت اوسی دن کی گئی جس روز رسول اللہ کی وفات ہوئی پھر عام بیعت دوسرے دن منگل کو واقع ہوئی مگر سعد بن عبادہ اور قبیلہ خزرج مین سے ایک جماعت اور قریش کے بھی ایک گروہ نے اون کی بیعت سے انکار کیا اور اس سے علیحدہ ہی رہے۔

اور اسی طرح فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "سعد بن عبادہ خلافت ابو بکر کے ساتوین دن مر گئے" تو سفید جھوٹ ہے جو استیعاب ابن عبد البر اور اصابہ ابن حجر سے بے نقاب ہو جاتا ہے چنانچہ ان دونون حضرات نے کہا ہے "ان سعدا لم یبایع احدا من ابی بکر و عمر و لم یقدروا علی الزامہ کالزامہم لغیرہ لکثرۃ اقوامہ من الخزرج فاحترزوا عن فتنتہم و لما وصل حکومۃ اہل الاسلام الی عمر مر ذات یوم سعد علی سوق المدینہ فوقع علیہ نظر عمر و قال لہ ادخل یا سعد فی بیعتنا او اخرج من ہذہ البلد فقال سعد حرام علی ان اکون فی بلد انت امیرہ ثم خرج من المدینۃ الی الشام و کان لہ

[۱] ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد اول صفحہ ۳۴۴ - ۱۲

قبیلۃ کثیرۃ فی نواحی دمشق کان یعیش فی کل اسبوع عند طائفۃ منہم ففی ذلک الایام کان یذھب یوما من قریۃ الی اخری فرموہ من وراء بستان کان علی طریقہ بسہم فقتل رض[۱۵۰] یعنی سعد بن عبادہ نے ابوبکر و عمر مین سے کسی کی بیعت نہین کی اور ان کی قوام خزرج کی کثرت کے سبب سے یہ لوگ ان کو دوسرون کیطرح مجبور بھی نہ کر سکے بلکہ اون کے فتنون سے خائف ہی رہے پھر جب حکومت اہل اسلام حضرت عمر تک پہونچی تو سعد کا گذر مدینہ کے بازار مین ہوا (عمر بھی وہان موجود تھے) اونکی نظر سعد پر پڑی تو ان سے یہ کہا کہ اے سعد تم یا تو ہماری بیعت مین داخل ہو جاؤ یا اس شہر سے نکل جاؤ سعد نے جواب دیا کہ مجھ پر اوس شہر مین رہنا حرام جس کے حاکم تم ہو پھر وہ مدینہ سے شام کی طرف چلے گئے وہان دمشق کے نواح مین اون کے قبیلہ کے بہت لوگ تھے وہ اون مین سے ہر گروہ کے پاس ایک ایک ہفتہ بسر کرتے رہے اونھین ایام مین ایکدن ایک گاؤن سے دوسرے گاؤن کیطرف جا رہے تھے راستے مین کچھ لوگون نے ایک باغ کی آڑ سے اون کو تیر مارا اور وہ مقتول ہو گئے۔ نیز صاحب روضۃ الصفا نے کہا ہے مہاجران و قبیلہ اوس بر غبتہ تمام با صدیق بیعت کردند و خزرج را انجا ستے تمام روئے نمود داعیہ ایشان چنان بود کہ مہم خلافت بر مقتدائے خزرج سعد بن عبادہ قرار گیرد و روایتے آنکہ ازدحام خلائق در آنروز بمرتبہ رسید کہ سعد بن عبادہ پامال شدہ دست از زندگانی باز داشتہ بعضے گفتہ اند کہ اورا زندہ برداشتند و بخانہ بردند و زمرۂ از اہل اخبار بر آنند کہ سعد مخالفت جمہور کردہ با صدیق بیعت نکرد و از مدینہ بیرون آمدہ بجانب شام رفت بعد از مدتے بتحریک یکے از عظماء ملت مقتول شد جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ خزرج کو بیعت ابوبکر سے شدید ناکامیابی حاصل ہوئی کیونکہ اون کی کوشش یہ تھی کہ اونکے مقتدا سعد بن عبادہ خلیفہ مقرر کئے جائین۔ ایک روایت مین ہے کہ اوس روز لوگون کا ہجوم اس قدر ہوا کہ سعد بن عبادہ پامال ہو گئے اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے بعضون نے کہا ہے کہ اون کو زندہ اٹھا لے گئے اور مورخین و محدثین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ سعد نے جمہور کی مخالفت کی اور ابوبکر کی بیعت نہ کی اور شام کی جانب نکل گئے اور وہان ایک مدت کے بعد بڑے لوگون مین سے بعض کی تحریک

[۱۵۰] ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۵۶۴ و اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۸۰-۱۲

سے قتل کر دیئے گئے۔ اور بلاذری نے اپنی تاریخ مین کہا ہے کہ ان عمر بن الخطاب اشار
الی خالد بن الولید و محمد بن مسلمۃ الانصاری بقتل سعد فرماہ کل واحد بسہم فقتل
ثم اوھموا علی اوھام الناس ان الجن قتلوہ لاجل خاطر عمر و وضعوا ھذا الشعر علی
لسانھم ؎ قد قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ ۔ فرمیناہ بسہمین فلم یخط فوادہ
یعنی عمر بن الخطاب نے خالد بن الولید اور محمد بن مسلمہ الانصاری کو سعد کے قتل کا حکم دیا پس
ہر ایک نے اون مین سے سعد کو تیر مارا اور وہ مقتول ہو گئے پھر اون لوگون نے عوام ناس
مین یہ مشہور کر دیا کہ سعد کو جنون نے عمر کی خاطر سے قتل کر دیا ہے اور جنون کی زبانی یہ شعر بھی
تصنیف کر کے مشہور کر دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن
عبادہ کو قتل کر ڈالا اس طرح کہ ہم نے اوسکی طرف دو تیر پھینکے تو اوسکا دل نہ بچ سکا۔ سعد بن
عبادہ کا حضرت عمر کے اشارہ سے قتل کیا جانا محض تاریخ بلاذری ہی مین مذکور نہین بلکہ دیگر
علمائے اسلام کی کتابون مین بھی موجود ہے چنانچہ عقد فرید ابن عبد ربہ جلد دوم صفحہ ۱۶ مطبوعہ مصر
مین ہے " ابو محمد عن الکلبی قال بعث عمر رجلا الی الشام فقال ادعہ الی البیعۃ
واحمل لہ بکل ما قدرت علیہ۔ فان ابی فاستعن اللہ علیہ فقدم الرجل الشام فلقیہ
بحوران فی حائط فدعاہ الی البیعۃ فقال لا ابایع قرشیا ابدا قال فانی اقاتلک قال
وان قاتلتنی قال افخارج انت مما دخلت فیہ الامۃ قال اما من البیعۃ فانا
خارج فرماہ بسہم فقتلہ ۔ یعنی ابو محمد نے کلبی سے روایت کی ہے کہ عمر نے ایک
شخص کو شام کی طرف بھیجا اور اوس سے یہ کہا کہ سعد کو بیعت کیطرف بلاؤ اور ہر ممکن
کوشش سے اس پر آمادہ کرو اور اگر وہ نہ مانین تو اون کے برخلاف خدا سے مدد طلب
کرو (یعنی قتل کر دو) پس وہ شخص شام مین آیا اور سعد سے مقام حوران مین ملا اور اون کو
بیعت کی دعوت دی اونھون نے جواب دیا کہ مین کبھی کسی قرشی کی بیعت نہین کرونگا
اوس شخص نے کہا کہ پھر مین تم سے لڑون گا کہا اگرچہ تم مجھ سے لڑو (اگر مین بیعت نہ کرونگا)
وہ بولا کیا تم اوس امر سے خارج ہی رہو گے جس مین تمام امت داخل ہو چکی ہے
سعد نے کہا کہ اگر اوس امر سے بیعت مراد ہے تو مین خارج ہی ہونگا تب اوس نے
ایک تیر مار کر سعد کو قتل کر دیا۔ بالجملہ معلوم ہوا کہ سعد کا قتل حضرت عمر کے اشارہ سے واقع
ہوا اور روایت بلاذری کے بنا پر جن کے ہاتھون سے واقع ہوا وہ بھی صحابی تھے اور

نہایت ممتاز صحابی تھے اور خود سعد کا رئیس الانصار و جلیل الشان صحابی ہونا محتاج بیان نہین لہذا اس مقام پر فقط اتنا ہی قابل توجہ ناظرین نہین ہے کہ اونھون نے شیخین کی بعیت کبھی نہین کی اور اس سبب سے بنیاد اجماع مین ناقابل انسداد رخنہ پیدا ہو گیا تھا بلکہ اون کے واقعہ قتل کو بھی حدیث "اصحابی کالنجوم" کی روشنی مین بنگاہ عبرت دیکھنا نہایت ضروری ہے قاتل و مقتول دونون کا صحابہ عدول کی فرد کامل ہونا عقل کو متحیر کر دیتا ہے کہ آخر کس کا فعل زیادہ قابل اقتدا اور باعث اہتدا سمجھا جائے۔

اگرچہ حضرت نے ایک گران وزن پتھر اور تیز زبان کانٹے کو ہٹا کر راہ خلافت بالکل صاف کر لی مگر سعد جیسے عادل صحابی کا خون ایسا نہین جس کا دھبہ خود اون کے دامن عدالت سے قیامت تک بھی مٹ سکے علمائے اسلام خواہ کتنی ہی سعی فرمائین سعد بن عبادہ کے معاملہ کی گتھی اون کے ناخن تدبیر سے سلجھ نہین سکتی جس پہلو کو دیکھا جائے دامن خلافت مین وہ نمایان چاک نظر آتا ہے جسکی بخیہ گری دشوار ہے۔ مترجم)

پانچوین وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "اگر انصار نے رسول صلعم کی زبان سے علیؑ کی خلافت پر نص سنی ہوتی الخ" قابل سماعت نہین اس لیئے کہ اونھون نے ضرور اوس نص کو سنا اور آپس مین اوس کا چرچا بھی کرتے رہے لیکن اونھون نے اوس دن اوس کو ابوبکر کے مقابلہ مین اس سبب سے حجت نہ بنایا کہ حضرت ابوبکر کے طرفدارون نے لوگون کے دلون مین یہ (غلط) خیال ڈالدیا تھا کہ علی خلافت کے بارے علیحدہ ہو گئے ہین اور خانہ نشین ہو کر اس مردہ کے زندہ کرنے کرنے سے دست بردار ہو چکے ہین کیونکہ سیر و تواریخ کی معتبر کتابون مین یہ مذکور ہے کہ جب رسول خدا صلعم کی وفات ہوئی اور علیؑ مع اپنے اصحاب بنی ہاشم وغیرہم کے رسول کی تجہیز و تعزیت مین مشغول ہوئے اور اون کے دلون مین یہ خیال جما ہوا تھا کہ حضرت کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امر خلافت کی طمع ہی نہ کرے گا پس اون بعض لوگون کو جو امیر المومنین سے منحرف تھے (موقع مل گیا اور) اونھون نے لوگون کے دلونمین یہ وہم ڈالدیا کہ چونکہ علیؑ کو وفات رسول صلعم سے سخت صدمہ پہونچا ہے لہذا آپ خلافت کا خیال چھوڑ بیٹھے ہین اور حزن و غم مین پڑ کر خانہ نشین ہو گئے ہین پس خزیمہ بن ثابت انصاری آئے اور امیر المومنین

کے اس حال کی بابت جو خبر سنی تھی اپنے قوم یعنی انصار سے بیان کی اور کہا کہ یہ ضروری ہے کہ کوئی شخص خلافت کا بار اوٹھائے اور اب علیؑ کے سوا کوئی دوسرا قریشی ایسا نظر آتا ہی نہین جو اس منصب کا اہل ہو پس (یہ سنکر) انصار ڈر گئے کہ کہین ایسا نہ ہو کہ اون پر شدید بلا نازل ہو جائے اور کوئی دوسرا بد مزاج سخت دل قریشی خلافت کی مسند پر پہونچ جائے اور وہ ان لوگون سے ایام جاہلیت کے مناقشون اور روز بدر کی عداوتون کا انتقام لینے لگے پس وہ سید الانصار سعد بن عبادہ کیطرف متوجہ ہوئے اور سقیفہ بنی ساعدہ مین آکر اون سے خلافت قبول کر لینے کی التماس کی لیکن سعد نے امیر المومنین کی منزلت اور خدا و رسول کی طرف سے آپ کے منصوص بالخلافہ ہونے کے خیال سے انکار کیا پس جب یہ خبر قریش نے سنی تو چونکہ وہ لوگ موقع فرصت کے منتظر ہی تھے لہذا اونھون نے اوس معاملہ خلافت مین مکر و فریب سے کام لیا اور بیعت ابوبکر مین تعجیل کی اور انصار کی بھڑکائی ہوئی آگ کو فرو کرنے کے لئے سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے اور (وہان پہونچکر) انصار سے طوعاً و کرہاً ابوبکر کی بیعت کر لینے کی استدعا کی پس انصار نے اون کو یہ جواب دیا کہ جب تم خدا و رسول کی نص سے ہاتھ اوٹھا ہی چکے تو پھر علی ابن ابیطالبؑ کے بعد ہم مین اور تم مین سے کوئی بھی ایسا نہین ہے جو بہ نسبت دوسرے کے خلافت کا زیادہ اہل ہو لہذا ایک امیر ہماری جماعت مین سے منتخب ہونا چاہیئے اور ایک تمھارے جماعت مین سے۔ لیکن ابوبکر اور اون کے رفقاء نے اس سے انکار کیا اور حدیث "الائمۃ من قریش" سے اس کی بابت احتجاج کیا مگر سعد نے اون لوگون کی خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا یہ عذر پیش کر کے کہ وہ اور لوگ ہین جو امامت و خلافت کے لئے منصوص ہین (یعنی یہ نص جن لوگون کے خلافت و امامت پر کی گئی ہے وہ ان لوگون کے علاوہ قریش کے کچھ دوسرے لوگ ہین) اوس وقت (معاملہ کے یکسو نہ ہو سکنے کے سبب) حالت مین اضطراب نمایان ہو گیا اتنے مین سعد بن عبادہ کی مخالفت اور حسد مین اوسکے چچازاد بھائی بشر بن سعد بن ثعلبہ انصاری کا دل قریش کو ترجیح دینے اور اونھین سے موافقت کرنے کی طرف مائل ہو گیا جس سے قریش کا پہلو قوی ہو گیا اور عمر نے آگے بڑھ کر ابوبکر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے ہی مارا اور اونھون نے اور اونھین جیسے کچھ دوسرے لوگون نے خلیفہ اول صاحب کی بیعت ناگہانی کر ہی لی جس کا تذکرہ

حضرت عمر نے بعد مین خود کہا ہے۔ اس قول مین ”کانت بیعة ابی بکر فلتة وقی اللہ شرھا
عن المسلمین“ یعنی حضرت ابوبکر کی بیعت بالکل ناگہانی واقع ہوگئی جس کے شر سے خدا نے
مسلمانون کو محفوظ رکھا۔ اور محمد بن جریر طبری شافعی کی کتاب مواہب مین ابو علقمہ سے
مروی ہے وہ کہتے ہین ”قلت لابن عبادة وقد مال الناس الی بیعة ابی بکر الا تدخل
فی ما دخل فیہ المسلمون قال الیک عنی فواللہ لقد سمعت رسول اللہ صلعم یقول
اذا انا مت تقبل الاھواء ویرجع الناس علی اعقابھم فالحق یومئذ مع علی و
کتاب اللہ بیدہ لا تبایع احدا غیرہ فقلت لہ ھل سمع ھذا الخبر احد غیرک
من رسول اللہ صلعم فقال اناس فی قلوبھم احقاد وضغائن قلت بل نازعتک
نفسک ان یکون ھذا الامر لک دون الناس کلھم فحلف انہ لم یھم بھا ولم یردھا
وانھم لو بایعوا علیاً کان اول من بایع سعد انتھے یعنی ابو علقمہ کہتے ہین جب کہ
لوگ ابوبکر کی بیعت کی طرف مائل ہوچکے تھے اوسوقت مین نے سعد بن عبادہ سے
یہ کہا کہ آخر تم اوس امر مین کیون داخل نہین ہوجاتے جس مین تمام اہل اسلام داخل ہوگئے
ہین؟ وہ بولے کہ جاؤ بھی (مین بھلا ایسا کبھی کر سکتا ہون حالانکہ) قسم خدا کی مین رسولخدا
صلعم کو یہ کہتے سن چکا ہون کہ میرے مرنے کے بعد نفسانی خواہشون کے سبب لوگ
گمراہی مین پڑجائینگے اور اپنے پچھلے پاؤن (کفر کی طرف) پلٹ جائینگے۔ پس
حق اوسدن علی کے ساتھ ہوگا اور کتاب خدا اونھین کے ہاتھ مین ہوگی پس (دیکھنا) تم اون
کے سوا کسی دوسرے کی بیعت نہ کرنا۔ مین نے سعد سے کہا کہ آیا تمھارے سوا کسی اور
نے بھی یہ حدیث رسول خدا صلعم سے سنی تھی؟ کہا ہان کچھ ایسے لوگون نے سنی تھی جن کے
دل بغض وکینہ سے بھرے ہوے ہین مین نے کہا کہ (یہ سب غلط باتین ہین) اصل تو یہ
ہے کہ تمھارے نفس نے تم سے اس بارے مین کشمکش کی کہ خلافت تمھین کو ملجائے
دوسرون کو نہ ملے پس اونھون نے قسم کھا کر کہا کہ (ایسا ہرگز نہین ہوا) اونھون نے
کبھی بھی اوس کا ارادہ نہین کیا اور اگر لوگ علی کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو پہلا بیعت
کرنے والا سعد ہی ہوتا۔ اور شیخ فاضل ابو السعادات حلی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح دعاے
صنمی قریش مین روایت کی ہے کہ ”انہ اجتمع ابوبکر وعمر وابو عبیدة واخوانھم
فی سقیفة بنی ساعدة یطلبون الحکم والبیعة من غیر اکتراث باھل البیت ونبیھا شم

وکل واحد من هولاء الثلثة یرجو الامر والحکم لنفسه ویعطف علی صاحبه
فانکر علیهم الانصار واصروا علی الدفاع والامتناع واحتجوا علیهم بما قال
رسول الله صلعم فی علی من التوکید فی امامته فی مواطن شتی وامر ایاهم بالتسلیم
علیه بامرة المومنین فقال ابو بکر قد کان ذلک لکن نسخه النبی بقوله انا اهل
بیت کرمنا الله واصطفانا بالنبوة ولم یرض لنا بالدنیا وان الله لا یجمع لنا النبوة
والخلافة فصدقه عمر وابو عبیدة فی ذلک وعللا قعود علی ع فی بیته والاشتغال
بتجهیز النبی دون تصدی امر الخلافة بعلمه بتحویل الامر عنه فقالت الانصار
اذا لا نرضی والله بامارة غیرنا علینا منا امیر ومنکم امیر فذکروا عن رسول الله
الائمة من قریش وشبهوا الامر علی الانصار وسائر الامة وقطعوا بذلک حجتهم
واخذوا بیعتهم ولما فرغ علی واصحابه عن تجهیز النبی صلعم ودفنه وتکلموا فی
ذلک اعتذروا تارة بان الناس بایعوا ولم یکن لهم علم بانک تنازعهم فی الامر
ونکث البیعة الواقعة یورث مفاسد بین المسلمین وخللا فی ارکان الدین
وتارة بانهم ظنوا انک لشدة مصیبة النبی طرحت الخلافة والامارة فاتفق
اصحاب رسول الله علی تفویض الامر الی ابی بکر الی غیر ذلک من الاعذار التی
سیجیئ مع جوابها فی الموضع اللائق بها وحما یقلع عرق انکارهم ویوضح رجوعهم علی
ادبارهم ما ذکره ابن قتیبة وهو من اکبر شیوخ اهل السنة وله عدة مصنفات
فی امامة ابی بکر وغیرها من الکتب قال فی کتاب السیاسة فی باب امامة
ابی بکر وابا علی ع عن بیعته ما هذه صورته وذکروا ان علیا اتی به ابو بکر وهو
یقول انا عبد الله واخو رسوله فقیل له بایع ابا بکر فقال انا احق بهذا الامر منکم
لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعة لی اخذتم هذا الامر من الانصار احتججتم علیهم
بالقرابة من النبی صلعم وتاخذونه منا اهل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار
انکم اولی بهذا الامر لمکان محمد صلعم منکم فاعطوکم المقادة وسلموا الیکم الامارة فانا احتج
علیکم بمثل ما احتججتم به علی الانصار نحن اولی برسول الله حیا ومیتا فانصفونا
ان کنتم تخافون من انفسکم والا فبوؤا بالظلم وانتم تعلمون فقال له عمر انک
لست متروکا حتی تبایع فقال له علی احلب حلبا لک شطره اشدده له الیوم

لیردہ علیك غدا ثم قال والله یا عمر لا اقبل قولك ولا ابایعه فقال له ابوبکر
فان لم تبایعنی فلا اکرهك فقال علی یا معشر المهاجرین الله الله لا تخرجوا سلطان
محمد فی العرب من داره وقعر بیته الی دورکم وقعور بیوتکم وتدفعوا اهله عن
مقامه فی الناس وحقه فوالله یا معشر المهاجرین لنحن اهل البیت احق بهذا الامر
منکم ما کان فینا القاری لکتاب الله الفقیه فی دین الله العالم بسنن رسول الله
المتطلع لامر الرعیة المدافع عنها الامور السیئة القاسم بینهم بالسویة والله انه
لفینا فلا تتبعوا الهوی فتضلوا عن سبیل الله فتزدادوا من الحق بعدا۔ وقال بشیر
بن سعد الانصاری لو کان هذا الکلام سمعته الانصار منك یا علی قبل بیعتها
لابی بکر ما اختلفت علیك انتهیٰ[1]

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ اور اون کے دیگر برادران قوم سقیفہ میں جمع ہوئے
اور اہلبیت و بنی ہاشم کی طرف سے بے پروائی کرکے حکومت و بیعت کا مطالبہ کرنے
لگے ان تینوں شخصوں میں سے ہر ایک اپنے لئے امارت و حکومت کا امیدوار تھا اور
اپنے رفیق کی طرف اوسکو پھیرنا چاہتا تھا پس انصار نے اس سے انکار کیا اور اوسکے
دفاع پر اصرار کرنے لگے اور اون پر یہ حجت پیش کی گئی کہ رسول خدا صلعم نے متعدد مواقع میں
علی ابن ابیطالب کی امامت پر بتاکید نص فرمائی تھی اور اون کو حکم دیا تھا کہ حضرت پر سلام
بھی کیا کریں تو امیر المومنین کہکر اس پر ابوبکر بولے کہ ہان ایسا ہوا تھا مگر بعد میں خود رسول خدا
ہی نے اپنے اس حکم کو یہ فرماکر منسوخ کردیا تھا کہ "ہم اہلبیت کو خدا نے فقط نبوت
کے ساتھ مکرم و برگزیدہ فرمایا ہے دنیا کو ہمارے لئے پسند نہیں کیا ہے لہذا وہ نبوت و خلافت
دونوں کو ہم میں جمع نہ کرے گا" عمر اور ابوعبیدہ نے ابوبکر کے اس کلام کی تصدیق کی اور کہا
کہ علی ابن ابیطالب جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے ہیں اور تجہیز رسول کے سوا خلافت حاصل
کرنے کی کوشش نہیں کررہے ہیں تو اوس کا سبب یہی ہے کہ وہ ارشاد رسول ص کو
یہ معلوم کرچکے ہین کہ امر خلافت اون کی ذات سے ہٹا لیا گیا ہے یہ سنکر انصار نے کہا کہ
ایسی صورت میں ہم اس پر رضامند نہ ہونگے کہ کوئی غیر شخص ہم پر حاکم ہوجائے لہذا ایک
امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔ اس پر ابوبکر وغیرہ نے رسول خدا صلعم کی زبانی

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۱۸ تا ۲۰ لاحظہ ہو ۔۱۲

حدیث "الائمۃ من قریش" یعنی امام تو صرف قریش ہی سے ہوا کرینگے نقل کی اور انصار اور تمام امت پر صورت معاملہ کو مشتبہ کر دیا اور اس طرح اپنی حجت تمام کر دی اور اون سے بیعت لے لی - پھر جب امیر المومنین اور آپ کے رفقا رسول خداؐ کی تجہیز و تکفین و دفن سے فارغ ہوئے اور اون سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو اونھوں نے کبھی تو یہ عذر پیش کیا کہ اب تو لوگوں نے بیعت کر لی ہے اور اون کو اس کا علم نہ تھا کہ آپ خلافت کے بارے مین اون سے نزاع کھڑے کر دینگے اور اب واقع شدہ بیعت کا توڑ دینا مسلمانوں میں فسادات اور ارکان دین میں خلل پیدا کر دیگا اور کبھی یہ کہا کہ چونکہ اصحاب رسولؐ کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ شدت مصیبت رسول کیوجہ سے آپ نے خلافت و امارت کا بار اپنے سر سے اوتار پھینکا ہے لہذا اونھوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اب اس منصب کو ابو بکر کے سپرد کر دیں اون لوگوں نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اعذار پیش کئے جو مع جواب کے کسی دوسرے مناسب مقام میں آئندہ مذکور ہونگے - اور ان حضرات کے انکار کی اصل کو جڑ سے کاٹ دینے اور ان کے رائے کو رد اور دعوے کو باطل کرنے کے لئے وہی قول کافی ہے جو علامہ ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے - علامہ موصوف حضرات اہلسنت کے علمائے جلیل الشان اور مستند آئمہ دین سے ہیں اور مسئلہ خلافت حضرت ابو بکر میں اونھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہین وہ اپنی بیمثل و نظیر اور کمال تحقیق کی مخزن کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں حضرت ابو بکر کی خلافت اور حضرت علی علیہ السلام کے اون کی بیعت سے انکار کرنے کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ (جب حضرت ابو بکر کی بیعت ہو گئی اور حضرت علیؑ نے اون کی بیعت سے انکار کیا تو) لوگ حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکر کے پاس لائے اور آپ اوسوقت فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور حضرت رسول اللہ کا بھائی ہوں - تو حضرت سے کہا گیا کہ ابو بکر کی بیعت آپ بھی کیجئے! اس پر حضرت نے فرمایا کہ اس خلافت کا تم لوگوں سے زیادہ مستحق میں ہوں (یعنی تملوگوں پر فرض ہے کہ حکم خدا و رسول کے مطابق مجھ ہی کو اپنا خلیفہ حسب معمول مانتے رہو) اور تم ہی سب کو یہی مناسب ہے کہ میرے ہاتھ پر (آج پھر) بیعت (کر کے تجدید عہد سابق) کرو - تملوگوں نے اس امر خلافت کو انصار سے یہی دلیل پیش کر کے تو نکالا ہے کہ انصار سے زیادہ تم ہی حضرت رسول خدا صلعم کے زیادہ قرابت دار ہو؟ پھر اوسی دلیل سے یہ کیوں نہیں سمجھتے

کہ چونکہ میں تم لوگوں سے زیادہ آنحضرت صلعم کا قرابت دار ہوں لہذا میں ہی تم سب سے زیادہ خلافت کا حقدار بھی ہوں۔ اب تم سب مکر چاہتے ہو کہ آنحضرت صلعم کی جانشینی اور معاملہ خلافت کو ہم اہلبیت سے غصب کرکے نکال لیجاؤ ا تم ہی بتاؤ کیا تم نے انصار کے مقابلہ میں یہ حجت نہیں پیش کی تھی کہ چونکہ تم کو حضرت محمد مصطفےٰ صلعم سے زیادہ قرابت ہے لہذا تم ہی خلافت کے مستحق بھی زیادہ ہو جسے انصار نے تسلیم کرلیا اور تمھارے آگے سر اطاعت جھکا دیا اور حکومت و خلافت کو تمھارے حوالہ کردیا۔ پس جس دلیل سے تم نے انصار پر حجت پیش کی اوسی دلیل سے میں بھی تم سب پر حجت پیش کرتا ہوں کہ ہم اہلبیت آنحضرت صلعم کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد بھی تم لوگوں سے زیادہ حضرت سے قریب ہیں بلکہ ہم اور رسول خدا صلعم ایک ہیں اور تم حضرت رسولخدا صلعم سے بہت دور اور مغایر ہو پس اگر تمھیں کچھ بھی اپنی جانوں کا (عذاب آخرت سے) خوف ہی تو ہمارے ساتھ انصاف کرو ورنہ جو چاہو ظلم کرتے رہو!! اس پر حضرت عمر بول پڑے کہ اے علی جب تک تم بیعت نہ کروگے اوسوقت تک چھوڑے نہیں جاؤگے۔ تو حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے کہا ہاں ہاں اس خلافت (کے تھن) کو اچھی طرح دوہ لو کیونکہ تمھیں بھی تو اس میں حصہ لینا ہے۔ آج اس امر خلافت کو ابوبکر کیلئے خوب مضبوط کردو کیونکہ تم سے تو طے ہی ہوچکا ہے کہ ابوبکر کل (اپنے مرتے وقت) اسے تمھارے حوالہ کرجاینگے (اور وہ بوڑھے ہو بھی گئے ہیں کب تک زندہ رہینگے) پھر حضرت نے عمر سے فرمایا خدا کی قسم اے عمر میں تمھارا قول کبھی بھی نہیں مانونگا اور ابوبکر کی بیعت کسی طرح نہیں کرسکتا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے جناب امیر علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ میری بیعت نہیں کرینگے تو میں آپ کو مجبور نہیں کرسکتا ۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا اے گروہ مہاجرین دیکھو تم کیا کر رہے ہو خدا سے ڈرو۔ اللہ کو یاد کرو اور عرب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی شریعت اور حکومت و اقتدار کو حضرت کے خاندان اور آپ کے اصلی گھر سے اپنے خاندان کی طرف اور اپنے گھروں میں نہ نکال لیجاؤ۔ اور آنحضرت صلعم کو لوگوں میں جو منزلت تھی اوس منزلت اور اوس حق سے حضرت کے اہلبیت کو علیحدہ نہ کرو کیونکہ اے گروہ مہاجرین بخدا جب تک دنیا میں خدا اور رسول کا نام لینے والے کتاب خدا کے پڑھنے والے دین خدا کے سمجھنے والے سنتہائے رسول خدا صلعم کے جاننے والے امر رعیت کے لئے آگے نکلنے

والے اور برائیوں کو ان سے دفع کرنیوالے اور اون (مسلمانوں) میں اونکا حق برابر تقسیم کرنیوالے رہیں گے اور سب جانتے ہیں کہ خدا کی قسم ایسے لوگ ہم ہی میں ہیں اوسوقت تک ہم اہلبیت تم سے زیادہ اس امر خلافت کے مستحق اور سزاوار ہیں تو تم سب اپنے نفس امارہ کی پرستش نہ کرو ورنہ راہ خدا سے شدید گمراہی میں پڑ جاؤ گے اور تمھیں حق سے دوری بڑھتی ہی جائیگی۔ اس پر بشیر بن سعد انصاری نے عرض کی کہ یا حضرت اگر انصار ابوبکر کی بیعت کرنے سے پہلے آپ سے یہ باتیں سنے ہوتے تو آپ کے بارے میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہوتا اور کوئی بھی آپ کے سوا کسی کی بیعت نہیں کرتا مگر کیا کیا جائے کہ ان لوگوں نے آپ کے صدمہ و ملال اور امر خلافت سے علیحدہ ہوجانے کا قول مشہور کرکے ہم لوگوں سے پہلے ہی بیعت لے لی) انتہے۔ ہمیں علامہ ابن قتیبہ کی کتاب سے اس مقام پر اسی قدر عبارت نقل کرنی مقصود تھی گرجیسا کہ بعض علماء نے ارشاد فرمایا ہے۔ علامہ ممدوح کی اسی عبارت میں شیعوں کے دعوے کے موافق بہت سی باتیں موجود ہیں اور اون کے مذہب کی حقیت پر بکثرت شواہد پائے جارہے ہیں چنانچہ حضرت کا قول" میں اس خلافت کا تم لوگوں سے زیادہ مستحق ہوں"۔ پھر آپکا یہ قول" تم سب منکر چاہتے ہو کہ آنحضرت صلعم کی جانشینی اور معاملہ خلافت کو ہم اہلبیت سے غصب کرکے نکال لیجاؤ"۔ پھر یہ قول" ہم اہلبیت آنحضرت صلعم کی زندگی میں اور آپ کے وفات کے بعد بھی تم لوگوں سے زیادہ حضرت کے قریب ہیں" پھر یہ قول" حضرت محمد کی شریعت اور حکومت واقتدار کو حضرت کے خاندان اور آپ کے اصلی گھر سے اپنے خاندان کی طرف اور اپنے گھروں میں نہ نکال لیجاؤ"۔ پھر یہ قول" اوس منزلت اور اوس حق سے حضرت کے اہلبیت کو علیحدہ نہ کردو" پھر یہ قول" بخدا ہم اہلبیت تم سے زیادہ اس امر خلافت کے مستحق اور سزاوار ہیں"۔ سب مذہب شیعہ کی حقیت اور خلفائے ثلثہ کی خلافت کے باطل ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ پس ہم گروہ مذہب حق یعنی شیعہ کہتے ہیں کہ علامہ ابن قتیبہ نے جو کچھ لکھا یہ سب صحیح اور حق ہے لیکن حضرات اہلسنت ان باتوں کو صحیح تسلیم نہیں کرسکتے بلکہ اونھیں اپنا مذہب بچانے کے لئے ان باتوں کو غلط ہی کہنا پڑے گا۔ کاش یہ حضرات مجھے بتاتے کہ حضرات اہلبیت کے بارے میں یہ کون راہ اختیار کرینگے (یعنی حضرات اہلبیت کے رہتے ہوئے جو

دوسروں کو خلیفہ بنا لیا تو اُن حضرات کے چھوڑنے کا کیا عذر پیش کرینگے) اور علامہ ابن قتیبہ نے جو حضرت علی کا یہ سب کلام نقل کیا اسمیں علامہ ممدوح کو یہ حضرات کاذب کیوں کر قرار دینگے۔ حالانکہ وہ ان کے مذہب کے بہت بڑے امام اور رکن دین ہیں اور یہ بھی ان حضرات کے اختیار میں نہیں معلوم ہوتا کہ علامہ ممدوح کو صادق اور اونکی اس عبارت کو صحیح کہدیں کیونکہ پھر اونھیں اپنے خلیفہ اول حضرت ابوبکر کو جھوٹا ماننا پڑیگا۔ سلہ اور کاش علامہ ابن قتیبہ خود اپنے متعلق بھی جواب دیتے کہ جب وہ حضرت علیؑ کا اس قدر کلام نقل کر رہے ہیں تو اس قول اور اپنے مذہب کی اس حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم (یعنی آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم لوگ جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاوگے) کو جمع کیونکر کرسکتے ہیں (یعنی دونوں کو کیونکر تسلیم کرسکتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلعم کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر یا اور کسی صحابی کی بھی پیروی کرلیجائے تو ہدایت ملجائے گی لیکن حضرت علی کے اوس کلام سے جو علامہ مذکور نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور جو ابھی نقل کیا گیا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خلافت کو خاندان رسول سے غصب کرلیا تو خود غاصب خلیفہ ہوئے اور غاصب خلیفہ کی پیروی کسیطرح جائز نہیں ہے۔ نیز حدیث اصحابی

سلہ علامہ ابن قتیبہ دینوری کی مذکورہ بالا عبارت جو صفحہ ۲۷ و ۳۰ میں نقل کی گئی اور جسکا ترجمہ صفحہ ۳۴ سے شروع ہوا ہے اوس امر کا بھی قطعی فیصلہ کردیتی ہے جو حضرات اہلسنت کے بڑے بڑے محدثین اور علمائے اعلام نے بالکل غلط مشہور کر رکھا ہو کہ حضرت علی علیہ السلام نے اوسوقت تو حضرت ابوبکر کی بیعت نہین کی لیکن چند مہینوں کے بعد کرلی۔ اس جگہ حضرت خدا کی قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہین کہ اے عمر تم جو کہتے ہو وہ میں کبھی نہیں مانونگا اور ابوبکر کی بیعت کسیطرح نہیں کرسکتا اور حضرت نے اس سختی اور استقلال سے اپنے اس قول کو ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر کو یقین ہوگیا کہ حضرت علی مرتے وقت تک اونکی بیعت نہیں کرینگے ہیں لہذا آپ سے مایوس ہوکر کہدیا کہ اگر آپ میری بیعت نہین کرینگے تو میں بھی آپ کو مجبور نہیں کرسکتا جس سے طرفین کا اطمینان واضح ہوگیا کہ نہ حضرت ابوبکر پھر کبھی خواہش کرسکتے تھے نہ حضرت علی اپنی قسم کے خلاف بیعت کرسکتے تھے اور چونکہ یہ مصنف بہت قدیم زمانہ کے ہین کہ ۲۱۳ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور اوس زمانہ تک ہر شخص کے زبان پر یہی تھا کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی بیعت کبھی بھی نہیں کی اسوجہ سے اونھیں حضرت کا کلام صاف صاف لکھدینا پڑا جو الحمد للہ اسوقت تک ان کی مطبوعہ کتاب مین بھی موجود ہے اور کتابوں میں تحریف کرنیوالے حضرات سے محفوظ رہ گیا ۱۲

کالنجوم کے مطابق جو لوگ حضرت علی ہی کی پیروی خلافت ابو بکر کے بارے میں بھی کریں کہ جس طرح حضرت علی نے ابو بکر کی بیعت نہین کی اوسی طرح یہ لوگ بھی ابو بکر کی بیعت نہ کریں تو چونکہ یہ لوگ ابو بکر کی بیعت سے انکار حضرت علی کی پیروی میں کرینگے لہذا یہ لوگ بھی ہدایت یافتہ ہی ہوسنگے پس اسطرح حدیث اصحابی کالنجوم سے تو مذہب اہلسنت ہی دنیا سے رخصت ہوا جاتا ہے) غرض خدا ہی جسکو چاہے اپنے نور کیطرف ہدایت پانے کی توفیق دے اور خدا تو اپنے نور کو تمام پھیلا کر ہی رہیگا اگرچہ کافرون پر یہ بہت جبر ہو۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "حضرت عمر و ابو عبیدہ نے حدیث رسول الائمۃ من قریش پیش کرکے اون پر حجت بھی قائم کردی تھی" تو بیشک یہ حدیث صحیح ہے اور اسکی تائید آنحضرت صلعم کے اوس قول سے بھی ہوتی ہے جو بکثرت صحیح حدیثون مین اس مضمون کا وارد ہے کہ ان الاسلام لا یزال عزیزا ما مضی فیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش یعنی اسلام ہمیشہ اوسوقت تک غالب رہیگا جب تک اسمیں بارہ خلیفہ نہ ہوجائیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہونگے[1] پس اس حدیث میں پہلے قریشی امام سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں لیکن چونکہ اون حضرات نے وفات رسول صلعم پر مسلمانون کے دلوں میں یہ مضمون راسخ کردیا کہ حضرت علی خانہ نشین ہوگئے اور خلافت کا بار چھوڑ دیا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے لہذا اون سادہ لوح مسلمانوں نے دوسرے قریشی شخص (یعنی حضرت ابو بکر) کی بیعت کرلی۔ ساتوین وجہ یہ ہے کہ فاضل مخاطب کا یہ کہنا "آخر اونھوں نے کیوں نہ کہا کہ امامت حضرت علیؑ کا حق ہے" ہمارے سابق تقریر سے مردود ہوچکا ہے اور آگے بھی آتا ہے کہ اون لوگوں نے یقیناً یہ بات کہی تھی لیکن اس کا کیا علاج کہ بعض مخصوص صحابہ نے تمام مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھکر یہ مشہور کردیا کہ باوجودیکہ حضرت علی کے لئے نص ہوچکی تھی مگر اب حضرت علی نے خود ہی خلافت سے علیحدہ ہوکر کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ باوجود اسکے بھی سقیفہ میں بہت سے اصحاب بیعت حضرت ابو بکر سے انکار ہی کرتے رہے اور آخر وقت تک یہی کہتے رہے کہ لا نبایع احدا

---

[1] دیکھو تاریخ الخلفا و صحیح بخاری وغیرہ۔

غیر علی ابن ابیطالب یعنی ہم حضرت علی ابن ابیطالب کے سوا کسی کی بیعت کبھی بھی نہیں کرینگے جیسا کہ پہلے ہی یہ مضمون بھی گزر چکا اور سید المحدثین جمال الدین نے بھی اپنی تاریخ روضۃ الاحباب میں تصریح کردی ہے [1] پس ہمارے بیان سے فاضل مخاطب کا یہ قول بھی باطل ہوگیا کہ "انصار نے اوس موقع پر خاموشی سے کام لیا" کیونکہ انصار نے خاموشی سے کہاں کام لیا اونھوں نے تو صاف کہدیا کہ ہم حضرت علی کے سوا کسی کی بیعت نہیں کرینگے۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ آخر میں فاضل مخاطب کا یہ کہنا کہ "امور مذکورہ میں سے کچھ بھی اشاعرہ کے ذمہ لازم نہیں آتا" حق اور سچ ہے لیکن اس حیثیت سے کہ اون کا مذہب ہی یہ ہے کہ جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی۔ اور اشاعرہ بالکل مجبور محض ہیں لہذا واقعا اونکے ذمہ کچھ لازم نہیں آتا بلکہ جو خرابیاں بھی لازم آتی ہیں وہ سب (اونکے مذہب کے مطابق) خدا ہی کے ذمہ لازم آتی ہیں۔ یہ نکتہ بھی بہت لطیف اور سمجھنے اور وجد کرنے کے قابل ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ چوتھی بحث تعیین امام میں یعنی اس امر میں کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام درحقیقت کون ہے۔ تمام فرقہ شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ

---

[1] چنانچہ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۳۲ میں ہے گفتند کہ ما با بیعت با ہیچ کس نکنیم الا بعلی ابن ابیطالب رض وگویا شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ تعالے سرہ از زبان آں جماعت گفتہ ع زمشرق تا بمغرب گر امام است + علی وآل واولادش تمام است یعنی مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت ہوتے وقت شور کیا کہ ہم حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے سوا کسی کی بیعت نہیں کریں گے اور غالباً شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ تعالے سرہ نے اونھیں مسلمانوں کی زبان سے یہ شعر کہا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک اگر کوئی امام ہوسکتا ہے تو وہ صرف حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد ہی ہیں دوسرا کوئی نہیں اور تاریخ روضۃ الاحباب اس درجہ مستند کتاب ہے کہ جناب مولوی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ ایسے بزرگ تک اوس کے نہایت درجہ مداح اور اوس کے مضامین کو بہت معتبر سمجھتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

علیہ وآلہٖ کے بعد امام اور خلیفہ بلا فصل حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں اور حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ اور دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن الخطاب تیسرے خلیفہ حضرت عثمان اور چوتھے خلیفہ حضرت علی ابن ابیطالبؑ ہیں لیکن ان حضرات نے اپنے اس اعتقاد سے عقل کی بھی مخالفت کی ہے اور نقل (قرآن وحدیث حضرت نبوی) کی مخالفت بھی عقل کی مخالفت تو ان دلیلوں سے واضح ہے جو حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی خلافت بلا فصل پر عقلی حیثیت سے ثابت ہیں چنانچہ وہ عقلی دلیلیں چند وجوہ پر ہیں اول یہ کہ امام کا معصوم ہونا ضروری اور واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا اور اجماع اس امر پر قائم ہے کہ ان چاروں حضرات سے معصوم صرف حضرت علی علیہ السلام ہیں باقی تینوں حضرات یعنی حضرت ابوبکر وعمر وعثمان غیر معصوم تھے تو وہ امام نہیں ہوسکتے کیونکہ عقل ہی کا یہ حکم ہے کہ جو معصوم نہ ہو اوسے امام نہیں ہونا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ امام کی شرط یہ ہے کہ اوس سے قبل خلافت بھی کوئی گناہ نہیں ہوا ہو (چنانچہ اسکی بحث بھی پہلے گزرچکی) اور حضرات خلفائے ثلثہ کے بارے میں سب جانتے ہیں اور کل کتب احادیث وتفاسیر وسیر وتواریخ گواہ ہیں کہ وہ اسلام لانے سے قبل بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے لہذا وہ کسی طرح خلیفہ اور امام نہیں ہوسکتے ہیں پس آنحضرت صلعم کے حقیقی خلیفہ حضرت علی ہی ہوئے۔ تیسرے یہ کہ ضروری اور واجب ہے کہ امام منصوص علیہ (یعنی خدا اور حضرت رسالتمآب صلعم ہی نے اوسکو مسلمانوں کا امام مقرر کرکے لوگوں کو بتا دیا) ہو اور معلوم ہے کہ سوا حضرت علیؑ کے کوئی بزرگ ایسے نہیں تھے جن کی خلافت خدا اور رسول خدا صلعم کے معین کرنیسے واقع ہوئی ہو لہذا اس اصول سے بھی حقیقی خلیفہ رسولؐ جناب امیرؑ ہی ہوسے نہ کہ خلفائے ثلثہ۔ چوتھے یہ کہ واجب ہے کہ امام اپنی رعیت (یعنی باقی کل مسلمانوں) سے افضل ہو اور معلوم ہے کہ خلفائے ثلثہ ایسے نہیں تھے ہاں جناب امیرؑ سب سے افضل تھے لہذا حضرت ہی حقیقی خلیفہ بھی ہوئے۔ پانچویں یہ کہ خلافت اور امامت ایک ریاست عامہ ہے (یعنی ہر مسلمان کی ہر قسم کی سرداری ہے خواہ دین کی ہو یا دنیا کی) اور اسکا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں زہد۔ علم۔ عبادۃ۔ شجاعت۔ ایمان وغیرہ اوصاف بدرجہ اتم پائے جائیں۔ اور عنقریب ان امور کی تفصیل آئیگی کہ حضرت علی علیہ السلام

ہی کامل بلکہ اکمل درجہ پہ ان تمام اوصاف کے جامع تھے کہ آپ تک کوئی شخص بھی ان صفات میں پہونچ نہیں سکتا تھا لہذا ضروری ہے کہ حضرت ہی جناب رسولخدا صلعم کے حقیقی خلیفہ بلافصل ہوں۔

قول ابطال

اہلسنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد حقیقی امام حضرت ابوبکر الصدیق تھے اور شیعہ حضرات کا اعتقاد ہے کہ حقیقی امام حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تھے۔ تو فرقہ اہلسنت والجماعت کا اعتقاد صحیح ہونے کی دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ کسی شخص کی امامت یا نص (خدا اور رسول کے فرمانے اور معین کر دینے) سے ثابت ہوتی ہے یا اوس کی بیعت پر تمام مسلمانوں کے اجماع کر لینے سے ہوتی ہے۔ پس نص تو کسی شخص کے بارے میں ہوئی ہی نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے اور آئندہ بھی ذکر کرینگے بلکہ اسکے بعد انشاراللہ اس امر کو تفصیل سے لکھیں گے۔ رہا مسلمانوں کا اجماع تو تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر کے سوا کسی شخص کی بیعت پر مسلمانوں کا اجماع نہیں ہوا تو آپ ہی آنحضرت صلعم کے بعد مسلمانوں کے امام اور آنحضرتؐ کے حقیقی خلیفہ ہوئے۔ دوسری دلیل یہ کہ اس امر پر بھی اجماع قائم ہے کہ تین بزرگ حضرت ابوبکر وحضرت علی وحضرت عباس (عم رسول خدا صلعم) سے کوئی ایک شخص آنحضرت صلعم کا حقیقی خلیفہ اور مسلمانوں کا صحیح امام ضرور تھا۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بن گئے تو حضرت علی اور حضرت عباس نے اون سے نزاع نہیں کی اور ان پہ یہ اعتراض نہیں کیا کہ تم نے خلافت پر قبضہ کیوں کر لیا اور یہ مسلم ہی کہ اگر حضرت ابوبکر حق پر نہیں ہوتے تو وہ دونوں حضرات (علی اور عباس) اون سے ضرور نزاع کرتے۔ جیسے حضرت علی نے معویہ سے نزاع کی کیونکہ عادت اسی کو مقتضی ہے کہ ایسے مواقع میں نزاع اور اختلاف کیا جائے بلکہ قدرت رہتے ہوئے ان موارد میں نزاع نہ کرنا عصمت میں خلل پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ سکوت اور ترک نزاع ایسا گناہ کبیرہ ہے جو صفت عصمت کو زائل کر دیتا ہے حالانکہ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ امامت کے لئے عصمت شرط ہی اسی وجہ سے وہ حضرت ابوبکر کی خلافت نہیں مانتے اور حضرت علی کو خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے

ہیں۔ پس جب قدرت رہتے ہوئے حضرت علی بھی ابوبکر کی خلافت دیکھتے رہے اور اون سے اس پر جنگ نہیں کی تو پھر حضرت علی نے گناہ کبیرہ کیا اور معصوم نہیں رہے لیکن ایسا عقیدہ کوئی شیعہ نہیں رکھ سکتا لہذا ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت حق اور درست تھی اسی وجہ سے حضرت علی اوس پر خاموش رہے اور اون سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ یہاں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علی اور حضرت عباس کو حضرت ابوبکر سے نزاع کرنے کی قدرت اوسوقت حاصل تھی۔ تو اوسکے جواب میں ہم کہینگے کہ تم لوگ (یعنی شیعیان حضرت علی) خود کہتے ہو اور تسلیم کرتے ہو کہ حضرت علی جناب ابوبکر سے زیادہ شجاع امور دینیہ کے زیادہ پابند اور حق و شریعت میں زیادہ سخت تھے اور آپ کا قبیلہ (بنی ہاشم) بھی ابوبکر کے قبیلہ سے بڑا اور بڑھ کر تھا اور آپ کے اعوان و انصار بھی زیادہ تھے اور آپ ابوبکر سے نسب میں اشرف اور حسب میں اکمل بھی تھے۔ اور تم (شیعہ) جس نص کا دعویٰ کرتے ہو کہ خدا کے حکم سے حضرت رسالتمآب صلعم نے حضرت علی کو اپنی زندگی ہی میں اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا) کوئی شک نہیں کہ وہ تمام لوگوں کے مجمع میں ہوئی تھی جسکو سب نے دیکھا اور ہر شخص نے سنا تھا۔ اور مدینہ کے رہنے والے مسلمان یعنی انصار حضرت ابوبکر کو حضرت علی پر ترجیح بھی نہیں دیتے تھے اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر عمر میں منبر پر یہ بھی فرما دیا تھا کہ الا انصار کرشی وعیبتی یعنی انصار میرے رازدار اور معتمد علیہ ہیں [1] اور وہی انصار مسلمانوں کے غالب لشکر اور فوج بھی تھے (یعنی مسلمانوں کے لشکر میں زیادہ تر انصار اور بہت کم مہاجرین تھے) اور مناسب ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے انصار سے یہ وصیت بھی کر دی ہو کہ "تم لوگ خلافت کے معاملہ میں حضرت علی کی مدد کرنا اور جس نے اونکی خلافت پر جو نص کر دی ہے اس کا مخالف

---

[1] انوار اللغات پارہ ۲۲ صفحہ ۳ میں ہے الا انصار کرشی وعیبتی انصار میرے پیٹ اور گٹھری ہیں (جیسے پیٹ میں چارہ جا کر جمع ہوتا ہے اسی طرح گٹھری میں کپڑے) ویسے ہی میری راز کی باتیں اور امانتیں انصار کے پاس رہتی ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ میرے محرم اسرار اور معتمد علیہ اور رازدار ہیں بعضوں نے کہا کرش سے جماعت مراد ہے یعنی میری جماعت اور میرے اصحاب ہیں ۱۲ مترجم

جو شخص ہو اوس سے جنگ کرنا" علاوہ بریں حضرت فاطمہ جنکا بلند منصب اور اعلیٰ پایہ سب کو معلوم ہے حضرت علی کی زوجہ تھیں اور حضرت حسن و حسین جو جناب رسول خدا صلعم کے نواسے تھے وہ حضرت علی کے فرزند تھے۔ اور حضرت عباس ایسے ذی اقتدار اور صاحب اقتدار بزرگ بھی حضرت علی ہی کے طرفدار تھے چنانچہ اس مضمون کی روایت بھی موجود ہے کہ انھوں نے حضرت علی سے کہا امدد یدک ابایعک حتی یقول الناس بایع عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عمہ فلا یختلف فیک اثنان یعنی اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کرلوں تاکہ سب دیکھ لیں اور کہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے اپنے بھتیجے (حضرت علی) کی بیعت کرلی پھر تمھارے معاملہ میں دو شخص بھی اختلاف نہ کریں۔ اور حضرت زبیر بھی جنکی شجاعت مشہور ہے حضرت علی ہی کی طرف تھے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ (جب حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی گئی تو) انھوں (یعنی زبیر) نے اپنی تلوار کھینچ لی اور کہتے تھے میں تو کسی طرح ابوبکر کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتا۔ اور ابوسفیان نے کہا ارضیتم یا بنی عبد مناف ان یلی علیکم تیمی واللہ لاملأن الوادی خیلا ورجلا یعنی اے بنی عبد مناف کیا تم اسپر راضی ہو کہ تمھارا حاکم ایسا شخص بنجائے جو قبیلہ تیم کا ہے؟ خدا کی قسم میں اوس وادی کو سوار اور پیدل کے لشکر سے بھردونگا۔ اور انصار کا پورا قبیلہ بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کو ناپسند کرتا تھا چنانچہ انھوں نے کہہ ہی دیا کہ منا امیر ومنکم امیر یعنی ایک حاکم تم سے مقرر ہو اور ایک حاکم ہم میں سے مقرر ہو جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ پس جب اس قدر اسباب حضرت علی کے موافق اور تائید میں موجود تھے اگر آپ کی خلافت پر واقعا خدا و رسول کی کوئی واضح نص ہوتی تو لوگ اوسکو یقیناً ظاہر کردیتے اور حتماً و جزماً اون کو حضرت ابوبکر سے جنگ کرنے کی قدرت ہوتی کیف لا و ابوبکر عندھم شیخ ضعیف جبان لا مال لہ ولا رجال ولا شوکۃ یعنی حضرت علی اور آپ کے طرفداروں کو حضرت ابوبکر سے جنگ کرنے پر قدرت کیوں نہیں تھی حالانکہ حضرت ابوبکر تو ان کے یہاں ایک کمزور بڈھے۔ بزدل آدمی تھے جنکے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ اعوان و انصار تھے نہ اونکو کوئی اقتدار اور شوکت حاصل تھی پس باوجود ان امور کے کس کے دماغ میں یہ بات آسکتی ہے کہ وہ حضرات ان سے جنگ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ لہذا یہ کل

امور اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کی خلافت پر اجماع قائم ہو گیا تھا اور آپکے علاوہ کسی شخص (یعنی حضرت علی) کی خلافت پر کسی قسم کی نص نہیں ہوئی تھی اور چونکہ حضرت علی نے حضرت ابو بکر کو خلافت کیلئے اہل ۔ عاقل ۔ صبور ۔ لوگوں کی خاطر و مدارات کرنے والا اور اسلام کا شیخ و بزرگ پایا لہٰذا آپ نے بھی ابو بکر کی بیعت کر لی اور صحابہ کرام کچھ سلطنت حاصل کرنے اور مسلمانوں کے بادشاہ یا سردار بننے کی غرض سے خلافت حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے ۔ اسکی تو کسی کو بھی خواہش نہیں تھی بلکہ ان حضرات کی جو کچھ غرض تھی وہ صرف حق کو قائم کرنا اور شریعت کو درست اور محفوظ رکھنا تاکہ سب آدمی دین اسلام میں داخل ہو سکے جائیں اور چونکہ یہ مقصود حضرت ابو بکر کی خلافت سے حاصل ہو رہا تھا اس سبب سے سب نے اس کو انھیں کے حوالہ کر دیا اور حق کے قائم رکھنے میں وہ خود سب کے سب حضرت ابو بکر کے مدد گار بنے رہے ۔ یہی مذہب صحیح اور حق صریح ہے جس پر امت اسلام کا سواد اعظم اسوقت تک قائم ہے اور حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سواد اعظم ہی کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے علیکم بالسواد الاعظم یعنی تم لوگوں پر فرض ہے کہ سواد اعظم کو جس رستہ پر چلتے دیکھو اوسکی پیروی کرو ۔

رہیں وہ عقلی دلیلیں جو فاضل (علامہ حلی علیہ الرحمہ) نے حضرت علی کی خلافت پر ذکر کی ہیں تو پہلے یہ ہے کہ (انکے خیال میں) امام کا معصوم ہونا ضروری ہے لیکن میں قبل ہی اسکو بیان کر چکا ہوں کہ امام کا معصوم ہونا واجب نہیں ہے نہ تو کسی عقلی دلیل سے اور نہ ہی شرعی وجہ سے ۔ دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے کہ امام اور خلیفہ سے (خلیفہ ہونے کے پہلے) کوئی گناہ کبھی بھی نہیں ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اس کو بھی بیان کر چکا کہ یہ بھی اوسکے لئے شرط نہیں ہے ۔ تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ امام یا خلیفہ پر خدا اور رسول کی نص ہونا ضروری نہیں ہے نہ اس کے واجب ہونے پر کوئی دلیل ہے کیونکہ خلافت کے متعلق مسلمانوں کا کسی شخص پر اجماع کر لینا ہی اوس کے لئے نص ہے ۔ چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہ کا خلفائے ثلثہ سے افضل ہونا ثابت بھی ہو جائے جب بھی یہ واجب نہیں ہے کہ امام یا خلیفہ اوسوقت کے تمام مسلمانوں سے افضل ہو جیسا کہ علامہ حلی نے ذکر

کیا ہے (بلکہ ہوسکتا ہے کہ افضل شخص پر اوس سے پست تر آدمی حاکم اور خلیفہ و امام بنا دیا جائے) اور پانچویں دلیل کا جواب یہ ہے کہ زہد۔ علم۔ عبادت۔ شجاعت۔ اور ایمان وغیرہ اوصاف خلفائے ثلثہ میں بھی موجود تھے۔ رہا ان صفات میں خلیفہ کا دوسرے مسلمانوں سے افضل واعلیٰ اور اکمل ہونا تو یہ ضروری نہیں ہے جبکہ وہ دین اسلام کی حفاظت اچھی طرح کر سکتے تھے (یعنی چونکہ خلفائے ثلثہ سے حفاظت اسلام و مسلمین کا کام اچھی طرح انجام پایا لہذا اگر وہ اوصاف مذکورہ میں دوسرے مسلمانوں سے کم تھے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے)

قول احقاق فاضل مخاطب کے کلام میں بہت سے امور قابل اعتراض ہیں جن کا شمار تک دشوار ہے۔ مثلاً صرف چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اول یہ کہ آپ نے خلافت جناب رسالتمآب صلعم کے متعلق کسی شخص پر نص ہونے سے جو انکار کیا ہے تو صریح حق پوشی اور واقعات پر پردہ ڈالنا ہی جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے اور آئندہ تو انشاء اللہ تفصیل سے بیان کرینگے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہونا ایسا غلط دعوے ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور جس کی تکذیب تمام کتب احادیث و تاریخ سے ہوتی ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ آپ کی خلافت پر صرف حضرت عمر اور آپ کے دباؤ کے چند شخص راضی ہوئے تھے اور اجماع ہرگز نہیں ہوا تھا جیسا کہ سابقاً گزر چکا اور یہاں ہم اسکی اور زیادہ توضیح کر دیتے ہیں اور ہمارے بعض علمائے اعلام نے جو کچھ اس اجماع کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اوس کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اجماع کا مطلب یہ ہے جیسا کہ علامہ بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج میں اور ابن حاجب نے اپنی کتاب مختصر الاصول میں اور اسکے شارحوں نے اپنی شرحوں میں نقل کیا ہے کہ کل اہل حل و عقد یعنی مجتہدین اور علماء مسلمین ایک ہی وقت میں کسی امر یا کام پر اتفاق کر لیں۔ رہے حضرات اہلسنت اور ان کے علماء تو انھوں نے بھی اجماع کے متحقق ہونے اور اسکی شرطوں کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے اوس کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ شرح عضدی وغیرہ میں ذکر کیا ہے کہ اجماع یا کوئی امر ممکن ہے یا محال ہے۔ اگر وہ ممکن ہے اور ہوسکتا ہے تو آیا یہ کبھی واقع بھی ہوا ہے یا نہیں۔ اور یہ سب صورتیں تسلیم کر بھی لیجائیں

تو آیا وہ کسی چیز کے لئے حجت اور دلیل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ وہ کسی چیز کے لئے حجت اور دلیل ہو سکتا ہے تو جب تک اوس کا ثبوت حد تواتر تک نہ پہونچ جائے اوسوقت تک وہ حجت اور دلیل سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ تو ان کل صورتوں اور ہر شق میں علمائے اہلسنت کے درمیان بڑے بڑے اختلافات اور شدید نزاعیں ہیں۔ غرض جو حضرات بے غور و فکر کئے ہوئے کہدیا کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع ہوا ان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان کل امور کو ثابت کر لیں اسکے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت کو اجماع کے ذریعہ سے ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ کاش کوئی بزرگ مجھ سے ارشاد فرماتے کہ علمائے اہلسنت سے جو لوگ اجماع کے متعلق ان شقوق کو تسلیم نہیں کرتے وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے حق ہونے کا ادعائے باطل کس منہ سے کرتے ہیں اور اسکے ثابت کرنے کے درپے کیوں رہتے ہیں؟ جب یہ مراحل طے ہو جائیں اور اجماع کی اصولی بحث ختم ہو جائے تو پھر دوسرا اختلاف سامنے آئیگا اور وہ یہ کہ کیا اجماع کے حق ہونے میں یہ بھی شرط ہے یا نہیں کہ جن لوگوں نے کسی مسئلہ پر اجماع کر لیا ہے اونمیں سے کوئی شخص مرتے وقت تک اس رائے سے پلٹ نہ جائے اور اوس امر کی مخالفت نہ کرے یہاں تک کہ سب اجماع کرنے والے اوسکے موافقت ہی میں دنیا سے انتقال کریں (مثلاً حضرت ابوبکر کی خلافت پر بقول حضرات اہلسنت کے اوس وقت کے کل مسلمانوں نے اجماع کر لیا تھا تو کیا وہ سب مسلمان مرتے وقت تک اسی خیال پر باقی رہے یا اونمیں سے کوئی شخص اپنی رائے کو غلط سمجھکر اس خیال اور اجماع سے علیحدہ بھی ہو گیا اور دوسرے مسلمانوں کی مخالفت بھی کر لی تھی)۔ پھر تیسرا امر آتا ہے کہ انھیں حضرات نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا اجماع تنہا حجت ہے یا اوس کے لئے کسی سند کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے کہ درحقیقت وہی سند اوس امر کی حجت ہے۔ اور حضرات اہلسنت جو اپنا دعوے پیش کرتے ہیں کہ خلافت ابوبکر پر اجماع ہو گیا تھا تو اس اجماع کی سند جو ذکر کرتے ہیں وہ ایک قیاس فقہی (یعنی علم فقہ کا قیاس) ہے جسکو خود ان لوگوں نے گڑھا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت کی حالت میں حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز باجماعت پڑھا دیں پس جب آنحضرت صلعم نے ابوبکر کو ایک دینی امر (یعنی نماز جماعت) میں مسلمانوں کا امام بنا دیا اور اس پر

راضی ہوگئے تو حضرت صلعم دنیوی امر میں حضرت ابو بکر کی امامت پر اور زیادہ راضی ہونگے
اور وہ دنیوی امر یہی خلافت ہے۔ تو ان حضرات اہلسنت نے حضرت ابو بکر کی خلافت کو
اونکے نماز جماعت کی پیش نمازی پر قیاس کر لیا اور اسی کو اپنے اجماع کی سند قرار دیلیا
جس کو بہت سے عبارتوں میں ادا کرتے ہیں اور وہ سب عبارتیں ملتی جلتی ہوئی
ہیں جو شرح تجرید۔ شرح مواقف۔ طوالع۔ کفایہ از علامہ صابونی حنفی۔ صواعق محرقہ
از ابن حجر مکی شافعی اور علامہ احمد الجندی الحنفی کے ایک فارسی رسالۂ عقائد میں مذکور ہیں
اور ان سب کا محصل یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں
حضرت ابو بکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھاویں یعنی خود امام بنیں اور دوسروں
کو ماموم بنائیں پس جب آنحضرت صلعم نے ان کو ایک دینی امر (یعنی نماز جماعت) میں پیشوا
بنادیا اور آپ کی پیش نمازی پر خوش ہوئے تو ایک امر دنیا میں جو خلافت ہے کیوں نہ
ان کی سرداری پر راضی ہونگے بلکہ امر دنیا میں آپ کا پیشوا بننا حضرت صلعم کو اور زیادہ
پسندیدہ ہوگا۔ ان حضرات نے اسی امر کو مسلمانوں کے اجماع کی سند قرار دی ہے
(پس نتیجہ یہ نکلا کہ کسی امر پر اجماع جس وجہ سے ہو اوسی وجہ کو اوس اجماع کی سند کہینگے
مثلاً تاڑی کے جو تاڑ اور کھجور کے درخت کا عرق ہوتا ہے اور اوسکے پینے سے نشہ پیدا
ہوتا ہے حرام اور نجس ہونے پر اجماع ہوا اس وجہ سے کہ آنحضرت صلعم نے فرمادیا ہے
کہ جو چیز نشہ پیدا کرے وہ حرام اور نجس ہے اور تاڑی بھی نشہ پیدا کرتی ہے لہذا یہ بھی
باجماع نجس اور حرام ہے تو تاڑی کے حرام ہونے پر جو اجماع ہوا اوس اجماع کی وجہ وہی
حدیث جناب رسالتمآب صلعم ہے جو اس اجماع کی سند کہی جائے گی۔ اسی طرح حضرت
ابو بکر کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع اسوجہ سے ہوا کہ آنحضرت صلعم نے خود اپنی زندگی
میں اون کو مسلمانوں کا پیش نماز بنایا تھا تو ابو بکر کی خلافت پر مسلمانوں کا اتفاق اجماع کہا
جائیگا اور آنحضرت صلعم کا ان کو مسلمانوں کا پیش نماز بنانا اجماع خلافت کی سند
قرار پائیگا) پس ان علمائے اہلسنت نے سند اجماع کو جن عبارتوں میں ذکر کیا ہے ان سے
مشہور ترین عبارت وہی ہے جسکو ہم نے ذکر کیا[۱] مگر جس شخص کو علم اصول فقہ سے کچھ بھی

[۱] اس مقام پر کتاب احقاق الحق مطبوعہ ایران کے حاشیہ پر بھی کچھ عبارتیں ہیں جو غالباً جناب
شہید ثالث علیہ الرحمہ مصنف کتاب مذکور ہی کی ہونگی لہذا ان کو نقل کرکے ترجمہ کر دینا بھی مناسب

تعلق ہو گا اور اس فن کے معمولی مسائل بھی جانتا ہو گا اوس پر اس امر (یعنی قصہ پیشنمازی حضرت ابو بکر کے سند اجماع ہونے) کا فاسد اور باطل ہونا کسیطرح بھی پوشیدہ نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسمیں جناب ممدوح نے فحول علمائے اہلسنت کی رد کی ہے فرماتے ہیں هذا عبارة شرح التجريد ومن وافقه واما عبارة المواقف وشرحه فهي قوله الثامن انه عليه السلام استخلف ابابكر في الصلوة حال مرضه واقتدى به وما عزله كما مر تقريره فيبقى بعده اما ما فيها فكذا في غيرها اذ لا قائل بالفصل یعنی یہ عبارت جو اوپر مذکور ہوئی شرح تجرید کی تھی اور ان علمار کی جو شارح تجرید کے موافق ہیں۔ رہی عبارت مواقف اور اسکے شرح کی تو وہ ان کا یہ قول ہے آٹھویں یہ کہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنے مرض کی حالت میں ابو بکر کو نماز پڑھانے کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اونکی اقتدا کی اور انکو اس شرف سے معزول نہیں کیا جیسا کہ اسکی تقریر اوپر گزر چکی تو حضرت ابو بکر آنحضرت صلعم کے بعد بھی نماز پڑھانے کیلئے حضرت کے خلیفہ ہوئے اور اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی وہی آنحضرت صلعم کے خلیفہ رہے کیونکہ کوئی شخص فصل کا یعنی اس کا قائل نہیں ہے کہ جو آنحضرت کی زندگی میں آپ کی نیابت کرے وہ آپ کے بعد آپ کی نیابت نہ کرے انتہے (دیکھو شرح مواقف مرصد رابع کا مقصد رابع) مگر مصنف مواقف اور شرح مواقف اتنے ہی پر راضی نہیں ہوئے بلکہ حضرت علی علیہ السلام پر بھی اتہام قائم کر دیا چنانچہ لکھتے ہیں ولذلك قال علیؑ قد ملك رسول الله في امر ديننا افلا نقدمك في امر دنيانا یعنی اسیوجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے بھی حضرت ابو بکر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ کو حضرت رسول خدا صلعم نے ہمارے دینی امر میں مقدم کیا تو کیا ہم آپ کو اپنے دنیوی امر میں بھی مقدم نہ کریں انتہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شرح مواقف کی اس عبارت کی لغویت ظاہر ہے اول اس وجہ سے کہ عنقریب معلوم ہوگا کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ آنحضرت صلعم نے ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ کہنا بھی کہ "ابو بکر کو اس شرف پیش نمازی سے معزول نہیں کیا" ایسے امر کا دعوی کرتا ہے جو سچائی سے کوسوں دور ہے جس پر شارح مواقف کی وہ عبارت دلالت کرتی ہے جو صحیح بخاری سے نقل کی گئی ہے (وہ عبارت اصل متن کتاب احقاق الحق میں آئندہ آتی ہے) تیسرے اسوجہ سے کہ اس جگہ

رہ سکتا کیونکہ قیاس کی حجیت ثابت کرنا (یعنی یہ امر ثابت کرنا کہ قیاس فی نفسہ حجت اور اس قابل ہے کہ اس پر عمل کیا جائے) نہایت مشکل ہے۔ اور علمائے اہلبیت علیہم السلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فصل کے قائل موجود ہیں (یعنی اس امر کے کہ جو شخص آنحضرت صلعم کی زندگی میں آپ کی نیابت کرے اسکا آپ کے بعد بھی آپ کی نیابت کرنا ضروری نہیں ہے) چنانچہ وہ شیعہ امامیہ ہیں (جو کہتے ہیں کہ اگر جناب رسالتمآب صلعم نے اپنی زندگی میں کسی اتفاقی کام کے لیے کسی شخص کو اپنا نائب بنا دیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہی آنحضرت صلعم کے بعد آپ کا مستقل خلیفہ بھی بن جائے) چوتھے اسوجہ سے کہ فصل کا قائل نہ ہونا اور امر ہے اور عدم فرق کا قائل ہونا دوسری چیز ہے لہذا فصل کے قائل نہ ہونے سے عدم فرق کا قائل ہونا ثابت نہیں ہوتا تاکہ فصل کے قائل ہونے سے خرق اجماع لازم آئے۔ اور علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳) میں لکھتے ہیں ووجہ ما تقرر من ان الامر بتقدیمہ للصلاۃ کما ذکر فیہ الاشارۃ او التصریح باحقیتہ بالخلافۃ ان القصد الذاتی من نصب الامام العالم اقامۃ شعائر الدین علی الوجہ المامور بہ من اداء الواجبات وترک المحرمات واحیاء السنن واماتۃ البدع واما الامور الدنیویۃ وتدبیرھا کاستیفاء الاموال من وجوھھا وایصالھا لمستحقیھا ودفع الظلم ونحو ذلک فلیس مقصودا بالذات بل لیتفرغ الناس لامور دینھم اذ لا یتم تفرغھم لہ الا اذا انتظمت امور معاشھم بنحو الامن علی الانفس والاموال ووصول کل ذی حق الی حقہ فلذلک رضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامر الدین وھو الامام العظمی ابابکر بتقدیمہ للامامۃ فی الصلاۃ کما ذکرناہ ومن ثم اجمعوا علی ذلک کما مر انتہی۔ یعنی احادیث میں جو یہ امر ثابت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو اس سے حضرت ابوبکر کے تمام صحابہ موجودین سے زیادہ مستحق خلافت ہونے کی طرف اشارہ بلکہ تصریح کرنا اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اور امام عالم کے مقرر کرنے کی اصلی غرض اور ذاتی مقصود یہ ہے کہ وہ شعائر دین کو اوسی صورت پر قایم رکھے جس کا خدا اور رسول نے حکم دیا ہے یعنی واجب کاموں کو ادا کرائے۔ حرام کاموں سے لوگوں کو روکے۔ سنتوں کو زندہ رکھے اور بدعت کی باتوں کو مٹائے رہے دینوی امور اور اون کی تدبیر و انتظام مثلاً مال حاصل کرنے کی جو صورتیں ہیں ان سے حاصل کیا جائے اور اسے مستحقین تک پہونچایا جائے۔ ظلم وجور دفع کیا جائے یا اسی قسم کے دنیا کے اور کام تو یہ کام خلیفہ مقرر کرنے سے مقصود بالذات نہیں ہیں (یعنی دراصل انھیں اغراض کیلئے خلیفہ کا مقرر کرنا ضروری

بلکہ حضرات اہلسنت کے جماعت ظاہریہ کے علماء نیز فرقہ معتزلہ کے علماء سب قیاس کی حجیت سے انکار کرتے ہیں اور اپنے دعوی (یعنی قیاس کے حجت نہ ہونے) پر عقلی اور نقلی دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہے) بلکہ ان امور کا خلیفہ سے انجام پانا تو صرف اسوجہ سے مطلوب ہوتا ہے کہ لوگ اپنے دینی امور میں بالکل مطمئن رہیں اور دنیا کے افکار و ترددات ان کے دینی کاموں میں کوئی حرج نہ پیدا کریں کیونکہ یہ واضح ہے کہ جب تک لوگوں کی معاش کے امور اسطرح درست اور منتظم نہ ہونگے جس سے ان کی جانوں کا خطرہ جاتا رہے ان کے نفس حالت امن میں رہیں ان کے مال اور جائداد محفوظ رہے اور ہر شخص کا حق اس تک بغیر کسی وقت کے پہونچتا رہے۔ اسوقت تک وہ اپنے دینی امور میں کسی طرح فارغ البال اور مطمئن نہیں ہو سکتے۔ پس اسی وجہ سے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے امر دین یعنی امامت عظمی اور اپنی خلافت کیلئے حضرت ابوبکر کو پسند کیا اس طرح کہ اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اسی وجہ سے لوگوں نے ان کی خلافت پر اجماع کر لیا۔ صاحب صواعق محرقہ کی عبارت تمام ہوئی۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کی یہ تقریر کئی وجہوں سے باطل ہے اول یہ کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کی طرف اشارہ یا تصریح کا جو ذکر کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کی خلافت پر جلی (واضح) یا خفی (پوشیدہ) نص ہونیکا دعوی کرتے ہیں حالانکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر خدا یا رسول نے کبھی کسی قسم کی نص نہیں کی بلکہ تمام اہلسنت کا تو یہ اتفاقی قول ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی خلافت پر کوئی بھی نص نہیں فرمائی۔ پھر علامہ ابن حجر نے خلیفہ اول صاحب کی خلافت کی طرف اشارہ یا تصریح کہاں سے نکالی۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ نے یہ جو فرمایا کہ خلیفہ مقرر کرنے کی اصلی غرض یہ ہے کہ وہ شعائر دین کو اسی صورت پر قایم رکھے الخ تو اگر اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ خلیفہ مقرر کرنے کی اصلی غرض صرف یہی ہے اور وہ دنیوی امور جنکا آپنے ذکر کیا ہے بالتبع مقصود ہوتے ہیں پس اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو نیب کو آپ کے مطلوب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا بلکہ اسوقت مفید ہوتا جب یہ امور دینی حیثیت سے مقصود بالذات نہیں ہوتے اور یہ اس سے لازم نہیں آتا۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ دنیوی امور مثلا حدود شرعیہ کا قائم کرنا۔ سرحد اسلام کی حفاظت کرنی جہاد کیلئے لشکروں کو طیار اور روانہ کرنا اور اسیطرح بہت سے امور جو نظام عالم کی حفاظت۔ بیضہ اسلام کی حمایت۔ اچھے کاموں کے جاری کرنے۔ بری باتوں کے مٹانے۔ معاش و معاد کی اصلاح کرنے وغیرہ امور سے متعلق ہیں وہ دینی حیثیت سے خلافت کے مقصود اصلی نہوں اور اگر آپکی مراد یہی

قسم کی دلیلیں قایم کرتے ہیں چنانچہ اس کتاب (احقاق الحق) میں بھی جس جگہ علم اصول فقہ کے مسائل کا ذکر آئے گا وہاں قیاس کی بحث بھی لکھی جائیگی اور اس میں ان علماء کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ دینی حیثیت سے خلیفہ مقرر کرنے کی اصلی غرض یہی ہے اور اسکے سوا جو امور ہیں وہ بھی دینی حیثیت سے تو مقصود ہیں مگر مقصود اصلی نہیں بلکہ مقصود بالتبع ہیں تو ہم اسکو بھی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ کل باتیں دینی ہی حیثیت سے مقصود بالذات ہیں جیسا کہ ہم نے توضیح سے ذکر کر دیا ہے۔ یہ بھی پوشیدہ نہ رہے کہ علامہ ابن حجر کا آخری قول" اس وجہ سے لوگوں نے اون کی خلافت پر اجماع کر لیا" بھی صاف صاف ہمارے بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ ان حضرات نے اس قیاس فقہی کو اپنے اجماع کی سند قرار دی ہے پس اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہئے۔ اور علامہ صابونی حنفی نے کتاب کفایہ میں لکھا ہے اجماع الصحابۃ حجۃ واستدلوا بتقدیم النبی علیہ السلام ابابکر فی اخر عمرہ فی اھم الامور الدینیۃ وھو الصلوۃ فعلم انہ اولی بالخلافۃ منھم کما قال عمر رضیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا افلا نرضیک لدنیانا یعنی صحابہ کا کسی امر پر اجماع کر لینا [illegible] شرعی حجت ہے اور اس پر لوگوں نے اس طرح استدلال قایم کیا ہے کہ حضرت رسول خدا علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں حضرت ابو بکر کو دوسرے لوگوں پر اس کام میں مقدم کیا جو کل دینی امور سے اہم اور افضل ہے یعنی نماز میں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہی ابو بکر کل صحابہ سے زیادہ خلافت کے بھی مستحق اور سزاوار تھے جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہہ بھی دیا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپ کو ہمارے دین کیلئے پسند کر لیا پھر کیا ہم آپ کو اپنی دنیا کیلئے بھی پسند نہ کریں انتہے اور علامہ ابن ہمام حنفی نے اپنی کتاب تحریر اصول الفقہ میں اور ملک ما وراء النہر کے بعض علماء نے اس کتاب کی شرح میں لکھا ہے کہ ووقع قیاس امامۃ الکبری للصدیق علی امامۃ الصلوۃ منہ اجماع الصحابۃ علیھا فانہ عین ابابکر لامامۃ الصلوۃ کما فی الصحیحین وغیرہما وقال ابن مسعود لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت الانصار منا امیر ومنکم امیر فاتاھم عمر فقال الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ابابکر ان یصلی بالناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر حدیث حسن اخرجہ احمد والدارقطنی عن النزال بن سبرہ یعنی حضرت ابو بکر کی نماز میں امامت کرنے سے اون کی خلافت پر جو قیاس واقع ہوا تو وہ صحابہ کا اجماع ہے انکی خلافت پر کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے ابو بکر کو نماز پڑھانے کے لئے معین کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم

بعض دلیلیں نقل کیجائینگی اور ان علماء کے علاوہ جو حضرات قیاس کو حجت کہتے ہیں اون میں بھی اس کی قسمیں اور شرائط کے متعلق اختلاف کثیر ہے اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ قیاس کا حجت ہونا ثابت ہے جو فی الحقیقت گویا محال ہے جب بھی قیاس اُس جگہ ہوتا ہے جہاں اصل مسئلہ کی کوئی علت موجود ہو اور جس مسئلہ کو اس اصل مسئلہ پر قیاس کریں وہ اس علت میں اصل مسئلہ کے برابر ہو مثلاً حضرت ابوبکر کا نماز پڑھانا اصل مسئلہ ہے اُس پر انکے خلیفہ ہونے کا قیاس کیا جو دوسرا مسئلہ ہے تو فرض مذکور کے مطابق یہ قیاس اسوقت صحیح ہوگا جب خلیفہ ہونیکی علت برابر ہو اُس علت کے جو نماز پڑھانے کی تھی حالانکہ معمولی شخص بھی سمجھتا ہے کہ دونوں مسئلوں کی علتیں برابر نہیں ہو سکتیں) اور یہاں (خلافت حضرت ابوبکر میں) علت مفقود ہے بلکہ دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے اسلیئے کہ ان حضرات اہلسنت کا یہ اتفاقی اور مشہور مسئلہ ہے کہ الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر جائز یعنی ہر اچھے اور برے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لینی جائز ہے اور وہ صحیح ہو جائیگی اسکے بالکل برخلاف خلافت کی حالت ہے کہ خود یہی حضرات اہلسنت اسکے لیئے عدالت، شجاعت، قریشی ہونے وغیرہ امور کو شرط قرار دیتے ہیں (کہ خلیفہ میں ان صفتوں کا ہونا ضروری اور شرط ہے) نیز نماز میں امامت کر لینا ایک ایسا امر ہے جسمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں ہے اور نہ شجاعت کی اور نہ حسن انتظام و خوبی تدبیر وغیرہ اوصاف کی جو ان حضرات کے نزدیک بھی خلافت کی شرطیں ہیں۔ اسلیئے کہ خلافت چونکہ کل امور دنیا و دین میں سلطنت اور حکومت کا نام ہے لہذا اس میں بہت سے ان علوم اور شرائط کی احتیاج ہے جن سے کوئی بھی حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان میں پائی نہیں جاتی تھی پس خلافت کو نماز کی امامت پر کسی طرح قیاس نہیں کر سکتے۔ اور یہ جو بعض حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ نماز امور دین سے ہے

وغیرہا میں مذکور ہے اور ابن مسعود نے کہا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو انصار نے مہاجرین سے کہا کہ ایک خلیفہ ہم لوگوں سے مقرر ہو اور ایک خلیفہ تم لوگوں سے رہے۔ وہ یہ کہتے ہی تھے کہ حضرت عمر اس موقع پر پہونچے اور ان لوگوں سے کہا کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو نماز جماعت پڑھائیں، تو تم لوگوں میں کون شخص اپنے کو ابوبکر کے آگے کریگا۔ یہ حدیث حسن ہے جس کو امام احمد اور دارقطنی نے اخراج کیا ہے۔ ابن ہمام کا قول تمام ہوا اگرچہ جیسی مہمل تقریر ہے واضح ہے"۔ ۱۲

اور خلافت امور دنیا سے ۔ تو محض غلط اور بالکل باطل ہے اسلئے کہ انھیں حضرات کے علمار محققین نے خلافت کی تعریف اسکے خلاف کی ہے چنانچہ مشہور محقق و علامہ اہلسنت قوشجی نے شرح تجرید میں خلافت کی تعریف اس طرح کی ہے الامامۃ ھی الحکومۃ العامۃ فی الدین والدنیا یعنی دین اور دنیا دونوں ہی کی عام حکومت کا نام خلافت اور امامت ہے اور ظاہر ہے کہ واقعا خلافت کی تعریف یہی ہے ۔ رہا حضرت ابو بکر کے نماز پڑھانے کا قصہ تو درحقیقت یہ بھی قصہ ہی قصہ ہے واقعیت سے اسکو کوئی تعلق نہیں کیونکہ شیعہ اس واقعہ کو بالکل غلط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض کی حالت میں لوگوں کو حکم دیا کہ خود ہی نماز پڑھ لیں مگر حضرت ابو بکر کی صاحبزادی جناب عائشہ نے خود بلال موذن سے کہدیا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ حضرت ابو بکر مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھا دیں چنانچہ حضرت ابو بکر پڑھانے لگے ۔ مگر جب جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ کو اس کی خبر ہوئی تو (آپ کو اس درجہ ناگوار ہوا کہ) اس واقعہ سے جو فساد ہونیوالا تھا اوسے روکنے کیلئے حضرت اپنے اس شدت مرض میں اپنے ایک دست مبارک کو حضرت علی کے شانے پر اور دوسرے ہاتھ کو حضرت عباس کے شانے پر رکھ کر دولت خانہ سے مسجد میں نکل آئے اور ابو بکر کو محراب مسجد سے ہٹا دیا اور خود وہاں مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھا دی اس خیال سے کہ اگر ابو بکر نماز پڑھاوینگے تو ان کے ہوا خواہ اسی پیش نمازی سے اسلام میں بڑے بڑے فساد کھڑے کر دینگے اور دین و ایمان میں بہت سے خلل پیدا ہو جائینگے چنانچہ شیعوں کے اس دعوی کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عروہ سے اسمیں اسطرح منقول ہے[1] فوجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نفسہ خفۃ فخرج

---

[1] اس مضمون کی اور روایتیں بھی اسی صحیح بخاری میں موجود ہیں چنانچہ ایک روایت یہ ہے جو کتاب الاذان باب من قام الی جنب الامام لعلۃ (صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۰) میں مرقوم ہے اخبرنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہما قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا بکر ان یصلی بالناس فی مرضہ فکان یصلی بھم قال عروۃ فوجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہ خفۃ فخرج فاذا ابو بکر یؤم الناس فلما راٰہ ابو بکر استاخر فاشار الیہ ان کما انت فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حذاء ابی بکر الی جنبہ فکان ابو بکر یصلی بصلاۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

الی المحراب فکان ابوبکر یصلی بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ یعنی حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مزاج میں کچھ افاقہ پایا تو نکلکر مسجد کے محراب کے پاس تشریف لائے (اور ابوبکر کے آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھانے لگے) تو ابوبکر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے اور دوسرے کل مسلمان حضرت ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔ اور فاضل محقق و متکلم مدقق علامہ سید شریف جرجانی بھی اپنی کتاب شرح مواقف میں حضرات اہلسنت

والناس یصلون بصلاۃ ابی بکر یعنی ہم سے ہشام نے حدیث بیان کی اس نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو حکم دیا کہ آپ کی بیماری کے زمانہ میں مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھا دیں۔ پس ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مزاج میں کچھ افاقہ پایا تو خانہ مبارک سے باہر تشریف لائے مسجد میں آئے تو ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ جب حضرت ابوبکر نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو پیچھے ہٹے مگر حضرت رسول خدا صلعم نے اشارے سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر قایم رہو پھر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے مقابل ان کے بغل میں بیٹھ گئے (اور نماز پڑھنے لگے) تو حضرت ابوبکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے اور باقی سب لوگ حضرت ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے انتہی۔ اگر اسی روایت کے الفاظ غور اور انصاف سے دیکھے جائیں تو حضرت ابوبکر کی پیشنمازی کا واقعہ بالکل من گھڑت اور سرتاپا غلط اور باطل ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ شروع میں تو یہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں پھر آپ کو افاقہ ہوا تو مسجد میں تشریف لائے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت صلعم خود ہی ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دے چکے تھے تو ذرہ برابر افاقہ ہوتے ہی آپ نے یہ زحمت شاقہ کیوں اختیار کی کہ بستر علالت کو چھوڑا۔ کمرے سے نکلے۔ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں پہونچے۔ آخر حضرت کو کس امر نے اسقدر بے چین کر دیا کہ آپ اپنی علالت میں صبر نہ کر سکے اور مسجد میں چلے آئے۔ اگر حضرت کو خود نماز پڑھنی تھی تو وہیں پڑھ لی ہوتی یا اسقدر انتظار کرتے کہ ابوبکر نماز سے فارغ ہو جائیں۔ اور حضرت مسجد میں تشریف لیگئے تو اس میں بھی کسی گوشہ میں بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ کسی کنارے نہیں بیٹھے بلکہ مسلمانوں کے آگے پہونچگئے اور ابوبکر کے بغل میں بیٹھ کر

کی عقل مندی اور فہم وادراک پر خوب ہنسے اور ان کا اچھا مضحکہ اڑایا ہے چنانچہ انھوں نے بھی پیشنمازی حضرت ابوبکر کی اس روایت کو ذکر کیا ہے مگر جب دیکھا کہ یہ روایت تو اس اصل کے خلاف ہے جسکو علمائے اہلسنت نے حضرت ابوبکر کی خلافت کیلئے وضع کیا ہے

نماز پڑھی آخر اس اہتمام پر حضرت کیوں مجبور ہوئے۔ بلکہ عام قاعدہ ہے کہ جس جگہ نماز جماعت ہوتی ہو وہاں آخری صف میں کھڑے ہو جانا چاہیئے اور صف کے آگے سے گزرنا مناسب نہیں ہے مگر جناب رسالتمآب صلعم ان سب باتوں کا خیال ترک کرکے مسلمانوں کے آگے جاتے اور وہیں بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس سے زیادہ شبہہ پیدا کرنے والا جملہ یہ ہے کہ حضرت مسجد میں تشریف لائے تو فاذا ابوبکر یوم الناس یعنی ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ یہ لفظ اذا فلان اس مقام پر استعمال کرتے ہیں جہاں پہلے سے اس امر کا خیال نہ ہو اور دفعۃً وہ بات پیدا ہو جائے جیسے کہیں خرجت فاذا حیۃ علی الباب یعنی میں مکان سے نکلا تو ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر سانپ موجود ہے۔ اسیطرح اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ناگاہ ابوبکر کو نماز پڑھاتے دیکھا یعنی پہلے سے آپ کو نہ اس کا علم تھا نہ اس کا خیال تھا کہ ابوبکر ایسا کرینگے۔ پس حضرت عائشہ کے قول کے مطابق اگر خود جناب رسالتمآب صلعم ہی نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا تو انھیں نماز پڑھاتے دیکھ کر آنحضرت صلعم کو تعجب کیوں ہوا جسکو فاذا ابوبکر یوم الناس سے تعبیر کیا گیا؟ پھر یہ بھی بے جوڑ سی بات ہے کہ ابوبکر تو حضرت رسولخدا صلعم کی اقتدار میں نماز پڑھتے تھے اور تمام مسلمان حضرت ابوبکر کی اقتدا میں پڑھتے تھے جب آنحضرت صلعم مسلمانوں کے آگے آکر بیٹھ گئے۔ اور نماز پڑھنے لگے تو مسلمانوں نے بھی آنحضرت ہی کی اقتدا کیوں نہیں کی۔ کیا یہ حیرت خیز امر نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کے رہتے ہوئے ابوبکر تو آنحضرتؐ کی ہی اقتدار کریں مگر مسلمان حضرت ابوبکر کی اقتدار کریں۔ غرض تمام امور کو بلانے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا بلکہ یا حضرت عائشہ نے یہ تدبیر کی یا خود حضرت ابوبکر مسجد میں آکر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے اور جب آنحضرت صلعم کو اس کا شبہہ ہوا کہ مسجد میں کوئی شخص مسلمانوں کو نماز پڑھا رہا ہے تو حضرت گھبرائے ہوئے اسی مرض میں باہر نکلے اور مسجد میں تشریف لائے کہ دیکھیں کون شخص ایسی جرأت کر رہا ہے وہاں ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ہیں جو اپنے کو اس درجہ فرمانبردار و مطیع جناب رسالتمآب صلعم ظاہر کرتے تھے یہ دیکھ کر جناب رسالتمآب صلعم نے مسلمانوں کی نماز خراب نہیں ہونے دی بلکہ صفوں کے آگے تشریف لائے

اور اس قصہ کے خلاف ہے جسکو اپنے مذہب کی حقیت کیلئے اختراع کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے لوگوں کو نماز جماعت پڑھائی پھر اس روایت کا کیا کہنا جسمیں یہ تک افترا کردیا گیا ہے

اور چونکہ حضرت ابو بکر بالکل محراب سے ملے ہوئے کھڑے تھے اسوجہ سے جناب رسالتماب صلعم کو ان سے بھی آگے بیٹھنے کی جگہ نہیں ملی پس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر کے بغل ہی میں بیٹھ گئے اور خود مسلمانوں کو نماز پڑھائی اور اس طرح ان سب کی نماز خراب ہونے سے بچادی۔ حضرت رسالتماب صلعم کی دوراندیشی کی کوئی حد بیان نہیں ہوسکتی کہ ایک خفیف امر جس سے بعد میں بکثرت فسادات پیدا ہونیوالے تھے اپنی زندگی میں حضرت نے نہ ہونے دیا اور آپ مسجد میں خود تشریف لاکر اور مسلمانوں کو نماز پڑھا کر تاریخ اسلام کے عظیم الشان اختلاف خلافت کا فیصلہ کرکے تمام مسلمانوں کو گویا یہ اطلاع دیگئے کہ اے میری امت کے لوگو! ذرہ برابر تو غور کرو جب میں نے اپنی جگہ ایک وقت کی نماز پڑھانے کے لائق بھی ابو بکر کو نہیں سمجھا تو اپنے بعد ان کو خلافت کے قابل کیونکر سمجھ سکتا ہوں اور جب ان کی اقتدا میں مسلمانوں کی ایک وقت کی نماز تک کو بھی میں نے صحیح نہیں قرار دی تو پھر اتنے مسلمانوں کی عمر بھر کی بیعت کیونکر جایز رکھ سکتا ہوں۔

پس بہر صورت یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب رسالتماب صلعم نے حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ یا حضرت عائشہ نے حکم دیا اور لوگوں نے غلطی سے اُسے آنحضرت صلعم کا حکم سمجھا یا خود حضرت ابو بکر بغیر استمزاج جناب رسالتماب صلعم کے مسجد میں چلے آئے اور نماز پڑھانے کو کھڑے ہوگئے کیونکہ احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اکثر بغیر اجازت آنحضرت صلعم کے نماز پڑھانے کو کھڑے ہوجاتے تھے چنانچہ صحیح بخاری (مع فتح الباری) مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۳۱۱ میں ہے عن سہل بن سعد الساعدی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہب الی بنی عمرو بن عوف لیصلح بینہم فحانت الصلوٰۃ فجاء المؤذن الی ابی بکر فقال اتصلی للناس فاقیم قال نعم فصلی ابوبکر فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس فی الصلوٰۃ فتخلص حتی وقف فی الصف فصفق الناس وکان ابوبکر لا یلتفت فی صلوتہ فلما اکثر الناس التصفیق التفت فرای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی سہل بن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں ان لوگوں کے درمیان صلح کرانے تشریف لیگئے اتنے میں نماز کا وقت آگیا تو موذن نے حضرت ابو بکر سے آکر دریافت کیا کہ کیا آپ نماز پڑھائینگا تاکہ میں اقامت کہوں انھوں نے کہدیا کہ ہاں پس حضرت ابو بکر نماز پڑھانے کو کھڑے ہوگئے اس اثنا

کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں آکر حضرت ابوبکر ہی کے پیچھے نماز پڑھ لی کہ یہ روایت تو عروہ والی روایت سے اور بھی زیادہ مخالف ہے۔ پس (سید شریف جرجانی نے) اُس روایت کی یہ تاویل کی کہ وہ کسی دوسرے وقت کا واقعہ ہے (یعنی آنحضرت صلعم نے مسجد میں آکر جو خود نماز پڑھائی وہ بیماری کے زمانہ کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ کسی اور وقت کا ہوگا) مگر اس تاویل میں جو خرابیاں ہیں وہ واضح ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہونچ گئے اور دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت صف میں آکر کھڑے ہوگئے۔ یہ دیکھکر مسلمانوں نے تالی بجا بجا کر حضرت ابوبکر کو متوجہ کرنا چاہا مگر وہ نماز پڑھاتے ہی چلے جاتے اور متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں نے بہت زیادہ تالیاں بجائیں تو متوجہ ہوئے دیکھا کہ جناب رسالتمآب صلعم تشریف فرما ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ موذن اور حضرت ابوبکر میں کوئی خاص انتظام تھا جس سے اُس نے بغیر اجازت آنحضرت صلعم کے حضرت ابوبکر سے آکر دریافت کرلیا اور آپ کو نماز پڑھانے کی ایسی خواہش تھی کہ بغیر آنحضرت صلعم سے دریافت کیے اور اجازت لیے ہوئے امامت کرنے کھڑے ہوگئے۔ مگر اس دفعہ بھی انجام یہی ہوا کہ حضرت کو دخل دینا پڑا اور جناب ابوبکر پیش نمازی کی حالت میں نماز تمام کرنے سے محروم ہی رہے چنانچہ روایت کا آخری حصہ یہ ہے۔ ثم استاخر ابوبکر حتی استوی فی الصف و تقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی۔ یعنی آخر حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنا پڑا یہان تک کہ ماموین کی صف میں آگئے اور جناب رسالتمآب صلعم آگے بڑھے اور مسلمانوں کو نماز پڑھائی نیز اسی جلد کے صفحہ ۳ ۴۴ میں یہ روایت ہے۔ ان بنی عمرو بن عوف کان بینہم شیٔ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلح بینہم فی اناس معہ فحبس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحانت الصلوۃ فجاء بلال الی ابی بکر رضی اللہ عنہ فقال یا ابا بکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد حبس و قد حانت الصلوۃ فھل لک ان تؤم الناس۔ فقال نعم ان شئت۔ فاقام بلال و تقدم ابوبکر فکبر للناس وجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی فی الصفوف حتی قام فی الصف فاخذ الناس فی التصفیق وکان ابوبکر لا یلتفت فی صلاتہ فلما اکثر الناس التفت فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا بھی تقریبًا وہی مطلب ہے جو سابق حدیث کا بیان ہوا کہ حضرت ابوبکر بغیر جناب رسالتمآب صلعم کی اجازت کے نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے۔ آخر آنحضرت صلعم تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنا پڑا اور جناب رسالتمآب صلعم ہی نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی ۱۲ مترجم

سال ۹ ۔ حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر کرنے کی حدیث اگر صحیح ہوتی جیسا کہ ان لوگوں کا زعم فاسد ہے اور پھر وہ حضرت ابو بکر کی امامت اور خلافت کی دلیل ہوتی تو چاہیے

(۱) مختصر یہ کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ بلال موذن کو آنحضرت صلعم کا یہ حکم کہ ابو بکر سے کہدو وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ خود آنحضرت صلعم کی زبان سے نہیں پہونچا بلکہ کسی اور شخص نے پہونچایا کیونکہ کسی طرح یہ ثابت نہیں ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے بلال سے بالمشافہ فرمایا ہو کہ اے بلال ابو بکر سے کہدو کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھا دیں یا لوگوں سے کہدو کہ وہ ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھ لیں بلکہ کسی شخص کے واسطہ ہی سے کہلایا ہوگا اس لیے کہ اُس شدت مرض میں جب آنحضرت صلعم اپنی حالت میں مبتلا تھے اور حضرت عایشہ آپ کے پاس موجود تھیں بلال خود تو آنحضرت صلعم کے پاس آ نہیں سکتے تھے نہ آنحضرتؐ اُن کو اپنے پاس بلا سکتے تھے لامحالہ کسی کے ذریعہ سے وہ حکم پہونچایا ہوگا تو یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس واسطہ یا اس ذریعہ نے بلال سے جھوٹ اور غلط نہیں کہا اور آنحضرت صلعم نے اس شخص سے ضرور ہی فرمایا۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ کسی نے اپنے طور پر بلال سے کہدیا ہو کہ آنحضرت صلعم تم سے یہ فرماتے ہیں اور درحقیقت آنحضرتؐ نے اس کے متعلق کچھ بھی نہ فرمایا ہو اور معلوم ہے کہ آنحضرت کے پاس جو لوگ جمع تھے وہ سب معصوم نہیں تھے تو اُن کا جھوٹ بولنا اور آنحضرت کی جانب سے غلط پیغام پہونچا دینا ممکن تھا۔ پس جب اُس شخص کے جھوٹ کا احتمال موجود ہے تو اس روایت سے شیعوں پر کوئی حجت نہیں قائم ہو سکتی اس لیے کہ بلال سے جو کہا گیا تو نہ اس کا حکم ہی آنحضرت صلعم نے بلال کو دیا اور نہ اس کا علم ہی آپ کو ہوا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے اس واقعہ سے بالکل ناواقف ہونے پر یہ واضح دلیل ہے کہ آپ خود اُسی وقت دولت سرا سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے اور ابو بکر کو اس جگہ سے ہٹا دیا۔ اور خود نماز پڑھانے لگے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ نیز اگر حضرت رسالتمآب صلعم ہی نے ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہوتا (جیسا کہ ان لوگوں کا زعم فاسد ہے) تو آنحضرت صلعم کا اُسی وقت لمبے اس شدت ضعف و کمال مرض میں مکان سے نکل کر مسجد میں چلا آنا اور ابو بکر کو مصلے پر سے ہٹا دینا اور خود ہی نماز پڑھانے لگنا۔ باوجودیکہ اس کے قبل خود ہی ان کو نماز پڑھانے کا حکم دے چکے تھے۔ صاف صاف مناقضہ ہے (یعنی جو حکم دیا ہے فوراً ہی اُس کے خلاف کرنا) جو ایسی ذات کے شایان کسی طرح نہیں ہو سکتا جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی یعنی یہ پیرے رسول اپنی خواہش سے کوئی کلام نہیں کرتے ہیں بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ صرف وحی ہوتی ہے

کہ یہ حدیث خلافت حضرت ابوبکر بجناب رسالتمآب صلعم کی نص ہو۔ اور جب اُن کی خلافت پر آنحضرت صلعم نے نص ہی فرما دی تھی تو پھر آپ کی خلافت ثابت کرنے کے لیے دوسری دلیلوں کی

(بقیہ صفحہ ۹) جو ہماری طرف سے اُن پر اقرار کی جاتی ہے۔ اور اگر حضرات اہلسنت ان اعتراضات کو نہ تسلیم کرین تو خیر ہم اُن کے دعوون کو تسلیم کیے لیتے ہین۔ مگر اب دوسری خرابی پیدا ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم کا اسی حالت مین نکل آنا اور مسجد کے اندر جا کر حضرت ابوبکر کو اس پیشنمازی سے معزول کر دینا ثابت کرتا ہے کہ وہ پیشنمازی کے لائق نہین تھے یعنی اگر آنحضرت صلعم نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا بھی تھا تو پھر خود آ کر اور انھین اس جگہ سے ہٹا کر اپنے حکم کو منسوخ فرما دیا (جس طرح خدا نے بھی قرآن مجید مین کئی حکم دیے تھے، اور پھر ان کو منسوخ کر دیا) تو جس امر کو خود آنحضرت صلعم نے اپنی ذات سے منسوخ فرما دیا ہو وہ اُس کے ثبوت پر دلیل کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہم کہین گے کہ آپ کے دعوے کے مطابق اگر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کو پیش نمازی کے لیے کہا بھی تو پھر فوراً ہی اس سے معزول کر دینا اس امر کو بتاتا ہے کہ حضرت نے اس سے مسلمانون کو عملی طریقہ پر سمجھا دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ ابوبکر اس قابل بھی نہین ہین کہ کوئی اُن کے پیچھے نماز پڑھے۔ ورنہ اجازت دے کر ہٹا دینے کا معنی کیا ہے؟ اور آنحضرت صلعم نے اپنی اس خوش نما تدبیر سے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت ابوبکر کسی کام مین بھی مسلمانون کے آگے رہنے اور اُن کے پیشوا بننے کے قابل نہین ہین کیونکہ حضرات اہلسنت تو فاسق و فاجر تک کو پیش نمازی کے لائق سمجھتے ہین باوجود اس کے آنحضرت صلعم نے ابوبکر کو اس سے روک دیا تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر، مسلمان فاسق و فاجر کے برابر بھی نہین تھے۔ تو جو شخص پیش نمازی تک کے لائق نہ سمجھا جائے اس کا مسلمانون کا امام اور خلیفہ بن جانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور کیونکر جائز ہے کہ وہ دنیا بھر کا سردار اور حاکم سمجھ لیا جائے۔ پس اگر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا تو اسکی غرض صرف یہ تھی کہ تمام مسلمانون کے سامنے ان کو اس فضیلت سے روک کر دکھا دین کہ وہ اس قابل بھی نہین ہین تاکہ مسلمانون پر اتمام حجت فرما دین اور آخرت مین پھر اُن سے مواخذہ فرما سکین کہ جس شخص کو مین نے تم لوگون کی پیش نمازی تک کے قابل نہین سمجھا اس کو تم نے اپنا امام اور خلیفہ کس دلیل سے بنا لیا تھا۔ بہر کیف آنحضرت صلعم کا ابوبکر کو نماز کا حکم دے کر پھر اُس سے روک دینا ایسا ہی ہے جیسا سورۂ برائت پہونچانے کے لیے ان کو پہلے بھیجا اور پھر معزول کر دیا تاکہ سب جان لین یہ اس قابل نہین ہین یا جیسے جنگ خیبر مین پہلے ان کو علم دے کر بھیجا جو صرف یہ دکھانے کیلیے تھا کہ یہ اسکے فتح کرنے سے عاجز ہین ساتھ ہی

آخر کیون بگڑی جاتی ہے اور جب سقیفہ بنی ساعدہ مین خلافت کا جھگڑا قائم ہوا تھا تو حضرت ابوبکر یا صاحبان سقیفہ نے آنحضرت کے اسی فعل یا اسی نص کو خلافت و امامت ابوبکر کی دلیل مین کیون نہ پیش کیا اور کیون نہ اس واضح دلیل سے انصار کو خاموش کر دیا کہ تم جس خلافت کے متعلق نزاع کر رہے ہو اس کے متعلق تو جناب رسولخدا صلعم کی نص ابوبکر کے لیے موجود ہے؟ اور ان کی خلافت کو بیعت سے کیون ثابت کرنا چاہتے ہین جس مین مسلمانون نے شدت سے اختلاف بھی کیا اور تلوارین تک کھنچ گئین اور نص مذکور سے حجت پیش کرنے کی جرأت کسی کو بھی نہین ہو سکی حالانکہ یہ واضح ہے کہ آسان اور قوی دلیل کے رہتے ہوئے انسان دشوار اور مشکل امر کو نہین اختیار کرتا ہے مگر اسی وقت جب وہ دلیل بے جان ہو اور اس کا پیش کرنا محض ابیکار سمجھا جائے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کی حدیث یقیناً غلط ہے اور انکی خلافت پر کسی طرح حجت اور دلیل نہین ہو سکتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امامت اور خلافت اصول دین سے ہے۔ اسی وجہ سے اسکا ذکر اصول دین ہی مین کیا جاتا ہے چنانچہ اس کے اصول دین سے ہونے کی بحث پوری تفصیل سے اوپر گذر چکی تو اگر ہم قیاس صحیح کے تحقق کو مان بھی لین جب بھی اس کو قیاس سے ثابت کرنا صحیح نہین ہو سکتا اس لیے کہ قیاس فقہی صرف فروع دین مین جاری ہوتا ہے نہ اصول دین مین جیسا کہ پوشیدہ نہین ہے۔ اور یہ جو کتاب مواقف مین لکھا ہے کہ امامت اور خلافت اصول دین سے نہین ہے تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ (امامت) نبوت کے ہم پلہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور جس طرح فروع دین اور مسائل فقہیہ مین مجتہد کا گمان کافی ہوتا ہے اگر اسیطرح مسئلہ امامت مین بھی کافی ہو تو جو مجتہد اپنے اجتہاد سے یہ گمان کرے کہ حضرت ابوبکر خلیفہ نہین تھے چاہیئے کہ اس کے اس گمان کو بھی غلط نہ کہا جائے۔ اور اس کے اس اجتہاد کو باطل نہ سمجھا جائے اور اس مجتہد کی تقلید دوسرے مسلمانون کے لیے جائز ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھی یہ کہے کہ "میرا گمان یہ ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفہ اول نہین تھے بلکہ حضرت علی تھے" یا یہ کہے "کہ فلان مجتہد کی تقلید کر کے ہم یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ حضرت ابوبکر کی خلافت باطل تھی اور خلافت کا حق حضرت علیؑ ہی کا تھا" تو سب حضرات اہلسنت اس شخص کی عداوت پر کمر بستہ ہو جائین گے بلکہ اس کے قتل و غارت کی کوشش کرین گے۔

نیز استخلاف (کسی شخص کا کسی کو اپنی جگہ خلیفہ مقرر کرنا) ہمیشگی کو مقتضی نہین ہوتا اسلیے کہ وہ (خلافت) اگر فعل سے ثابت ہوئی ہے تو فعل کسی طرح تکرار اور ہمیشگی پر دلالت نہین کرتا اور اگر وہ (خلافت) قول سے ثابت ہوئی ہے جب بھی یہی بات ہے۔ ایسا کیون نہ ہو

حالانکہ عادت یوہین جاری ہوئی ہے کہ جس شخص نے کسی کو خلیفہ کیا ہے جب تک وہ شخص
غائب رہے گا اس وقت تک تو یہ خلیفہ اس کا قائم مقام سمجھا جائے گا اور جب وہ آجائے گا۔
اس وقت یہ معزول اور خود بخود اس جانشینی اور قائم مقامی سے ساقط ہو جائے گا (پس اگر فرض
بھی کرلین کہ جناب رسالتمآب صلعم نے اپنے مرض کی حالت مین ابوبکر کو اپنا قائم مقام بناکر نماز
پڑھانے کا حکم دیا تو جب آنحضرت صلعم مسجد مین آگئے اس وقت حضرت ابوبکر کی قائم مقامی
رخصت ہوگئی۔ لہذا اس سے آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد بھی ان کو حضرت کا خلیفہ ماننا
کس عقل سے ہے) علاوہ برین حضرت ابوبکر کا جناب رسالتمآب صلعم کی زندگی مین آپ کا خلیفہ
مقرر ہونا اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ یہ معارض (گویا مخالف) ہے جناب امیرالمومنین کی خلافت
سے کیونکہ جناب رسالتمآب صلعم نے اپنی وفات سے بہت پہلے غزوۂ تبوک مین تشریف لیجاتے
وقت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مدینہ مین مقرر کر دیا تھا (جناب رسالتمآب صلعم کا مرض الموت صفر ۱۱ھ
مین تھا اور غزوۂ تبوک رجب ۹ھ ہجری مین ہوا) اور پھر حضرت کو معزول بھی نہین کیا پس جب
حضرت علیؑ جناب رسالتمآب صلعم کے خلیفہ شہر مدینہ مین ہوئے تو امت اسلام کے بقیہ کل کامون مین
بھی ہوئے کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہین ہے کہ جو شخص آنحضرت کا خلیفہ مدینہ مین ہوگا وہ
باقی امور مین نہین ہوگا تو اس مقام پر بھی ترجیح شیعون ہی کے دعوے کو ہے اس لیے کہ
آنحضرت صلعم کا حضرت علیؑ کو مدینہ مین اپنا خلیفہ مقرر کر جانا امامت کبری اور (آنحضرت صلعم
کے انتقال کے بعد آپ کی) خلافت سے زیادہ قریب ہے کیونکہ حضرت علیؑ کا مدینہ مین آنحضرت
کی قائم مقامی کرنا امور دین و دنیا دونون کو شامل تھا۔ برخلاف نماز پڑھا دینے کی قائم مقامی
کے کہ اس مین نماز کے سوا کسی بات کی بھی قائم مقامی نہین ہے حالانکہ نماز پڑھا دینا تو (ان
حضرات کے یہان) ہر فاجر و فاسق کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

اور اگر ان تمام خرابیون سے چشم پوشی کر کے حضرات اہلسنت کے دعوون کو تسلیم کر لیا
جائے جب بھی ہم کہین گے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر کل کی کل امت کا اجماع تو کسی وقت
بھی منعقد نہین ہوا اور یہ بالکل واضح ہے کسی دلیل کا محتاج نہین۔ قطع نظر اس سے کہ اہلبیت
بلکہ تمام بنی ہاشم اور طبقہ انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور ان کی اولاد و اصحاب تو انکی بیعت
کے وقت موجود تک نہین تھے۔ اسی وجہ سے تو صاحب کتاب المواقف نے حضرت ابوبکر
کی خلافت کو اجماع سے ثابت کرنے کی کوشش ہی ترک کر دی اور اس کو صرف لوگون کی بیعت

سے ثابت کرلینا کافی سمجھ لیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ فاضل مخاطب اور ان کے ہم مذہب یہ جو بار بار کہتے ہین کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع واقع ہوا تھا اگر ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم کے بعد فوراً ہی بغیر کسی ایک منٹ کے توقف کے بھی یا تھوڑی دیر مین حضرت ابوبکر کی خلافت پر مسلمانون کا اجماع اور اتفاق ہوگیا تھا تو کل مسلمانون کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ دعوے یقیناً غلط اور باطل ہے۔ اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ طولانی مدت کے بعد یہ اجماع ہوا تھا تو اولاً یہ اس اصول کے مخالف ہے جو حقیقۃ اجمال مین معتبر ہے کہ اس اجماع کو ایک ہی وقت مین منعقد ہونا چاہیے جیسا کہ اوپر گذرا اور ثانیاً اس پر کوئی دلیل بھی نہین ہی کہ کچھ مدت کے بعد بھی ان کی بیعت پر اجماع ہوگیا تھا ثالثاً یہ کہ اس سے حضرت ابوبکر کی خلافت اس وقت تک حق نہین ثابت ہوسکتی جب تک یہ طے نہ ہوجائے کہ باقی مسلمانون نے بھی خوشی سے انکی بیعت کرلی تھی۔ مگر جب حالت یہ ہو کہ کچھ لوگون نے تو زبردستی کی ہو اور کچھ لوگ ڈرے ہون اور اس بیعت مین اکثر حضرات خوف اور مجبوری سے شریک ہوئے ہون تو وہ خلافت نہ ہمارے لیے حجت قرار پاسکتی ہے نہ فی نفسہ صحیح اور جائز ہوگی۔ اور اس مین کوئی شک نہین ہوسکتا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ایسی ہی تھی کیونکہ خاندان بنی ہاشم نے جو عرب کا بہت بڑا اور معزز قبیلہ تھا شروع مین عرصہ تک حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہی نہین پھر جب اس کو بہت مجبور کیا گیا تو چھ مہینہ کے بعد (حضرات اہلسنت کے قول کے مطابق) بکراہت بیعت کرلی مگر حضرت علی علیہ السلام اپنے انکار پر قائم رہے اور اپنے دولت خانہ مین گوشہ نشین ہوگئے اور ان لوگون کے یہان نہ تو نماز جمعہ مین تشریف لیجاتے تھے نہ نماز جماعت یومیہ مین۔ یہان تک کہ آپ پر وہ مظالم واقع کیے گئے جن کو علمائے علم حدیث وفن تاریخ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور جو مثل آفتاب کے روشن ہین۔ یہان تک کہ معویہ نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے پاس ایک خط بھیجا جس مین حضرت کو انھین مظالم اور بے رحمیون کا طعنہ دیتے ہوئے لکھا کہ انک تقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتی تبایع۔ یعنی تم ابوبکر کی بیعت کرنے کے لیے اس طرح کھینچے جاتے تھے جس طرح وہ اونٹ کھینچا جاتا ہے جس کی ناک مین نکیل ڈال دی گئی ہو جس سے اس نے حضرت پر طعن و تشنیع کی ہے کہ اے علی تم نے ابوبکر کی خوشی سے بیعت نہین کی اور اُن کی بیعت پر راضی نہین ہوئے یہان تک کہ انھون نے تمکو اس پر مجبور کیا اور تم نے ذلیل وحقیر ہوکر ان کی بیعت کی جیسے وہ اونٹ جو بل وغیرہ کو عبد

نہین کرتا وہ مجبور کیا جاتا اور اذیت پہونچایا جاتا ہے اور نیزے سے کونچا جاتا ہے تاکہ اس پل یا اس مقام سے عبور کر جائے۔ تو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے معویہ کے اس طعن و تشنیع آمیز خط کا جو جواب لکھا وہ کتاب مستطاب نہج البلاغہ مین مذکور ہے اور حضرت علیہ السلام سے اس خط کی نقل متواتر طور پر پہونچی ہے اس مین حضرت تحریر فرماتے ہین "وقلت انی کنت اقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتی ابایع ولعمر اللہ لقد اردت ان تذم فمدحت۔ وان تفضح فافتضحت وما علی المسلم من غضاضۃ فی ان یکون مظلوما مالم یکن شاکا فی دینہ ولا مرتابا بیقینہ وھذہ حجتی الی غیرک قصدھا ولکنی اطلقت لک منھا بقدر ماسنح من ذکرھا [1] یعنی اے معویہ تو مجھ سے ازراہ طعن و تشنیع کہتا ہے کہ مین ابوبکر کی بیعت کے لیے اس طرح کھینچا جاتا تھا جس طرح وہ اونٹ کھینچا جاتا ہے جس کی ناک مین نکیل ڈالدی گئی ہو تاکہ مین ان کی بیعت کرلون تو قسم خدا کی تو نے جس بات سے میری مذمت کرنی چاہی ہے اس سے درحقیقت میری مدح اور فضیلت ثابت ہو گئی۔ اور تو نے کوشش کی کہ مجھے فضیحت کرے لیکن درحقیقت تیری ہی فضیحتی ہو گئی کیونکہ کسی مسلمان شخص پر ظلم و ستم کیا جائے اور وہ مظلوم ہو تو اس سے نہ اس کی ذلت ہے نہ یہ اُس کا کسی قسم کا عیب قرار پا سکتا ہے جب تک کہ وہ خود اپنے دین مین شک کرنے والا اور اپنے یقین مین شبہہ کرنے والا نہ ہو اور یہ میری (حقیت کی) دلیل اور حجت ہے جس سے اصلی مقصود تو وہ (خلفاء) ہین جو تیرے سوا ہین مگر مین نے اپنی اس حجت اور برہان کا تھوڑا حصہ تیرے لیے بھی بیان کر دیا اس قدر جو اس وقت ذہن مین آگیا انتہی۔ اور اس سے بھی واضح تر اور حضرت کی مظلومیت اور مجبوری کی پوری تصویر حضرت کا وہ کلام ہے جو خطبہ شقشقیہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ بھی اس کتاب نہج البلاغہ مین مذکور ہے اور یہ وہ خطبہ ہے جسے حضرت نے اُس وقت ارشاد فرمایا جب خلیفہ عثمان کے انتقال پر مسلمانون نے مجبور کر کے حضرت کو خلیفہ بنایا اور آپکی بیعت کی اور یہ خطبہ نہایت درجہ مشہور ہے جس کو مصنف (علامہ حلی) علیہ الرحمہ عنقریب اسی کتاب مین خود نقل کرین گے۔ اور علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ مین حضرت عمر کے فضائل و مناقب ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ان عمر ھو الذی

[1] کتاب نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۹ - ۱۲

وطی الامر لابی بکر وقام فیہ حتی انہ دفع فی صدر المقداد وکسر سیف الزبیر وکان قد شھرہ علیہم [۱] یعنی یہ حضرت عمر وہی ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکر کے لیے امر خلافت کو طے کردیا اور اس میں گھٹنے ٹیک دیئے یہاں تک کہ مقداد کے سینہ میں دھکا مارا اور زبیر کی اس تلوار کو توڑ کر پھینک دیا جسے انھوں نے ان لوگوں (ابوبکر وعمر وغیرہ) پر کھینچا تھا انتہیٰ [۲] تو یہ عبارتیں ان حضرات کی انتہائی درجے کے قہر وجبر اور ظلم وزبردستی کو ثابت کرتی ہیں جو طرفداران حضرت ابوبکر کی طرف سے ممدوح کی خلافت سے انکار کرنے والوں کے ساتھ برتی گئی۔ اور ان امور سے بھی واضح تر اور مخالفین پر باب انکار کو بالکل بند کردینے والی اور اس دعوے پر (کہ حضرت علی علیہ السّلام کو بالکل مجبور کرکے آپ سے بیعت لی گئی) مہر کردینے والی وہ روایت ہے جس کو امام المحدثین الحمیدی نے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی متفق علیہ حدیثوں سے چوتھی حدیث میں مسند ابوبکر سے ذکر کیا ہے جس میں وہ خود فرماتے ہیں کہ ومکثت فاطمۃ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ اشھر ثم توفیت قالت عایشۃ وکانت لعلی وجہ بین الناس فی حیوۃ فاطمۃ فلما توفیت فاطمۃ انصرفت وجوہ الناس عن علی یعنی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہ صرف چھ مہینہ تک زندہ رہیں پھر وفات پاگئیں اور حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت فاطمہ کی زندگی میں علیؑ کی بڑی قدر ومنزلت لوگوں کے درمیان تھی پھر جب فاطمہ انتقال کرگئیں تو لوگوں کے رخ علیؑ کی جانب سے پھر گئے۔ انتہیٰ۔ اور کتاب جامع الاصول میں ہے۔ قالت یعنی عایشۃ فکانت لعلی وجہ بین الناس فی حیوۃ فاطمہ فلما توفیت فاطمۃ انصرفت وجوہ الناس عن علی علیہ السلام ومکثت فاطمہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ اشھر فتوفیت فاطمہ فلما رای علی انصراف وجوہ الناس عنہ ضرع الی مصالحۃ ابی بکر وارسل الیہ ائتنا ولا تاتنا معک باحد وکرہ ان یاتیہ

---

[۱] شرح ابن ابی الحدید مطبوعہ ایران جلد اول صفحہ ۴۳ میں یہ عبارت کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ اس طرح چھپی ہے وعمر ھو الذی شید بیعۃ ابی بکر ووقم المخالفین فیہا فکسر سیف الزبیر لما جردہ ودفع فی صدر المقداد ووطی فی السقیفۃ سعد بن عبادۃ مگر مطلب دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ مترجم [۲] چنانچہ تاریخ ابو الفدا مطبوعہ مصر جلد اول میں بھی ہے وتخلف جماعۃ من بنی ھاشم والزبیر والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وغیرھم مالوا مع علی ابن ابیطالب یعنی بنی ہاشم کی ایک جماعت اور نیز زبیر اور مقداد بن عمرو اور سلمان فارسی اور ابوذر اور عمار بن یاسر اور براء بن عازب وغیرہم نے حضرت علی کے ساتھ میلان کرکے حضرت ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کشی کی ۱۲ مترجم۔

عمر لما علم من شدة عمر فقال عمر لا تأتهم وحدك فقال ابو بکر واللہ لا تینهم وحدی ما عسے ان تصنعوا الی فانطلق ابو بکر فدخل علی علی وقد جمع بنی هاشم عنده الحدیث ۔ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ فاطمہ کی زندگی مین علیؑ کی بڑی قدر و منزلت لوگون کے درمیان تھی پھر جب فاطمہؑ کا انتقال ہوگیا اور علیؑ نے لوگون کا رخ اپنے سے بالکل پھرا ہوا پایا تو حضرت ابو بکر سے صلح کرنے کی طرف مجبور اور پریشان ہوئے[۱۵] لہذا ان کے یہان پیغام بھیجا کہ اے ابو بکر میرے یہان آؤ مگر اپنے ساتھ اور کسی کو نہ لانا ۔ آپ کو برا معلوم ہوا کہ ابو بکر کے ساتھ عمر بھی وہان پہونچ جائین کیونکہ آپ کو عمر کی سخت مزاجی کا حال اچھی طرح معلوم تھا ۔ تو عمر نے ابو بکر سے کہا کہ خبردار وہان تنہا نہ جانا ۔ مگر ابو بکر نے جواب دیا خدا کی قسم مین تو تنہا ہی جاؤن گا تم لوگ میرے لیے کیا بنا لوگے ۔ تو ابو بکر تنہا گئے اور حضرت علی کے پاس پہونچے جہان بنی ہاشم بھی جمع تھے ۔

---

۱۵ اس مضمون کی حدیثین حضرات اہلسنت کی اکثر معتمد کتابون مین ہین چنانچہ تاریخ طبری مین ہے کہ عن الزهری عن عروة عن عائشة انها قالت کان لعلی وجه من الناس حیاة فاطمة فلما توفیت فاطمة انصرفت وجوه الناس عن علی ۔ یعنی زہری نے عروہ سے اس نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی تھین حضرت فاطمہ کی زندگی مین لوگون کے درمیان حضرت علیؑ کی بڑی قدر و منزلت تھی پھر جب آپ کا انتقال ہوگیا تو لوگون کے رخ حضرت علیؑ کی جانب سے پھر گئے ۔ اور صحیح بخاری مین ہے عن عائشة انها قالت کان لعلی من الناس وجه حیاة فاطمة فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس یعنی حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہ کی زندگی مین علیؑ کی بڑی عزت لوگون کے درمیان تھی پھر جب ان کا انتقال ہوگیا تو علیؑ نے لوگون کے چہرون کو اپنی جانب سے بالکل نا آشنا پایا ۔ اور تاریخ ابو الفدا و عقد فرید مین ہے عن عائشة قالت لم یبایع علی ابا بکر حتی ماتت فاطمة ۔ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ تا وقت وفات فاطمہ علیؑ نے ابو بکر کی بیعت نہین کی اور مروج الذہب مسعودی مین ہے لم یبایعه احد من بنی هاشم حتی ماتت فاطمة رضی اللہ عنها یعنی حضرت فاطمہ کی وفات تک بنی ہاشم سے کسی نے بھی ابو بکر کی بیعت نہین کی اور تاریخ کامل مین ہے قال الزهری بقی علی وبنو هاشم ستة اشهر لم یبایعوا ابا بکر حتی ماتت فاطمة یعنی زہری کا قول ہے کہ علی اور بنی ہاشم نے چھ ماہ تک ابو بکر کی بیعت نہین کی یہان تک کہ فاطمہ نے انتقال کیا اور تاریخ طبری مین ہے قال رجل للزهری افلم یبایع علی ابا بکر ستة اشهر قال لا ولا احد من بنی هاشم یعنی کسی نے زہری سے پوچھا کہ کیا حضرت علی نے چھ مہینہ تک حضرت ابو بکر کی بیعت نہین کی زہری نے کہا حضرت علیؑ پر کیا موقوف ہے بنی ہاشم سے کسی نے بھی چھ ماہ تک ابو بکر کی بیعت نہین کی ۱۲ ۔ مترجم

تاآخر حدیث۔ تو ہم نے جو ادپر بیان کیا کہ حضرت علی پر ان لوگون نے ظلم وستم کیا اور انھین بیعت کیلیے مقہور ومجبور کیا اس کا بکثرت ثبوت مذکورۂ بالا روایتون مین موجود ہے جیسا غور وفکر کرنے والے پر مخفی نہین رہ سکتا۔ اور واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر ایک جماعت کے ساتھ جس مین اسید بن الحصین اور سلمہ بن اسلم الاشہلی وغیرہ بھی تھے حضرت علیؑ کے یہان آئے اور حضرت سے کہا۔ اخرجوا اولنحرقنہا علیکم کہ تم سب اس گھر سے نکل آؤ ورنہ مین اسے تم لوگون پر جلادونگا اور ابن خزابہ نے اپنے غرر مین ذکر کیا ہے کہ زید بن اسلم کا قول ہے کہ مین بھی اُن لوگون مین تھا جو عمر کے ساتھ لکڑی لیکر فاطمہ کے دروازہ پر گئے تھے جب علیؑ اور اُن کے ساتھیون نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تھا تو عمر نے فاطمہ سے کہا گھر سے باہر نکل آ اور ان لوگون کو بھی نکال دے جو اس مین ہین ورنہ مین اس کو جلادونگا اور جو اس مین ہین انھین بھی جلا ڈالونگا اور اسوقت اس گھر مین علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور جناب رسالتمآب صلعم کے صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ تو فاطمہ نے عمر سے کہا فتحرق علی ولدی ارے کیا میرے بچّون کے ساتھ مجھے جلادوگے؟ فقال ای واللہ اولنخرجن ولیبایعن تو عمر نے کہا ہان خدا کی قسم ایسا ہی کرونگا ورنہ سب اس مین سے باہر نکل آئین اور ابوبکر کی بیعت کرلین [۱] تو اس قدر جو امور بیان کیے گئے ان سے ہمارا دعویٰ اچھی طرح ثابت

---

[۱] اس مضمون کی روایات بھی کتب اہلسنت مین کثرت سے ہین العقد الفرید مین ابن عبدربہ لکھتے ہین کہ جن لوگون نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا تھا وہ علیؑ اور عباس اور زبیر اور سعد بن عبادہ تھے جن مین سے حضرت علی اور عباس اور زبیر دولتسرائے جناب فاطمہ مین اقامت پذیر ہوئے حتی کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانۂ حضرت سیدہ مین ہین ان کو وہان رہنے نہ دین اور اگر وہ نکلنے سے انکار کرین تو ان کو بزور شمشیر نکالین۔ پس حضرت عمر آگ بھی گھر پھونکنے کے ارادے سے اپنے ہمراہ لےگئے۔ اسی اثنا مین حضرت فاطمہ ان کو راستہ مین مل گئین تو آپ نے پوچھا کہ اے خطاب کے ساحبزادے کیا ہمارا گھر پھونک دینے کو آئے ہو؟ حضرت عمر نے کہا کہ بیشک اسی ارادے سے آیا ہون ورنہ جو لوگ اس گھر مین ہین وہ چلکر ابوبکر کی بیعت کرلین۔ اور تاریخ ابوالفدا مین ہے کہ حضرت عمر آگ لیکر اس قصد سے آئے کہ حضرت فاطمہ کا گھر جلادین یہ معلوم کرکے جناب سیدہ نے کہا کہ اے پسر خطاب کیا اس غرض سے تم آئے ہو کہ میرے گھر مین آگ لگا دو؟ حضرت عمر نے کہا ہان ورنہ یہ لوگ جو اس گھر مین ہین ابوبکر کی بیعت کرنے والون مین داخل ہون اور تاریخ طبری مین ہے کہ حضرت عمر نے دولتسرائے حضرت علیؑ پر (جہان طلحہ وزبیر اور بعض اصحاب مہاجرین بھی تھے) پہونچکر ان لوگون

ہوگیا اور یہ کافی ہے۔ اور علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل مین اسی کے قریب نظام سے نقل کرکے ایک مضمون ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "علم منطق وعلم کلام وفلسفہ مین یہ بات طے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے کہا کہ خدا کی قسم مین تمھارے اس گھر مین آگ لگا دونگا ورنہ تم لوگ بیعت کے لیے باہر نکلو۔ اور کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری کی عبارت اصل کا نقل کرنا بھی مناسب ہے وہ لکھتے ہین مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۱۲ مین ان ابابکر رضی اللہ عنہ تفقد قوما تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجہہ فبعث الیھم عمر فجاء فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعا عمر بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن اولاحرقنہا علی من فیہا فقیل لہ یا اباحفص ان فیہا فاطمہ فقال وان فخرجوا فبایعوا الا علی (وفیہ) وقال علی انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی اخذتم ھذا الامر من الانصار واحتججتم علیھم بالقرابۃ من النبی وتاخذونہ من اھل البیت غصبا الستم زعمتم الانصار انکم اولی بھذا الامر منھم لما کان محمد صلعم منکم فانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا ومیتا فانصفونا ان کنتم تومنون باللہ وتخافونہ (الی ان قال) وقال علی یا معشر المہاجرین اللہ اللہ لا تخرجوا سلطان محمد صلعم فی العرب من دارہ وقعر بیتہ الی دورکم وقعور بیوتکم فوقفت فاطمۃ رضی اللہ عنہا علی بابہا وقالت ترکتم رسول اللہ صلعم جنازۃ بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم ولم تردوا لنا حقا۔ یعنی جب حضرت ابوبکر نے اُن لوگون کو جو حضرت علیؑ کے پاس تھے ان لوگون مین نہ پایا جنھون نے ان کی بیعت کرلی تھی تو حضرت عمر کو اُنکے بلانے کے لیے روانہ کیا۔ وہ سب حضرت علیؑ کے مکان مین موجود تھے اور اُن سب نے باہر نکلنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر نے آگ پھونکنے کی لکڑیان منگا کر کہا کہ باہر نکلو ورنہ خدا کی قسم جو لوگ اس گھر مین ہین ان سب کو آگ لگا کر جلا دونگا۔ لوگون نے حضرت عمر سے کہا تم کیا کہتے ہو یہ بھی خبر ہے کہ اس گھر مین حضرت رسولخدا صلعم کی صاحبزادی فاطمہ بھی ہین۔ حضرت عمر نے کہا ہان ہان جانتا ہون وہ بھی ہین مین اسے جلا دونگا وہ ہوا کرین۔ یہ سنتے ہی جو لوگ خانۂ جناب سیدہ مین تھے باہر نکل آئے اور سوا حضرت علیؑ کے (کہ وہ نہین گئے اور لوگ) حضرت ابوبکر کی بیعت کو روانہ ہوئے۔ حضرت علیؑ نے اُن لوگون سے مخاطب ہوکر جو آپ کے طلب کرنے کی غرض سے آئے تھے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین مین معاملہ خلافت مین تم لوگون سے ہر طرح زیادہ حق رکھتا ہون اور تمھارے لیے اولیٰ یہی ہے کہ میری بیعت کرو۔ ذرا انصاف کرو اور دیکھو تم نے انصار سے امر خلافت کو یہی دلیل پیش کرکے حاصل کیا ہے کہ بہ نسبت ان (انصار) کے تم لوگ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرابت رکھتے ہو اور اسی

ہوگئی ہے کہ اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جس مضمون یا دعوی مین کوئی احتمال ہوجائے گا
اس سے بحث اور استدلال کرنا باطل ہوجائے گا۔ پس حضرت ابوبکر کی بیعت مین بھی جو اجماع کا دعوی
کیا جاتا ہے تو (اول یہ اجماع ناقص ہے دوم یہ کہ) اس امر کا احتمال پیدا ہوگیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر
وغیرہما نے مسلمانون کو، ابوبکر کی بیعت پر مجبور کیا اور اس مین زور و قوت سے کام لیا یہ احتمال ہی نہین
ہے بلکہ ایسا واقع بھی ہوا لہذا یہ اجماع یقینا باطل ہے اور تم اُس امر کے متعلق سوا باطل ہونے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دلیل کی بنا پر تم نے حق خلافت کو غصب کیا ہے، پس جو حجت تم نے انصار پر پیش کی ہے کہ رسول اللہ
تمھارے ہی قوم سے تھے اس وجہ سے تم اُن سے قرابت رکھتے ہو۔ وہی حجت مین تمھارے آگے پیش کرکے کہتا ہون
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے میری قرابت ہر طرح تم لوگون سے اولی اور نزدیک تر ہے۔ آنحضرت
صلعم کی زندگی مین بھی اور اُن کی وفات کے بعد بھی۔ اب تم ہی انصاف سے فیصلہ کرو اگر خدا پر ایمان
رکھتے اور اس سے ڈرتے ہو۔ اے گروہ مہاجرین خدا کو یاد کرو اور جناب محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ کی
حجت کو اُن کے گھر سے خارج کرکے اپنے گھرون مین نہ لیجاؤ۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ نے گھر کے دروازے
پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ اے قوم تم نے رسول اللہ صلعم کی نعش مقدس کو ہمارے آگے بے غسل و کفن چھوڑ کر
معاملہ خلافت کو اپنی سازش سے طے کرلیا اور ہمارے حق پر کچھ بھی نظر نہین کی انتہے۔ غرض حضرت عمر کی آگ
لکڑی کو جناب سیدہ فاطمہ الزہرا صلوات اللہ و سلامہ علیہا کے دولت خانہ پر لانے کی روایت بکثرت علمائے
محققین اہلسنت نے اپنی کتابون مین لکھی ہے جن مین مورخ طبری، مسعودی، علامہ شہرستانی صاحب کتاب
الملل والنحل۔ شاہ ولی اللہ الدہلوی صاحب کتاب ازالۃ الخفا۔ علامہ ابن عبد البر صاحب کتاب
استیعاب۔ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی۔ صاحب کتاب تحفہ اثنا عشریہ۔ صاحب کتاب
حد تحقیق۔ حافظ عبد الرحمن صاحب امرتسری، صاحب کتاب المرتضی۔ شمس العلماء مولوی
شبلی صاحب نعمانی صاحب کتاب الفاروق۔ وغیرہم خصوصیت سے قابل ذکر ہین۔ بلکہ
علمائے نصاریٰ اور محققین یورپ نے بھی اس مہتم بالشان واقعہ کو اپنی کتابون مین تفصیل
سے لکھا ہے۔ جن مین مسٹر ڈیون پورٹ صاحب کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن۔ مسٹر
گبن صاحب کتاب ڈاؤن اینڈ فال آف دی رومن ایمپایر۔ ایرونگ۔ صاحب کتاب
لائف آف محمد۔ اوکلی صاحب کتاب ہسٹری آف سیراسنز وغیرہم ممتاز اصحاب
ہین ۱۲۔ مترجم۔

کے دوسرا گمان ہی کیا کرسکتے ہو جس مین مہاجرین کے سینون مین دستکے دیئے جائین اور ان کی تلوارین توڑ دی جائین - اور تلوارون کی دھارین مسلمانون کے سرون پر کھینچ لی جائین اور سادات و شرفا کے گھرون مین آگ لگانے کا ارادہ اور کوشش کی جائے اور اسی طرح دوسرے بکثرت ظلم و جور کیے جائین اور کیونکہ یہ حرکتین ظلم اور جبر نہ کہی جائین گی - ہان جن کے دل اندھے ہوگئے ہون وہ خواہ کچھ کہین ۔ فانھا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور یعنی خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ درحقیقت آنکھین اندھی نہین ہوتی ہین بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہین جو سینون کے اندر ہین -

فاضل مخاطب کے جواب مین تیسری خرابی یہ ہے کہ اجماع کی تباہی اسی طرح باطل ہے جس طرح تثلیث کا عقیدہ باطل ہے چنانچہ آگے جو آیت اولی الارحام سے مضمون آئے گا وہ اس امر پر نص ہے کہ خلافت حضرت عباس و خلافت حضرت ابوبکر دونون باطل ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ اُسی مقام پر تفصیل سے بیان کرین گے - نیز فاضل مخاطب نے اپنے جواب مین حضرت عباس (عم رسولخدا صلعم) کے مستحق خلافت ہونے کا جو مضمون ایجاد کیا ہے اور کہا ہے کہ "اجماع منعقد ہے اس امر پر کہ آنحضرت صلعم کی خلافت کا حق متین شخصون سے کسی ایک کو تھا جو ابوبکر، علی اور عباس تھے" تو اس کی ایجاد اور اختراع کا سہرا علامہ جاحظ کے سر ہے جس نے خلفائے بنی عباس کے زمانہ مین اسے اس غرض سے حادث کیا تھا کہ اس مضمون سے خلفائے بنی عباس جاحظ سے خوش ہوجائین اور اس کا درجہ ان کی نظر مین بلند ہوجائے اور دنیوی مال و دولت بےحساب قبضہ مین آئے - جیسا کہ حضرات اہلسنت کے علمائے محققین نے اس امر کی تصریح بھی کردی ہے [۱] چوتھا

---

[۱] علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران جلد اول صفحہ ۴۳ مین حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مشہور خطبہ ایہا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ کی شرح کرتے ہوئے جناب رسالتمآب صلعم کی وفات کے دوسرے دن حضرت ابوبکر و عمر کا حضرت عباس سے ملنا ایک صحابی براء بن عازب کی زبانی نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے خود ہی حضرت عباس کو خلافت کی طمع دی تھی اور اس کی غرض صرف یہ تھی کہ حضرت علیؑ بالکل محروم ہوجائین چنانچہ براء بن عازب کہتے ہین کہ "مین ہمیشہ بنی ہاشم کو دوست رکھتا تھا - پھر جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو مجھے خوف پیدا ہوا کہ تمام قریش تو نہین مگر بنی تیم خلافت کو بنی ہاشم سے چھین لین گے - تو مین بہکی انگورہ و نکر مین

اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو فرمایا ہے کہ "حضرت عباس اور حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے معاملہ خلافت مین نزاع نہین کی" تو یہ بداہت کا انکار اور ان واقعات سے چشم پوشی کرنا ہے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ دیکھون والی خلافت کون شخص ہوتا ہے ناگاہ میرا گذر ایک مقام پر ہوا جہان مقداد ابن اسود اور عبادہ بن صامت اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری اور حذیفہ اور ابو الہیثم بن التیہان چپکے چپکے باتین کر رہے تھے۔ پس حذیفہ نے کہا کہ واللہ مین کبھی جھوٹ نہین بولا اور نہ اب جھوٹ کہا ہے۔ جو کچھ مین نے تم کو خبر دی ہے وہ ضرور ہوگا اور حال یہ ہے کہ یہ قوم ارادہ رکھتی ہے کہ امر خلافت کو مہاجرین کے شورے مین عائد کرین۔ اور نہین تو ابی بن کعب کے پاس جاکر پوچھ لو کیونکہ اُن کو بھی معلوم ہے جو مجھے معلوم ہے۔ پس یہ یہ سب ابی کے مکان پر آئے مگر اُنھون نے دروازہ نہین کھولا اور کہا مین جانتا ہون تم جس غرض سے آئے ہو۔ تم معاملہ خلافت پر نظر کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ہم سب نے جواب دیا کہ ہان یہی مقصود ہے۔ تو ابی نے جواب دیا کہ بات وہی ہے جو حذیفہ نے کہی ہے اور واللہ مین دروازہ نہین کھولون گا جب تک وہ امر ہو نہ جلے گا جو ہو رہا ہے اور خدا ہی کی طرف اس ظلم و اندھیر کی شکایت ہے۔ یہ خبر ابوبکر و عمر کو پہونچی تو اُنھون نے ابو عبیدہ اور مغیرہ کو بلایا، اور دونون سے رائے لی (یہ مغیرہ بن شعبہ وہی ہے جس نے بعد مین بھی لوگون کے خلیفہ مقرر کرنے مین بڑے بڑے حصے لیے ہین اسی نے یزید کی بیعت مین بھی بڑی کوشش کی تھی) مغیرہ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ حضرت رسولخدا صلعم کے چچا حضرت عباس سے ملو فتجعلوا له ولولده فی هذا الامر نصیبا لیقطعوا بذلك ناحیة علی بن ابیطالب یعنی حضرت عباس کا نیز انکی اولاد کا بھی حصہ اس خلافت مین مقرر کر دو اس تدبیر سے علی کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے اور لوگون کے سامنے تمھین علیؑ پر حجت مل جائے گی جب کہ عباس تمھاری طرف مائل ہو جائین گے۔ تو ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ و مغیرہ حضرت عباس کے پاس آئے جو وفات حضرت رسولخدا صلعم سے دوسری رات کا واقعہ ہے۔ اور ابوبکر نے تقریر شروع کی پہلے خدا کی حمد و ثنا بجا لاکے پھر کہا "اے عباس خداوند عالم نے حضرت رسولخدا صلعم کو رسول مقرر کر کے ہم لوگون مین بھیجا اور بعد تبلیغ ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ پس چھوڑ دیا اُن حضرت نے آدمیون پر اُن کے امر خلافت کو کہ اپنی مصلحت کے موافق اپنے نفسون کے لیے اتفاق کر کے اختیار کر لین نہ اختلاف کی صورت مین۔ تو مسلمانون نے مجھ کو انتخاب کر کے حکومت کا والی اور ان کے امور کا نگہبان بنا لیا۔ اور مین بحمد اللہ نہ ضعف اور گھبراہٹ سے خائف ہون اور نہ جبن و نامردی سے ڈرتا ہون۔ اور میری توفیق خدائے برتر ہی کی طرف سے ہے۔ مین اسی پر بھروسہ کرتا ہون اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہون۔ اور ہمیشہ مجھے ان لوگون کی خبرین پہونچتی ہین جو مسلمانون کی رائے سے مخالفت کر کے ہماری خلافت پر اعتراض

شل آفتاب روشن ہین کیونکہ حضرت علیؑ اور حضرت ہی کی طرف سے عباس بھی ہمیشہ ابوبکر سے اس امر مین نزاع اور شکایت کرتے رہے (ہان تلوار نہین اٹھائی) چنانچہ اس نزاع اور مخالفت کی کیفیت کو مین

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کرتے ہین وہ لوگ تم کو اپنی آڑ بناتے ہین۔ پس تم اس اعتراض کرنے والون کے مستحکم قلعہ اور عجیب وغریب ستون ہو۔ تو یا تم بھی اس امر مین داخل ہو جاؤ جس مین اور لوگ داخل ہوئے ہین (یعنی میری بیعت کرلو) یا اُن لوگون کو اس معاملہ سے دفع کرو اور ان کو اس میلان سے روکو فقد جئناك ونحن نريد ان نجعل لك في هذا الامر نصيبا ولمن بعدك من عقبك اذ كنت عم رسول الله یعنی ہم لوگ اس وقت تمھارے پاس اس ارادہ سے آئے ہین کہ اس معاملہ خلافت مین تمھارے لیے اور تمھاری اولاد کے لیے بھی ایک حصہ معین کردین کیونکہ تم حضرت رسولخدا صلعم کے چچا ہو۔ اگرچہ مسلمانون نے تمھاری اور تمھارے اہل وعیال کی وہ قدر ومنزلت دیکھی ہے جو جناب رسالتمآب صلعم کے یہان تمھین حاصل تھی مگر اس پر بھی امر خلافت کو تم سے پھیر دیا ہے۔ تو اے بنی ہاشم اپنے اعتراض کو ذرا روکو اور ہم لوگون کو نشانہ ملامت نہ بناؤ کیونکہ جناب رسالتمآب صلعم تم سے بھی تھے اور ہم سے بھی۔ ابوبکر یہ تقریر کرتے ہی تھے کہ عمر بیچ مین بول اُٹھے اور اپنی معمولی راہ خشونت وسخت مزاجی اختیار کرلی اور خوف و دھمکی پر آمادہ ہوگئے اور اختلاف کی گتھی کو بدترین اور مشکل ترین صورت سے سُلجھانے پر آمادہ ہوگئے چنانچہ ارشاد فرمایا، ہان خدا کی قسم اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ رکھنا کہ ہم کچھ اس وجہ سے تمھارے پاس نہین آئے ہین کہ کسی امر مین تمھارے محتاج ہون لیکن یہ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے کہ جس بات پر مسلمانون نے اجتماع کرلیا ہو اس پر تم لوگون کی طرف سے طعن اور اعتراض ہو جس سے تمھارے لیے بھی خطرات اور مصائب کا ہجوم ہے اور ان لوگون کے لیے بھی۔ تو اپنے نفسون کے متعلق غور وفکر کرو اور عام مسلمانون کی بہبودی کے لیے بھی۔ یہ کہکر حضرت عمر خاموش ہوگئے۔ تو حضرت عباس تقریر پر آمادہ ہوئے پہلے خدا کی حمد وثنا بجالائے پھر کہا بیشک خدا نے حضرت محمد صلعم کو رسول بناکر بھیجا جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے اور مومنین کا ولی بھی بناکر بھیجا تھا۔ تو خدا نے حضرت کے وجود سے اس امت پر احسان عظیم کیا یہان تک کہ حضرت کو اپنے یہان طلب فرمالیا۔ اس کے بعد تم لوگون نے حضرت کی خلافت کو طے کرنا چاہا تو اے ابوبکر اگر تم نے حضرت رسولخدا صلعم کی قرابت کے دعوے سے اس خلافت کو لیا ہے تو بنی ہاشم کا حق غصب کرلیا اور اگر مسلمان ہونے کی جہت سے تم نے اس پر قبضہ کیا ہے تب بھی بنی ہاشم نہ تو تم سے کسی طرح کم ہین نہ تم لوگون مین اوسط درجہ کے ہین نہ دور ہین بلکہ تم سب سے مقدم اور افضل ہین اور اگر مسلمانون نے تم کو یہ خلافت دیدی ہے تو کیونکر تم نے اسے لیا حالانکہ تمام بنی ہاشم اس کو ناپسند کررہے ہین اور تم کو باطل پر سمجھتے ہین تمھارے کلام مین کس قدر تناقض اور تخالف ہے کہ ایک دفعہ تو کہتے ہو کہ مسلمانون نے مجھکو انتخاب کرکے حکومت کا

تفصیل سے پہلے بیان کر چکا ہون لہذا تکرار کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ اور پانچوان اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "قدرت رکھتے ہوئے امر حق کے لیے نزاع کا ترک کر دینا عصمت کے منافی ہے" تو بیشک یہ صحیح ہے لیکن جنگ وجدال اور نیزے تلوار سے لڑائی کا تو وہ محل ہی نہین تھا کیونکہ اول تو اس مین مسلمانون کے ضرر عظیم کا خوف تھا۔ دوسرے یہ کہ اکثر قریش جو مدینہ مین تھے وہ ابوبکر کے طرفدار بنا لیے گئے تھے اور اکثر انصار کو بھی رفتہ رفتہ ان لوگون نے اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ لہذا حضرت علیؑ کو ان لوگون سے نیزہ و تلوار کی جنگ کرنا ممکن کب تھا؟ چھٹا اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) والی بنا لیا" اور پھر چند ہی جملون کے بعد کہتے ہو کہ "ہمیشہ مجھے ان لوگون کی خبرین پہونچتی ہین جو مسلمانون کی رائے سے مخالفت کر کے ہماری خلافت پر اعتراض کرتے ہین" تو بتاؤ جب مسلمان تمھاری خلافت پر اعتراض ہی کرتے ہین تو انھون نے تم کو انتخاب کر کے خلیفہ کیونکر بنا لیا؟ رہا وہ حصہ جو مجھے اور میری اولاد کو تم خلافت مین دینے کا وعدہ کرتے ہو۔ پس اگر درحقیقت وہ تمھارا حق ہے اور اس سے ہمین دیتے ہو تو اپنے ہی پاس رکھو ہمین اس کی ضرورت نہین ہے۔ اور اگر وہ مومنین کا حق ہے تو تمھین اس مین حکم کرنے اور اسکے تقسیم کرنے کا اختیار کہان سے حاصل ہو گیا۔ اور اگر وہ حق ہم بنی ہاشم کا ہے تو ہم اس پر راضی نہین ہو سکتے کہ اس کا کچھ حصہ تو لین اور سب تم لوگون کے لیے چھوڑ دین۔ اور یہ جو مین کہہ رہا ہون تو اس سے مجھے یہ امید نہین ہے کہ تم بنی ہاشم کا حق چھوڑ ہی دوگے یہ اب کہان ہوتا ہے بلکہ مین صرف اپنی دلیل بیان کر دیتا اور تم پر حجت قائم کیے دے رہا ہون۔ اور یہ جو کہا کہ رسول اللہ صلعم ہم سے بھی ہین اور تم سے بھی تو بیشک وہ حضرت ایسے درخت سے ہین جس کی شاخین تو ہم اور جس کے (صرف) ہمسایہ تم لوگ ہو۔ پھر آپ حضرت عمر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے عمر رہا تمھارا یہ قول کہ تمھین ہمارے مقابلہ مین لوگون کا خوف ہے تو یہ سب تم لوگون نے اسی کا سامان مہیا کیا ہے اور خدا ہی مددگار ہے" علامہ ابن ابی الحدید کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عباس کی خلافت کا خیال نہ مسلمانون کو کبھی پیدا ہوا اور نہ خود جناب موصوف کو بلکہ حضرت ابوبکر و عمر وغیرہما ہی نے یہ تدبیر کی کہ اس طرح موصوف کو لالچ دلا کر حضرت علیؑ کے خلاف کر دین گے تاکہ ان لوگون کے آپس ہی مین خانہ جنگی شروع ہو جائے اور جب ہم لوگون کا تسلط قائم ہو جائیگا تو پھر اپنے وعدے کو مٹا دینا تو آسان کام ہے۔ دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس صرف حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ بلافصل جناب رسالتمآب صلعم سمجھتے تھے اور کسی وقت مین بھی انھین یا کسی کو آپ کی خلافت کا خیال نہین ہوا چنانچہ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ مین لکھا ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلعم کا انتقال ہو گیا تو عباس نے حضرت علیؑ سے کہا ہاتھ بڑھاؤ کہ مین تم سے بیعت کر لون تاکہ سب جان لین کہ رسول خدا صلعم کے چچا تک نے

یہ جو کہا کہ "ایسے وقت مین نزاع کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے جو صفت عصمت کو زائل کر دیتا ہے" تو یہ بھی اس تحقیق کے خلاف ہے جس کو ہم نے پہلے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے کہ کبھی اتفاقاً کسی معصیت کا ہو جانا ملکہ عصمت کے خلاف نہین ہے تو اسے خوب غور کرو اور یاد رکھو۔ یہ تو عام جواب ہے رہا حضرت علیؑ کے متعلق تو وہ جنگ کرنے پر قادر کب تھے جس سے یہ کہا جائے کہ انھون نے نزاع نہ کرنے کی وجہ سے خلاف عصمت کیا؟ ساتوان اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "تمھارا یہ دعویٰ اور بیان ہے کہ حضرت علیؑ ابوبکر سے زیادہ شجاع اور امر دین کی پابندی مین اُن سے زیادہ سخت تھے اور ان کا خاندان بھی اُن سے بڑا تھا اور ان کے مددگار بھی زیادہ تھے اور نسب کے اعتبار سے اشرف اور حسب کے اعتبار سے اکمل بھی تھے الخ" تو بیشک صحیح ہے مگر موصوف نے اس سے جو نتیجہ نکالا غلط ہے کیونکہ حضرت علیؑ کے حضرت ابوبکر سے اپنی ذات کے اعتبار سے زیادہ شجاع ہونے کا یہ مطلب کہان ہے کہ حضرت علیؑ تمام عرب کے مجموعہ سے بھی زیادہ شجاع تھے یا تمام لوگون کی اتفاقی قوت سے بھی حضرت کی تنہا ذات کی قوت زیادہ تھی۔ اگر آپ اسی طرح مطلب سمجھین گے تو پھر لازم آئے گا کہ حضرت رسالتمآب صلعم کی عصمت زائل ہونے کا بھی اعتقاد کیجیے کیونکہ حضرت نے مکہ معظمہ مین لوگون سے جنگ نہین کی حالانکہ تمام کفار حضرت کے دشمن ہو رہے تھے۔ پھر غزوہ حدیبیہ مین بھی کفار سے دب کر صلح کر لی حالانکہ آپ کے ساتھ بہت سے لوگ اور صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی جیسے حضرت علیؑ وغیرہ اور حضرت کے بڑے شجاع صحابی ابوبکر اور نہایت دلیر صحابی عمر اور ایسے ہی دوسرے نامور بہادران زمانہ۔ باوجود اس کے آنحضرت صلعم نے کفار سے جنگ نہین کی تو کیا اسے آپ گناہ کبیرہ کہین گے۔ اور اس سے آنحضرت صلعم کو صفت عصمت سے محروم کر کے گنہگار اور غیر معصوم قرار دے لین گے؟ اگر ایسا ہی ہے تو جو جواب آپ حضرت رسولخدا صلعم کی عصمت کی طرف سے دین گے وہی ہم حضرت علیؑ کی طرف سے دین گے۔ کیونکہ بالکل یہی حالت حضرت علیؑ کی بھی تھی کہ جب آپ نے اکثر مسلمانون کو ابوبکر و عمر کی طرف پایا تو جہاد کرنا بیکار سمجھے اور اپنی جگہ خاموش ہو رہے بلکہ حضرت علیؑ کا ان ظاہری اسلام رکھنے والون سے جنگ نہ کرنا حضرت رسولخدا صلعم کے جنگ نہ کرنے سے زیادہ قرین ثواب اور حق بجانب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہین ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے خاندان بنی ہاشم، کو ہم یہ کہتے ہین کہ خاندان بنی تیم سے بڑا تھا نہ یہ کہ خاندان بنی ہاشم ان تمام خاندانون کے مجموعہ سے بھی بڑا تھا جو حضرت علیؑ کی عداوت اور دنیا کی طمع مین ابوبکر کی طرف ہو گئے تھے۔ یہان تک کہ روایت کی گئی ہے کہ قریش کو جو عداوت

حضرت علیؑ سے تھی اسی وجہ سے جنگ صفین میں قریش سے حضرت کے ساتھ صرف پانچ شخص تھے
محمد بن ابی بکر جو حضرت ہی کی گود میں پلے تھے اور جعدہ بن ہبیرۃ المخزومی جو آپ کے بھانجے تھے اور
ابو الربیع جو بیٹا تھا ابو العاص بن ربیعہ کا (اس ابو العاص کو لوگ حضرت رسالتمآب کا داماد
کہتے ہیں) اور محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ جو بھانجا تھا معویہ کا اور ہاشم بن عتیبہ بن ابی وقاص جو بھتیجا تھا
سعد بن ابی وقاص کا۔ برخلاف اس کے انھیں قریش کے تیرہ قبیلہ اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ
معویہ کے ہمراہ تھے۔ اسی وجہ سے تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں قریش
کی شکایت اور فریاد کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ اللّٰھم انی استعدیک علی قریش فانھم قد
قطعوا رحمی واکفاوا انائی واجمعوا علی منازعتی حقا کنت اولی بہ من غیری وقالوا الا ان
فی الحق ان تاخذہ وفی الحق ان تمنعہ فاصبر مغموما او مت متاسفا فنظرت فاذا لیس لی
رافد ولا ذاب ولا مساعد الا اہل بیتی فضننت بہم عن المنیۃ فاغضیت علی القذی وجرعت
ریقی علی الشجی وصبرت من کظم الغیظ علی امر من العلقم والم للقلب من حز الشفار [لہ] یعنی اے
پروردگار میں تجھ سے اس جماعت قریش کی فریاد و استغاثہ کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد چاہتا اور
اس کا انتقام طلب کرتا ہوں کیونکہ انھوں نے میرے رشتہ و قرابت کا بالکل لحاظ نہ کرکے قطع رحم
کیا اور میرے ظرف کو الٹ دیا اور اس حق پر مجھ سے نزاع کرنے کے لیے سب متفق اور آمادہ
ہوگئے جس کا میں اپنے غیر سے کہیں زیادہ مستحق اور اولیٰ ہوں اور انھوں نے میرا جواب دیا
کہ اے علیؑ اگر تم اسے حاصل کرو جب بھی حق ہے اور اگر اس سے محروم رہو جب بھی حق ہے تو
اب غم و غصہ کھاتے ہوئے صبر کرو یا حزن و اندوہ اور افسوس و حسرت میں مر جاؤ۔ تو اے پروردگار
میں نے اس معاملہ میں غور و فکر کی تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ میرا کوئی معین و مددگار اور دشمن کو مجھ سے
دفع کرنے والا اور میرا ساتھ دینے والا سوا میرے اہلبیت کے نہیں ہے مگر میں نے موت
کے خوف سے ان کے بارے میں بخل کیا (یعنی ان کو لیکر اس خوف سے نہیں لڑا کہ یہ ....
ہلاک ہو جائیں گے) لہذا میں نے خس و خاشاک سے بھری ہوئی آنکھ کو بار بار کھولا اور بند کیا اور
ہڈی پھنسی ہوئی حلق میں بار بار اپنے منھ کی رطوبت کو فرو کرنے کی کوشش کی اور خشم و غضب کو فرو
کرنے کے لیے ایسی حالت میں صبر کیا جو درخت علقم (ایلوے) سے بھی زیادہ تلخ اور تیز تلواروں کی

لہ نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جلد اول صفحہ ۲۴۶ ملاحظہ ہو ۱۲

دھار سے بھی زیادہ دل کو الم اور اذیت پہونچانے والی ہے حضرت کا خطبہ تمام ہوا۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "یہ (شیعہ) حضرت علیؑ کی خلافت پر جس نص کا دعویٰ کرتے ہین وہ سب لوگون کے دیکھنے اور سننے مین ہوئی تھی اور انصار بھی ضرور اس پر مطلع ہوئے ہون گے" تو بیشک شیعہ یہ کہتے ہین لیکن وہ یہ نہین کہتے کہ حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ اس امر پر قادر بھی نہین ہو سکے کہ حضرت علیؑ کی خلافت پر جو نص ہوئی تھی اسے لوگون پر مشتبہ کر دین غرض ان حضرات نے مہاجرین و انصار کو مغالطہ دے کر (اون اسباب کی وجہ سے جن کی طرف کچھ اشارہ بھی ہو چکا ہے) ابوبکر کی بیعت کرالی (مثلاً یہی کہ علیؑ تو حضرت رسولخدا صلعم کی جدائی کے غم مین اب دنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور تم لوگون کی کوئی فکر ان کو نہین ہے اور اسلام پر جو مصیبت واقع ہو گی اس کی پروا بھی وہ نہین کرین گے)۔ اور یہ جو کہا کہ " انصار تو ابوبکر کو حضرت علیؑ پر ترجیح نہین دیتے تھے" تو اس عبارت مین اس امر کی واضح دلیل موجود ہے کہ جب انصار حضرت ابوبکر کو کسی طرح بھی حضرت علیؑ پر ترجیح نہین دیتے تھے تو محض جناب امیرؑ کی عداوت اور دشمنی سے انھون نے ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا ورنہ اس کے سوا اور کوئی وجہ معلوم ہی نہین ہوتی۔ اور یہ جو کہا کہ " انصار ہی مسلمانون کے غالب لشکر تھے" تو اس کا کوئی ثبوت نہین ہے اور اگر آپ کی خاطر سے اسے تسلیم بھی کر لین تو جناب رسالتمآب صلعم کو معلوم تھا کہ حضرت کے انتقال کے بعد ان انصار کی کیا حالت ہو جائے گی اور کس طرح یہ لوگ آپس مین ہی ایک دوسرے کے خلاف رہین گے۔ اور ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دین گے چہ جائیکہ حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑنا جو زیادہ تعجب خیز نہین ہے۔ اور آٹھوان اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "حضرت عباس اور زبیر ایسے بہادر حضرت علیؑ کی طرف تھے" تو ظاہر ہے کہ صرف ان دو فردون یا ایسے ہی دوسرے چند فردون کا مقابلہ جمہور قریش کے زور کو توڑنے کے لیے کافی نہین ہو سکتا تھا۔ رہا ابوسفیان تو اس کے اسلام کا بھی کسی کو یقین ہے؟ تو اس کے اس کے اس قول سے کہ " اے بنی ہاشم کیا تم اس پر راضی ہو گئے کہ قبیلۂ بنی تیم والے تم پر حکومت کرین اگر کہو تو خدا کی قسم تمھاری حمایت مین اس وادی کو مین سوار اور پیادون سے بھر دون" اس کی غرض صرف یہ تھی کہ اسلام مین ایک فتنہ اور فساد قائم کر دے اور مسلمانون کی ابتدا ہی مین ان مین خون ریزی پھیلا دے ورنہ درحقیقت اس کو حضرت علیؑ سے کیا محبت اور کون سی ہمدردی تھی جس سے وہ آپ کی مدد پر آمادہ ہوتا اور اس کلام کو سچے دل سے کہتا۔ اور چونکہ حضرت علی علیہ السّلام ابوسفیان کی واقعی حالت اور اس کے کلام کے مقصود اور غرض کو اچھی طرح سمجھتے تھے لہٰذا ادھر متوجہ ہی

نہین ہوئے اور اس کو ایسا جواب دیا جس کا حاصل یہ تھا کہ تم اہل نفاق سے ہو تمھارے کلام
کی طرف توجہ ہی نہین کرنی چاہیئے۔ اور یہی تو وجہ تھی کہ جب حضرت ابوبکر و عمر نے ابوسفیان کا
وہ کلام سُنا جو اس نے حضرت علیؑ کے بارے مین اور خلافت کو ان کے لیے حاصل کرنے کے
ارادے سے کہا تھا تو اسے اپنے سے ملا لیا اور اس کی اچھی طرح تالیف قلب کر دی یعنی اس کے
بیٹے یزید کو ملک شام کا حاکم بنا دیا جس پر ابوسفیان خاموش ہو کر ان لوگون کا طرفدار بلکہ مددگار
بن گیا۔ علاوہ برین حضرت علیؑ کی حمایت اور ان کی خلافت کی تائید مین عباس عم رسولخدا صلعم اور
زبیر اور ابوسفیان نے جو باتین کہین وہ اس وقت ہوئین جب جمہور قریش یعنی مہاجرین اور انصار
حضرت ابوبکر کی خلافت پر دفعۃً اتفاق کر چکے تھے [1] اور اب ان لوگون سے جنگ کرنے مین سوا
فساد اور مسلمانون کی خون ریزی کے کوئی نتیجہ حاصل نہین ہو سکتا تھا۔ نوان اعتراض یہ ہے
کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "شیعون کے خیال مین ابوبکر ایک کمزور نامرد بوڑھے شخص تھے جنکے
پاس نہ مال تھا نہ الخ تو یہ بات صحیح اور مسلم ہے اور حضرات اہلسنت بھی اس مین شیعون کے متفق
ہین کیونکہ موصوف کے ذاتی حیثیت سے کمزور اور پست مرتبہ اور خاندانی و نسبی حیثیت سے بھی ....
ہونے مین کوئی شبہہ ہی نہین ہو سکتا اس کا اقرار تو خود موصوف کے پدر بزرگوار ابو قحافہ صاحب
نے بھی کیا ہے اور قریش نے جو ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر لیا اس سے نہایت درجہ متحیر ہوئے

---

[1] حضرت ابوبکر کی خلافت پر دفعۃً اور اچانک طور پر اتفاق ہو جانا مشہور اور مسلم امر ہے چنانچہ صحیح بخاری صفحہ ۵۷۰
اور صواعق محرقہ صفحہ ۷ وہ مین ہے۔ ان عمر رضی اللہ عنہ خطب الناس مرجعہ من الحج فقال فی
خطبتہ انہ بلغنی ان قائلا منکم یقول واللہ لو قد مات عمر بایعت فلانا فلا یغترن امرء ان یقول
انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا وانہا کانت کذلک ولکن اللہ وقی شرھا یعنی حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے اپنے حج کی واپسی کے وقت لوگون کو خطبہ دیا جسمین کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مین سے کوئی شخص کہتا ہے کہ
خدا کی قسم اگر عمر مر جائین گے تو ہم فلان کی بیعت کر لین گے۔ تو کسی شخص کو یہ امر دھوکے مین نہ رکھے کہ وہ کہے ابوبکر کی
بیعت تو اچانک ہو گئی اور پوری اتری سن رکھو بیشک وہ تھی تو ایسی ہی مگر اللہ نے اسکے شر سے بچا لیا انتہی۔ اس خطبہ مین
خود حضرت عمر اقرار کرتے ہین کہ اللہ نے اس بیعت کے شر سے بچا لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی جو بیعت
ہوئی تھی اسمین شر و فساد موجود تھا گو خدا کے بچا لینے کی وجہ سے مسلمانون پر اس شر و فساد کا کوئی اثر نہین ہوا
اگر انسان غور کرے تو صرف اسی خطبہ حضرت ابوبکر مین اتنے وجوہ موجود ہین جن سے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کی م

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ مین لکھتے ہین کہ "ابو قحافہ نے جب سُنا کہ ان کے صاحبزادے ابو بکر مسلمانون کے خلیفہ اور بادشاہ بنائے گئے ہین تو کیا ھل رضی بذلک بنو عبد مناف وبنو المغیرة قالوا نعم قال لا واضع لما رفعت ولا رافع لما وضعت[؎۱] یعنی کہا کیا ابو بکر کی خلافت پر خاندان بنو عبد مناف اور بنو المغیرۃ راضی ہو گئے ؟ تو لوگون نے جواب دیا ہان۔ اُس وقت ابو قحافہ خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے خدا جس کو تو بلند کرے اسے کوئی پست نہین کرسکتا۔ اور جسے تو پست کرے اسے کوئی بلند نہین کرسکتا[؎۲] اور معاملہ خلافت مین حضرت ابو بکر

[؎۱] یہ مضمون تاریخ الخلفا جلال الدین سیوطی مین بھی ہے ۱۲

[؎۲] احقاق الحق مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۶ مین اس عبارت کے مقابل حاشیہ پر بھی ایک عجیب نوٹ لکھی ہے اس کا ترجمہ اس مین اضافہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تحریر فرماتے ہین کہ "روایت کی گئی ہے کہ جس وقت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے انتقال فرمایا اور مدینہ منورہ مین حضرت عمر کی جد و جہد سے حضرت ابو بکر کی خلافت تسلیم کرا لی گئی اس وقت حضرت ابو بکر کے پدر بزرگوار ابو قحافہ مدینہ منورہ مین تشریف نہین رکھتے تھے بلکہ آپ کا قیام شہر طائف مین تھا۔ تو حضرت ابو بکر نے ایک فرمان اپنے والد ماجد کے نام لکھکر روانہ کیا، جس کا عنوان یہ تھا کہ یہ خط یا فرمان ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابو بکر کی جانب سے ابو قحافہ کے نام۔ اے ابو قحافہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ لوگون نے اپنی بادشاہت کے لیے مجھے پسند کرلیا ہے تو مین آج خدا کا خلیفہ ہون۔ پس اگر تم میرے ہی پاس چلے آؤ تو تمھارے حق مین یہ بہتر ہوگا۔ جب یہ خط یا حکمنامہ ابو قحافہ صاحب کے پاس پہونچا تو قاصد سے (جو حضرت ابو بکر کا خط ان کے پاس لے گیا تھا) تعجب اور نہایت حیرت سے دریافت کیا کہ لوگون نے حضرت علیؑ کو کیون چھوڑ دیا اور ابو بکر کی بیعت کیون کرلی؟ اس کا کوئی تو سبب ہوگا۔ قاصد نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ ابھی کم سن ہین اور رسولخدا صلعم کے ساتھ جہادون مین انھون نے قریش وغیرہ قبیلون کے بہت سے لوگون کو قتل بھی کیا ہے اور حضرت ابو بکر کا سن زیادہ ہے وہ عمر مین بڑے اور بوڑھے ہین۔ تو ابو قحافہ نے کہا اگر یہی وجہ ہے تو ابو بکر سے بھی بڑا مین ہون مجھے خلیفہ ہونا چاہیے یہ سب کچھ بھی نہین ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے حضرت علیؑ پر ظلم کیا اور ان کا حق غصب کرلیا۔ کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی زندگی ہی مین حضرت کی خلافت پر لوگون سے بیعت کرا دی تھی اور ہم لوگون کو آپ کی بیعت پر قائم رہنے کا حکم دیا تھا۔ پھر اپنے فرزند ابو بکر کو جواب لکھا کہ یہ خط ہے ابو قحافہ کا ابو بکر کی جانب۔ اے نور چشم تمھارا خط مجھے ملا مگر مین تو اس کے لکھنے والے کو احمق ہی سمجھتا ہون

صرف اس وجہ سے کامیاب ہوگئے کہ جمہور قریش نے حضرت علی کی عداوت سے ابوبکر کی امانت پر اتفاق کرلیا تھا جیساکہ کئی مرتبہ پہلے ذکر کیا گیا۔ رہا یہ امر کہ ان لوگون نے حضرت ابوبکر ایسے کمزور اور معمولی اور بوڑھے شخص کو اپنا خلیفہ کیون بنالیا تو اس لیے کہ وہ لوگون پر اس کی اصلی وجہ یعنے حضرت علیؑ کی عداوت اور دوسرے اغراض فاسدہ کو ظاہر نہ ہونے دین کیونکہ ابوبکر کے خلیفہ بنا لیئے جانے سے اب سب کو یہ کہنے کا موقع ملگیا کہ اگر قریش کی غرض صرف یہ ہوتی کہ حضرت علیؑ کو اوس حق سے محروم کردین تو وہ کسی معزز اور شریف شخص کو خلیفہ بناتے یا ایس مین اسکو تقسیم کرلیتے اور چونکہ ایسا نہین ہوا لہذا ثابت ہوا کہ ان لوگون نے حضرت علیؑ کی عداوت سے ایسا نہین کیا۔ چنانچہ اس مضمون کی حقیقت اور اس معمہ کا حل اس روایت سے واضح ہوجائے گا جو مشکوۃ وغیرہ کتابون مین بکثرت موجود ہے کہ جناب رسالتماب صلعم نے اپنے صحابہ سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا

وان تامروا علیا ولا اراکم فاعلین تجدوہ ھادیا مھدیا یاخذبکم الطریق المستقیم۔

یعنی اگر تم لوگ حضرت علیؑ ہی کو اپنا خلیفہ بنائے رہوگے تو انھین ہدایت کرنے والا اور سیدھی راہ پر قائم رہنے والا پاؤگے اور وہ تم کو صراط مستقیم پر ہی لے چلین گے لیکن مجھے (علم نبوت سے) معلوم ہے کہ تم لوگ ایسا کروگے نہین۔ اور اس سے بھی واضح تر وہ مضمون ہے جس کو ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ مین لکھا ہے کہ وصح ان العباس شکے الی رسول اللہ صلعم ما یلقون من قریش من تعبیسہم وجوھھم وقطعھم حدیثھم عند لقائہم فغضب غضبا شدیدا احتے احمر وجھہ ودر عرق بین عینیہ وقال والذی نفسی بیدہ لایدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم للہ ورسولہ۔ یعنی صحیح روایت مین یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حضرت عباس خدمت رسول اللہ صلعم مین حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ سے قریش کے اس برتاؤ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ اس کا ایک مضمون دوسرے کے خلاف ہے کبھی تو تم اپنے کو کہتے ہو کہ مین رسول اللہ صلعم کا خلیفہ ہون اور کبھی کہتے ہو کہ مین آج خدا کا خلیفہ ہون اور کبھی کہتے ہو کہ لوگون نے اپنی بادشاہت کے لیے مجھے پسند کرلیا ہے (گویا تم لوگون کے خلیفہ ہو) تو خود تمھین کو نہین معلوم ہے کہ تم کیا ہو اور یہ امر تم پر بھی مشتبہ ہے۔ بس ہٹاؤ ایسے امر مین نہ داخل ہو جس سے نکلنا تمھارے لیے دشوار ہو جائے اور آخر مین تمھین اس پر افسوس و ندامت کرنی پڑے اور تمھارا نفس امارہ تمھین بروز قیامت ذلیل اور رسوا کرے کیونکہ لوگون کیلیے داخل ہونے کی راہین ہوتی ہین تو وہان ان مقامات سے نکلنے کی راہین بھی ہوتی ہین (برخلاف تمھارے کہ اس کام مین تم داخل تو ہوگئے مگر اس سے نکلنے کی راہین تمھارے لیے

(بقیہ آئندہ)

شکایت کی جو بنی ہاشم کے ساتھ وہ کرتے ہین کہ جب ان سے ملتے ہین تو ان کے چہرے ترش رو ہو جاتے ہین اور وہ اپنی باتین (جو کرتے رہتے ہین) روک دیتے ہین (تاکہ بنی ہاشم سُن نہ لین) یہ سنتے ہی آنحضرت صلعم کا چہرۂ غصہ اور غضب سے سُرخ ہو گیا۔ اور آپ کی پیشانی پر عرق آگیا اور اسی حالت شدت غضب مین حضرت نے فرمایا اس پروردگار عالم کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت مین میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل مین ایمان نہ داخل ہو گا جب تک وہ تم لوگون کو خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے دوست نہ رکھے گا [۵۱] اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو انھین علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ مین دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان اھل بیتی سیلقون بعدی من امتی قتلا و تشریدا و تشدیدا و ان اشد اقوامالنا بغضا بنی امیة وبنو المغیرة وبنو المخزوم۔ یعنی یقیناً میرے اہلبیت کو میرے بعد میری امت قتل کرے گی۔ جلاوطن کرے گی اور ان پر بڑے بڑے ظلم کرے گی اور تمام لوگون سے زیادہ بنی امیہ اور بنو المغیرہ اور بنو مخزوم کو ہماری عداوت اور ہم سے بغض ہے۔ اس روایت کو امام فن حدیث حاکم نے بھی صحیح کہا ہے اور دوسری جگہ سلفی سے طیوریات مین نقل کیا ہے عن عبد اللہ بن احمد بن حنبل قال سئلت عن ابی عن علی و معویة فقال اعلم ان علیا کان کثیر الاعداء ففتش لہ اعداءہ شیئا فلم یجدو افجاؤا الی رجل قد حاربہ و قاتلہ فاطروہ کیادا منہم لہ یعنی عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے مروی ہے وہ کہتے ہین کہ مین نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ معویہ اور حضرت علیؑ کے بارے مین آپ کی کیا رائے ہے۔ تو انھون نے کہا بیٹا بات یہ ہے کہ

[۵۱] علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۷ مین قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربی کی تفسیر مین بھی اس مضمون کی متعدد حدیثین ہین جن سے ایک یہ روایت بھی قابل عبرت ہے اخرج الخطیب من طریق ابی الضحی عن مسروق عن عایشہ قالت اتی العباس بن عبد المطلب رسول اللہ صلعم فقال یا رسول اللہ انا لنعرف الضغائن فی اناس من قومنا من وقایع اوقعنا ھا فقال اما واللہ انھم لن یبلغوا خیرا حتی یحبوکم لقرابتی۔ یعنی خطیب نے ابو الضحی سے اور اس نے مسروق سے اخراج کیا ہے اور اس نے حضرت عایشہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا عباس بن عبد المطلب حضرت رسول خدا کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ہم ان لوگون (قریش) میں ان کینیون اور بغض و عداوت کو پاتے ہین جو ہماری طرف سے ان کے دلون مین بھرا ہے ان جہادون کی وجہ سے جو آپ کے ساتھ ہم نے کیے ہین۔ تو حضرت نے فرمایا خدا کی قسم ان کو کوئی خیر نہین

حضرت علیؑ کے دشمن بہت کثرت سے تھے تو ان دشمنوں نے حضرت کے عیب کو ڈھونڈھنا شروع کیا
مگر حضرت مین کوئی عیب تھا ہی نہین ملتا کیا۔ جب وہ اس سے مایوس ہوئے تو ایسے شخص کی طرف متوجہ
ہوئے جو حضرت کا دشمن تھا اور آپ سے جنگ و قتال کیا تھا تو اس کی مدح و ثنا مین مبالغہ کرنے لگے
تاکہ اس طرح حضرت سے اپنا انتقام لین۔ انتہے۔ اور اس روایت سے ہمارے دعوے کی تائید اسطرح
ہوتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ مین آپ کے دشمن یہود و نصارے تو تھے نہین کیونکہ وہ تو خود
اسلام اور تمام مسلمانون ہی کے دشمن تھے حضرت علیؑ سے کیا خصوصیت تھی۔ اور نہ حضرت کے دشمن
انصار۔ اور دیہاتون کے رہنے والے بدوعرب تھے بلکہ وہی قریش کے قبائل تھے جو پہلے جناب
رسالتمآب صلعم سے خوب مخالفت کرتے رہے اور جب حضرت علیؑ کی تلوار سے جناب رسالتمآب صلعم کی زندگی
مین زیر ہوگئے تو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد اسی کینہ و بغض کے اثر سے حضرت علیؑ کی عداوت پر بھی
آمادہ ہوگئے [1] اور ان تمام امور کی توضیح ان مضامین سے ہوتی ہے جو خطبہ طالوتیہ مین حضرت امیر المومنینؑ

[1] اس مقام پر کتاب احقاق الحق صفحہ ۱۳۶ مین یہ فارسی حاشیہ بھی ہے۔ وقال بعض قدماء اصحابنا فی بعض
رسائلہ۔ مخفی نماناد کہ یوسف صدیق علیہ السلام ہنوز طفل بودہ بیشتر ازین خوابے دیدہ بود کہ تعبیرش بزرگی و بادشاہی
می نمود و پدرش یعقوب علیہ السلام کہ پیغمبر و پیغمبرزادہ بود ہنوز زندہ بود و ہمہ برادران او کہ بقول مخالفہ پیغمبر بودند معلوم
است کہ بسبب آن خواب از حسد با یوسفؑ چہ کردند پس عرب کہ عادت ایشان دشمنی کردن و حسد بردن بود چہ عجب
باشد کہ بسازند با امیر المومنین علیہ السلام کہ ایشان را بہ کشتن قرابت ہشان آزردہ باشند و بکارہائے بزرگ نام
و ذکر ایشان دوختہ بودند۔ دیگر بنی اسرائیل کہ خدائے تعالیٰ ایشان را اصحاب موسیٰؑ خواند و از وے چندان آیات و معجزات
دیدند و بسبب وے از فرعون و فرعونیان برستند و با دشاہی و مملکتی مصر یافتند و انچہ بدین ماند۔ با این ہمہ چون موسیٰؑ
را روزے غائب دیدند و ہنوز زندہ بود و ہارون را درمیان بگذاشتہ بود۔ بیشتر از ایشان بعبادت گوسالہ کہ از وے
ہیچ منفعتے نمی دیدند مشغول شدند و بہ گفتن ہارون علیہ السلام التفاتے نمی کردند و نزدیک بود کہ وے را بکشند۔ پس
جماعتے کہ بنبوی در اسلام در آمدہ بودند و پیغمبر خویش را از دنیا رفتہ یافتند و استخامے یابند کہ در آن حرمت یابند و
جمع مال کنند چہ عجب کہ نسازند با کسے کہ ہر یک از ایشان را بقدر کردار ایشان حرمت دارد و چیزے بمقدار آن
بخشد و نصیب چندان دہد کہ در شریعت باشد انتہے منہ۔ یعنی ہمارے مذہب کے بعض علمائے متقدمین نے اپنے
بعض رسائل مین فرمایا ہے کہ پوشیدہ نہین رہنا چاہیئے کہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام ابھی بچے ہی تھے
کہ اس سے قبل انھون نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ انھین بڑی عزت و بزرگی و بادشاہی حاصل

سے روایت کیے گئے ہیں جس میں حضرت حمد و صلوٰۃ کے بعد ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے اور جن میں حضرت کے شیعہ بھی تھے اور منافقین و مخالفین بھی تھے اور جو موجود نہیں تھے خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ ایتھا الامۃ التی خدعت فانخدعت واتبعت ھواھا وضربت فی عشواء غوایتھا وقد استبان لھا الحق فصدعت عنہ والطریق الواضح فتنکبتہ اما والذی فلق الحبۃ وبرء النسمۃ لو اقتبستم العلم من معدنہ وشربتم الماء بعذوبتہ وادخرتم الخیر من موضعہ واخذتم الطریق من واضحہ وسلکتم من الحق نہجہ لنہجت بکم السبیل وبدت لکم الاعلام واضاء لکم الاسلام فاکلتم رغدا وما عال فیکم عائل ولا ظلم منکم مسلم ولا معاھد ولکن سلکتم سبیل الظلام فاظلمت علیکم دنیاکم برحبھا وسدت علیکم ابواب العلم فقلتم باھوائکم واختلفتم فی دینکم فافتیتم فی دین اللہ بغیر علم واتبعتم الغواۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو گی اور آپ کے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود بھی پیغمبر تھے اور پیغمبر (حضرت اسحاق) کے صاحبزادے بھی تھے ابھی زندہ تھے اور حضرت یوسف کے کل بھائی جو حضرات اہلسنت کے اعتقاد میں پیغمبر تھے معلوم ہے کہ ان لوگوں نے اس خواب کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا۔ پھر عرب قوم جن کی عادت دشمنی کرنا اور حسد رکھنا ہے ان سے کیا تعجب ہو سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ وہ کریں جو برادران یوسف ؑ نے حضرت یوسف ؑ کے ساتھ کیا حالانکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان عربوں کے بزرگوں کو ہلاک کیا تھا اور اسلام کی بے مثل و نظیر خدمات انجام دیکر بڑے مرتبہ پر فائز ہو گئے تھے دوسرا امر یہ ہے کہ بنی اسرائیل جن کو خدا نے اصحاب موسیٰ کہا ہے اور جنھوں نے حضرت موسیٰ سے بہت سے معجزات و آیات مشاہدہ کیے تھے اور حضرت ہی کی وجہ سے انھیں فرعون اور اس کی امت والوں سے نجات ملی تھی اور ملک مصر کی حکومت اور بادشاہت پر فائز ہوئے تھے اور اسی طرح بہت سے منافع انھیں حضرت موسیٰ سے حاصل ہوئے تھے۔ باوجود ان تمام احسانات و انعامات کے صرف یہ دیکھکر کہ حضرت موسیٰ ان سے چند دنوں کے لیے غائب ہو گئے ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ زندہ تھے اور حضرت ہارون کو ان لوگوں کے درمیان اپنا قائم مقام کر گئے تھے ان کے اکثر لوگ گوسالہ پرستی میں مشغول ہو گئے جس سے کوئی نفع نہیں حاصل کیا تھا اور حضرت ہارون کے سمجھانے کی طرف متوجہ تک نہیں ہوئے بلکہ قریب تھا کہ انھیں مار ڈالیں۔ پھر وہ جماعت جو اسلام میں نئی داخل ہوئی ہو اور اپنے پیغمبر کو دنیا سے انتقال کرتے دیکھ رہی ہو اور ایسے لوگوں کو باقی ہو جن میں اس کی بڑی عزت کیجاتی ہو اور خوب مال جمع کر لینے کا موقع ملتا ہو۔ اس سے کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی موافقت نہ کرے جو ہر شخص کی اس کی حیثیت کے مطابق عزت کرے اور اسی کے مطابق مال بھی دے اور وہی حصہ عطا کرے جو شریعت میں مقرر ہے۔ ۱۲ مترجم

فاغویکم وترکتم الائمۃ فترکوکم فاصبحتم تحکمون باھوائکم ورویدا عما قلیل تحصدون جمیع ما زرعتم وتجدون وخیم ما اجترحتم وما اجتنیتم والذی فلق الحبۃ وبرء النسمۃ لقد علمتم انی صاحبکم والذی بہ امرتم وانی عالمکم والذی بعلمہ نجاتکم ووصی نبیکم وخیرۃ ربکم ولسان نورکم والعالم بما یصلحکم فعن قلیل رویدا ینزل بکم ما وعدتم وما نزل بالامم قبلکم وسیسالکم اللہ عزوجل عن ائمتکم معھم تحشرون والی اللہ عزوجل غدا تصیرون اما واللہ لو کان لی عدۃ جالوت او عدۃ اھل بدر وھم اعداؤکم لضربتکم بالسیف حتی تؤلوا الی الحق وتنیبوا للصدق فکان ارتق للفتق واخذ بالرفق اللھم فاحکم بیننا بالحق فانت احکم الحاکمین۔ یعنی اپنے وہ امت جو دھوکا دی گئی تو فریب مین آگئی اور اپنے نفس کی خواہشون کی پیروی کرنے لگی اور اپنی ضلالت وجہالت کی تاریکی مین ٹھوکرین کھانے لگی حالانکہ تم پر امر حق اچھی طرح واضح تھا مگر تم سب نے اس سے منھ موڑ لیا اور کشادہ راستہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن تم لوگون نے اس سے اعراض کیا۔ سنو قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا اگر تم جواہر علم کو ان کے اصلی کان سے حاصل کرتے اور پانی کو اس مقام سے پیتے جہان سے وہ پھوٹ کر نکلتا ہے اور اس مذہب کو اختیار کرتے جو صحیح ہے اور اس دین پر چلتے جو حق ہے تو تمھاری خوشنودی خدا تک پہونچنے کے راستے واضح رہتے اور تمھین نشانہائے ہدایت نظر آتے رہتے جو تمھاری رہبری کرتے تو تم اطمینان سے کھاتے پیتے اور کوئی ظالم تمھارے حق مین کمی نہین کرتا اور تم مین سے نہ کسی مسلمان پر ظلم ہوتا نہ کسی صاحب عہد وپیمان کافر پر لیکن تم نے گمراہی کی راہون کو اختیار کیا تو ان راہون نے تمھارے پورے دین کو برباد کرکے تمھین گمراہ کر دیا اور تم پر علم ومعرفت کے دروازے بند کر دیئے تو اب تم ہر بات اپنی خواہشون ہی سے کہتے اور اپنے دین مین اختلافات کرتے ہو جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دین خدا مین تم بغیر علم کے فتوے دیتے ہو اور گمراہون کی پیروی کرتے ہو تو وہ تمھین بھی ضلالت مین مبتلا کرتے جاتے ہین اور تم نے اپنے حقیقی امامون کو ترک کر دیا تو وہ بھی تم سے مجبوراً الگ ہو رہے جس کا یہ اثر ہوا کہ تم اپنی خواہشون کے مطابق حکم کرتے ہو۔ تو ٹھہرو اور صبر کرو بہت جلد (مرنے کے بعد) اس (ظلم وضلالت کی) زراعت کے اس (عذاب) کو حاصل کرو گے جس کی تخم ریزی کی ہے اور جو بے عنوانیان کی ہین ان کا مزا چکھو گے اور جن کامون کو خود غرضی سے کیا ہے ان کا پھل پاؤ گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا تمھین اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھ ہی کو خدا نے رسولخدا صلعم کا خلیفہ اور تمھارا امام بنایا ہے اور رسولخدا صلعم نے بھی تمھین میری اطاعت کا حکم دیا ہے اور مین ہی تمھارا

عالم ہون اور مین ہی وہ ہون جس کے علم سے تمھین نجات حاصل ہو سکتی ہے اور مین ہی تمھارے
رسول کا وصی اور تمھارے رب کا انتخاب کردہ اور تمھارے نور ہدایت کی زبان ناطق ہون جلد خدا تم سے
تمھارے خلفاء کے بارے مین سوال کرے گا کہ ان کی پیروی کیا ٹھیک کی تھی۔ انھین کے ساتھ تم
محشور بھی ہوگے اور خدا کی درگاہ مین کل حاضر بھی ہوگے۔ سُن رکھو خدا کی قسم اگر میرے پاس جالوت
ایسا لشکر ہوتا یا غزوۂ بدر مین جس قدر مسلمان تھے اتنے بھی ساتھی مجھے مل جاتے جو تمھارے فریب مین
مبتلا نہ ہوتے تو مین تمھین تلوار کی وہ مار مارتا جس سے تم راہ راست کی طرف لوٹ آتے اور امر حق و
صدق کو سمجھ لیتے اور اس سے اس فتنہ کی اصلاح بہترین صورت سے ہو جاتی اور رفق زیادہ حاصل ہوتا
(مگر قلت اصحاب کی وجہ سے مجبور ہون) تو اے خدا تو ہی ہمارے درمیان فیصلہ فرما کہ تو بہترین فیصلہ کنندہ
ہے۔ اور ایک شاعر نے بھی اسی مضمون مین ایک شعر کیا ہی خوب نظم کیا ہے کہتا ہے شعر۔

لو سلموا لولاة الامر امرهم ۔ ما سل بينهم في الارض سيفان ۔ یعنی اگر مسلمانون نے ان اولی الامر
کے حوالے اپنے امر حکومت و خلافت کو کر دیا ہوتا جنھین خدا نے مسلمانون کی ہدایت کے لیے خود معین کیا تھا
تو ان لوگون کے درمیان زمین مین دو تلوارین بھی (جنگ کے لیے) نہ کھنچتین۔ اور فاضل مخاطب کے
جواب مین دسوین خرابی یہ ہے کہ انھون نے یہ جو کہا ہے کہ "صحابہ رسول خدا صلعم کے درمیان کوئی
غرض سلطنت اور حکومت و سرداری کے لیے نہین تھی" تو اس مین غرض اور تعصب اور مرض کے
جو آثار ہین وہ مخفی نہین رہ سکتے۔ اور ان حضرات کی غرض سلطنت و حکومت و طمع ریاست و دولت
کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے حالانکہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ ان لوگون نے اسی غرض سے خلافت
کا مسئلہ طے کرنے مین کس قدر تعجیل کی اور کیسے کیسے حیلہ و تدبیر کو استعمال کیا اور اس پر زبردستی قبضہ
کر لینے مین کیا کیا ظلم کیے۔ اور وہ روایت جو بخاری سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے اپنے
اصحاب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ انكم ستحرصون على الامارة وانها ستكون ندامة يوم
القيامة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة ۔ یعنی تم لوگ بہت جلد حکومت اور سلطنت پر حریص
ہو جاؤ گے حالانکہ وہ بروز قیامت بڑی ندامت کا سبب ہوگی تو دنیا مین یہ حکومت کیسی لذیذ اور
آخرت مین اس کی سزا کیسی شدید ہوگی۔ اس کی تنقید صغانی نے مشارق مین جو کی ہے اس سے بھی
واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات نے خلافت کو دنیا ہی کے لیے حاصل کیا۔ اور شارح ہروی نے کہا ہے کہ
مرجع الضمائر في الاحكام والسين في ستحرصون للاستقبال كما في ستكون ويكون المراد بيان
حرصهم عليها بعد ذلك الزمان ويحتمل ان يكون للتاكيد كما في قوله سنكتب ما قالوا الاية والمراد

بیان شد ستحرصہم علی ذلک وکرر لفظۃ ان فی قولہ وانہا للتاکید وبیان ان ذلک واقع البتۃ
یعنی اس روایت کو بخاری نے احکام مین اخراج کیا ہے۔ اور اس حدیث مین لفظ ستحرصون جو واقع
ہوا ہے تو اس مین حرف سین استقبال کے لیے ہے یعنی تم لوگ جلد حرص کروگے جیساکہ سکون (عنقریب
یہ بات ہوگی) مین بھی سین استقبال ہی کے لیے ہے تو مراد آنحضرت صلعم کی یہ ہوگی کہ اس زمانہ کے
بعد تم لوگ دنیا پر حریص ہوجاؤگے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سین تاکید کی ہو جیساکہ قول خدا ستکتب
ما قالوا الآیہ مین بھی حرف سین تاکید ہی کے لیے ہے تو مراد آنحضرت صلعم کی یہ ہوگی کہ صحابہ شدت
سے دنیا پر حریص ہوجائین گے اور لفظ ان کو حضرت صلعم نے مکرر استعمال فرمایا ہے تاکہ اچھی طرح
اس کلام کی تاکید ثابت ہوجائے اور اس امر کو بیان فرمادین کہ یہ امر یقیناً واقع ہوکر رہے گا انتہے۔ اور
صاحب کتاب شرح المقاصد نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم کے بعد صحابہ مین لڑائی
جھگڑے اور تشاجر و اختلاف کثرت سے واقع ہوئے اور لوگون پر ہر قسم کی بلائین اور آفتین نازل
ہوئین۔ لہذا ان فسادات اور خرابیون کی تاویل کرنے کے لیے فاضل مخاطب نے جو مہمل باتین بنائی
ہین وہ درحقیقت کچھ نفع نہین پہونچا سکتی ہین اور نہ ان کی عقلمندی اور خوش فہمی کی اصلاح کرسکتی
ہین۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کتاب شرح المقاصد از علامہ تفتازانی کی عبارت بھی ذکر کردین تاکہ
ناظرین کو ان صحابہ کے حالات سمجھنے مین سہولت ہو اور کتاب مذکور کی طرف رجوع کرنے کی زحمت سے
وہ بچ جائین اور اشارہ سے انھین جو الجھن ہوگی اس سے نجات پائین تو ہم کہتے ہین کہ خداوند عالم نے
حضرات اہلسنت کے علماء الرغم انھین کے علامہ تفتازانی کی زبان پر کلمہ حق جاری کردیا اور وہ بات
ان سے کہلادی جس سے امر خلافت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ممدوح اسی کتاب مین لکھتے ہین۔

ان ما وقع بین الصحابۃ من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ و
المذکور علی السنۃ الثقات یدل بظاہرہ علی ان بعضہم قد حاد عن الطریق الحق وبلغ حد الظلم
والفسق وکان الباعث علیہ الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملک والریاسات
والمیل الی اللذات والشہوات اذ لیس کل صحابی معصوما ولا کل من لقی النبی بالخیر موسوما
الا ان العلماء لحسن ظنہم باصحاب رسول اللہ ذکروا لہا محامل وتاویلات بہا یلیق وذہبوا
الی انہم محفوظون عما یوجب التضلیل والتفسیق صونا لعقائد المسلمین من الزیغ والضلالۃ
فی حق کبار الصحابۃ سیما المہاجرین منہم والانصار المبشرین بالثواب فی دار القرار واما ما
جری بعدہم من الظلم علی اہل بیت النبی فمن الظہور بحیث لا مجال للاخفاء والشناعۃ بحیث

۱۸ اشتباہ علی الآراء ویکاد یشھد بہ الجماد العجماء ویبکی لہ من فی الارض والسماء وینھدم منہ الجبال وینشق منہ الصخور ویبقی سوء عملہ علی کر الشھور والدھور فلعنۃ اللہ علی من باشر اورضی او سعی ولعذاب الآخرۃ اشد وابقی انتہی یعنی صحابہ جناب رسالتمآب صلعم کے درمیان جو جنگ و جدال اور اختلافات و نزاعات واقع ہوئین جیسا کہ پوری تفصیل سے تاریخ کی تمام کتابون مین مرقوم اور کل معتمد و معتبر مورخین و محدثین کی زبانون پر مذکور ہین تو اُن سب کا ظاہر اس امر کو اچھی طرح ثابت کر دیتا ہے کہ بعض صحابہ یقیناً طریق حق سے پھر گئے تھے اور ان سب کا سبب صحابہ کا دلی کینہ و عناد اور حسد و عداوت اور بغض و نفسانیت اور سلطنت و ریاست کی طلب اور دنیا کی طمع اور لذتون اور شہوتون کی طرف فریفتگی اور میلان تھا کیونکہ ہر صحابی تو معصوم تھا نہین اور نہ ہر وہ شخص جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین پہونچا وہ خوبی اور نیکی ہی کے ساتھ موسوم تھا۔ لیکن علمائے (اہلسنت) کو چونکہ اصحاب جناب رسالتمآب صلعم کے ساتھ حسن ظن ہے۔ لہذا ان لوگون نے صحابہ کی ان تمام خرابیون اور عیوب اور دنیا پرستی کے واقعات کی بہت سی تاویلین کی ہین اور مختلف باتین بنائی ہین اور یہ کہا ہے کہ صحابہ ان کامون سے تو محفوظ تھے جو مسلمانون کو گمراہ کرنے والے اور فاسق و فاجر بنانے والے تھے تاکہ اس طرح بڑے بڑے صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین و انصار کے متعلق مسلمانون کے عقاید خراب ہونے سے بچین اور ان پیشوایان دین کے بارے مین وہ گمراہی و ضلالت مین مبتلا نہ ہون۔ کیونکہ یہ صحابہ کبار تو وہ ہین جن کو بہشت کی خوشخبری دی گئی تھی (لہذا ان کی طرف سے مسلمانون کے خیالات کا خراب ہونا خلاف مصلحت ہے) اور ان کے بعد حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت پر جو جو ظلم و جور ہوئے وہ مثل آفتاب تابان روشن ہین اور اس حد تک مشہور ہین کہ کسی کے اختیار مین نہین ہے کہ ان کو مخفی کر سکے اور ان کی شناعت اور رسوائی اس حد پر ہے کہ ممکن ہی نہین ہے ان کا کوئی عذر ہو سکے یا لوگون کو کسی قسم کا مغالطہ دیا جا سکے بلکہ وہ واقعات تو اس طرح واضح ہین کہ قریب ہے جمادات بے زبان تک ان کی گواہی دین اور ان کے لیے زمین و آسمان تک کے رہنے والے ماتم کرین اور ان کے اثر سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور پتھر شق ہو جائین اور ان مظالم اور سفاکیون کی داستان قیامت تک بیان ہو اور کوئی زمانہ بھی انھین مٹا نہ سکے۔ تو خدا کی لعنت ہو ہر اس شخص پر جس نے ان مظالم کو کیا یا ان مین کسی طرح شریک ہوا یا کسی قسم کی کوشش کی اور پھر ان لوگون کے لیے آخرت کا عذاب تو سخت ترین اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

صاحب شرح مقاصد کی عبارت تمام ہوئی لہ فاضل مخاطب کے جواب مین گیارھوان اعتراض یہ ہے کہ موصوف نے یہ جو کہا ہے کہ "حق وہی مذہب ہے جس پر مسلمانون کا سواد اعظم ہے" تو یہ اس طرح

لہ جناب رسالتمآب صلعم نے بھی پیشین گوئی کردی تھی کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ گیار دنیا طلبی اور ریاست و حکومت کی طمع مین مبتلا ہون گے۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوۂ احد صفحہ ۲۲۴۷ مین منقول ہے کہ آنحضرت صلعم نے صحابہ سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا۔ وانی لست اخشیٰ علیکم ان تشرکوا ولکن اخشیٰ علیکم الدنیا ان تنافسوھا۔ یعنی مین تم لوگون کے متعلق یہ خوف نہین کرتا ہون کہ تم مشرک ہوجاؤگے بلکہ اس سے ڈرتا ہون کہ تم دنیا طلبی مین مشغول ہوجاؤگے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ صفحہ ۵۵۰ مین لکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ سے فرمایا (اے علیؑ) وبعد از من مکروہات تبو خواہد رسید باید کہ دلتنگ نہ شوی وصبر کنی وچون بہ بینی کہ مردم دنیا را اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۴۹۱ مین لکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے اپنے صحابہ کو خطاب کیا د فرمودمی ترسم بر شما کہ مشرک شوید بعد از من ولیکن می ترسم بر شما دنیا را کہ رغبت کنید در آن و در فتنہ افتید وہلاک شوید چنانکہ ہلاک شوید کسانیکہ پیش از شما بودہ اند۔ اور جب حضرت آخری مرتبہ نماز کے لیے تشریف لائے ہین تو صحابہ سے فرمایا وصیت میکنم مہاجرین را کہ با یکدیگر نیکی کنید و پس خواند سورہ والنصر را تا آخر واین آیہ بخواند فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم یعنی کس قدر جلد ہے کہ تم حاکم بنو تو زمین مین فساد کرو اور قطع رحم کرو۔ جس مین حضرت نے تمامی واقعات کی خبر دیدی ہے۔ اور حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی قابل فخر کتاب سر العالمین مین لکھتے ہین مطبوعہ بمبئی صفحہ ۹ لکن اسفرت الحجۃ وجھھا واجمع الجماھیر علی متن الحدیث من خطبۃ یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولائی ومولا کل مومن ومومنۃ ھذا تسلیم ورضی وتحکیم۔ ثم بعد ھذا غلب الھوی لحب الریاسۃ وحمل عمود الخلافۃ وعقود البنود وخفقان الھوی فی قعقعۃ الرایات واشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاھم کاس الھوی فعادوا الی الخلاف الاول فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون لما مات رسول اللہ قال قبل وفاتہ ایتونی بدوات وبیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لھا بعدی۔ قال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجر وقیل یھذو فاذا بطل تعلقکم بتاویل النصوص فعدتم الی الاجماع وھذا منقوض ایضا فان العباس واولادہ وعلیا وزوجتہ واولادہ لم یحضروا

غلط ہے کہ درحقیقت سواد اعظم کے معنی وہ جماعت تو ہو ہی نہین سکتی جس مین لوگ بہت کثرت سے ہون جیسا کہ فاضل مخاطب نے سمجھا ہے کیونکہ صرف زیادہ لوگون کے ہونے سے اس جماعت کے اعتبار کی طرف تو سمجھدار لوگ مائل نہین ہوسکتے، ہان سیدھے سادے لوگ، ناسمجھ قلوب اور معرفت حق ویقین سے خالی نفوس البتہ توجہ کرسکتے ہین۔ اوران پراس کا اثر ہوسکتا ہے کہ فلان طرف زیادہ لوگ ہین لہذا حق بھی اُدھر ہی ہے تو یہ لوگ درحقیقت رسولخدا کے اس قول سے

(بقیہ صفحہ ۱۲۶) حلقۃ البیعۃ وخالفکم اصحاب السقیفۃ فی مبایعۃ الخزرجی۔ یعنی لیکن واقعہ یہ ہے کہ حجت نے اپنے چہرہ کو روشن کردیا اور جمہور مسلمانان نے متن حدیث پر اتفاق کرلیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بروز غدیر خم اپنا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا جس پر سب کا اتفاق ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے کہا اے ابوالحسن! اتھین مبارک ہو آج سے تو تم ہمارے بھی مولا ہوگئے اور ہر مومن ومومنہ کے بھی مولا ہوئے۔ تو عمر کا یہ کہنا حضرت علی کی خلافت وامامت کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی رہنا اور آپ کی حکومت کو قبول کرلینا ہے۔ مگر اس کے بعد ہی حبّ ریاست اور طمع خلافت نے غلبہ کیا اور خلافت کے پایون کو اُٹھانے۔ اور بلند وبڑے علمون کو باندھنے اور علم کے پھریرون کے ہلانے اور لشکرون کے ہجوم اور فوجون کی ہلچل اور شہرون کے فتح ہونے نے ان کو نفس پرستی اور خودغرضی کے لبریز جام پر جام پلانا شروع کیے جس سے وہ پھر اول اختلاف (اور جاہلیۃ کی جدال وقتال) کی طرف لوٹ پڑے تو ان لوگون (صحابہ) نے دین خدا کو اپنے پس پشت ڈال دیا اور اس کو بیچ کر بہت تھوڑے دام قبول کرلیے تو کیا ہی بُری چیز ان لوگون نے خریدی اور جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمانے لگے تو وفات سے پہلے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو میرے پاس قلم اور دوات اور کاغذ لاو تاکہ مین تمھارے لیے خلافت کی مشکل کو زائل کردون اور تمھین پھر یاد دلادون کہ مین نے تم پر کس کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور میرے بعد اسلام کی حکومت اور ریاست کا مستحق کون شخص ہے یہ سنتے ہی حضرت عمر نے ارشاد فرمایا چھوڑدو اس شخص (رسولخدا صلعم) کو کہ یہ ہذیان بک رہا ہے اور بعضون نے کہا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا یہ بیہودہ بک رہا ہے۔ پس جب نصوص کی تاویل سے تمھارا تعلق باطل ہوگیا تو تم اجماع کی طرف جھکے حالانکہ اجماع بھی باطل ہے اس لیے کہ ارکان بنی ہاشم خصوصًا حضرت عباس اور ان کی تمام اولاد اور حضرت علیؑ اور ان کی زوجہ (جناب فاطمہ زہراؑ) اور آپ کی اولاد وغیرہ تو حلقہ بیعت مین داخل ہوئے ہی نہین اور خود اصحاب سقیفہ نے تمھاری مخالفت کی کیونکہ انھون نے خاندان خزرج کے ایک شخص (سعد بن عبادہ) کی بیعت کرنی چاہی تھی انتھے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امام غزالی کوئی معمولی

غافل ہین کہ ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ یعنی بہت جلد
میری امت کے ۷۳ فرقے ہوجائین گے جن سے صرف ایک تو بہشت مین جائے گا اور سب
جہنم مین داخل ہون گے۔ پس آنحضرت صلعم کی اس حدیث نے واضح کردیا کہ نجات پانے والے
اور بہشت مین داخل ہونے والے تھوڑے ہی ہین۔ بلکہ بمقابلہ کثیر کے بالکل نادر ہین۔ اور
خداوند عالم نے بھی اس مضمون پر اپنے کتاب مجید مین نص کردی ہے۔ اور فرمادیا ہے کہ جو تھوڑے
ہین وہی حق پر ہین اور جو زیادہ ہین وہی باطل پر ہین۔ چنانچہ سورہ ھود رکوع ۴ مین ارشاد فرماتا
ہے کہ وما امن معہ الا قلیل۔ یعنی ان کے اوپر بہت ہی کم لوگ ایمان لائے اور سورہ سبا
رکوع ۲ مین فرماتا ہے۔ وقلیل من عبادی الشکور۔ یعنی ہمارے شکرگذار بندون سے بہت ہی
تھوڑے ہین۔ پھر سورہ ص رکوع ۲ مین فرماتا ہے الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وقلیل
ما ھم۔ یعنی سوا ان لوگون کے جو ایمان لائے اور جنھون نے نیک اعمال کیے اور کس قدر تھوڑے
وہ ہین۔ پھر سورہ نسا رکوع ۲۲ مین فرماتا ہے فلا یومنون الا قلیلا یعنی بہت تھوڑے لوگ
ایمان لائین گے۔ اور سورہ انعام رکوع ۱۴ مین ارشاد فرماتا ہے وان تطع اکثر من فی الارض
یضلوک عن سبیل اللہ یعنی اے رسول اگر تم اکثر لوگون کی اطاعت زمین مین کروگے تو وہ
لوگ تمھین خدا کی راہ سے گمراہ کردین گے ولکن اکثر الناس لا یومنون لیکن اکثر لوگ ایمان
نہین لائین گے اور سورہ مائدہ رکوع ۱۳ مین فرماتا ہے قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو
اعجبک کثرۃ الخبیث فاتقوا اللہ یا اولی الالباب لعلکم تفلحون یعنی تم کہدو کہ برے اور اچھے
برابر نہین ہوسکتے۔ اگرچہ تمھین برے کی کثرت ہی پسند آئے۔ اسیطرح بکثرت آیات ہین تو حق
یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے مسلمانون کو یہ جو حکم دیا کہ علیکم بالسواد الاعظم۔ یعنی
تم پر فرض ہے کہ سواد اعظم کی پیروی کرو۔ تو اس سے حضرت کی مراد کتاب خدا یعنی قرآن مجید

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شخص نہین ہین ان کا درجہ حضرات اہلسنت کے یہان بہت بڑا ہے چنانچہ علامہ سیوطی
کتاب التنبئۃ مین بعثہ اللہ علی راس کل مائۃ مین فرماتے ہین قال بعض اکابر العلماء الجامعین بین العلم
الظاہر والباطن لوکان بعد النبی نبی لکان الغزالی وانہ یحصل ثبوت معجزات ہ ببعض
مصنفاتہ یعنی بعض اکابر اہلسنت نے فرمایا ہے جو علم ظاہر و علم باطن کے جامع ہین کہ جناب رسالتمآب صلعم کے بعد اگر کوئی شخص
نبی ہوتا تو وہ امام غزالی ہی ہوتے۔ اور ان کے معجزات کا ثبوت خود ان کے مصنفات سے ظاہر ہے کسی دوسرے معجزے کی ضرورت نہین

اور آپ کی عترت یعنی اہلبیت طاہرین ہیں جیسا کہ اس کا بیان اوپر گزر گیا۔ بالخصوص حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی ذات اقدس مراد ہے جیسا کہ اسکی طرف علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف اور امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر کا وہ قول اشارہ کرتا ہے جو ادھوں نے قول خداوند عالم وتعیہا اذن واعیۃ (یعنی اسکو یاد رکھیں گے وہ کان جو حفاظت کرنے والے ہیں۔ سورۂ حاقہ رکوع ۱) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے جسکو علامہ علیہ الرحمہ عنقریب مبحث آیات میں ذکر فرمائیں گے۔ تو دونوں صاحبوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے فان قیل لم قال اذن داعیۃ علی التوحید والتنکیر، قلنا للایذان بان الوعاۃ فیہم قلۃ ولتوبیخ الناس بقلۃ من یعی منہم وللدلالۃ علی ان الاذن الواحدۃ اذا وعت وعقلت عن اللہ فہی السواد الاعظم عند اللہ وان ماسواہا لا یلتفت الیہم وان امتلأ العالم منہم انتہٰی[1] یعنی اگر کوئی شخص اس مقام پر سوال کرے کہ خداوند عالم اس آیہ میں لفظ اذن کو واحد اور نکرہ کیوں لایا۔ تو ہم جواب دینگے کہ اس امر کی خبر کرنے کے لئے کہ جو یاد رکھنے والے ہیں وہ بہت کم ہیں اور لوگوں کو اس امر پر زجر و توبیخ کرنے کے لئے بھی کہ جو لوگ یاد رکھنے والے ہیں وہ ان میں بہت کم ہیں۔ اور اس کو واضح کردینے کی غرض سے بھی کہ ایک ہی کان جب یاد کرلے اور محفوظ رکھ لے اور خدا کی طرف سے سمجھ لے تو خدا کے نزدیک وہی ایک کان درحقیقت سواد اعظم ہے اور اس کان کے سوا جو لوگ بھی ہونگے انکی طرف کسی قسم کا التفات تک نہیں کیا جائیگا اگرچہ تمام عالم ان سے بھر جائے انتہٰی۔ اب تو ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کی حدیث علیکم بالسواد الاعظم[2] ہم شیعوں ہی کے موافق ہے نہ مخالف۔ اور ممکن ہے کہ کہا جائے شاید جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عبارت مذکورہ تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ میں خفیف تغیر کے ساتھ اس طرح ہے فان قلت لم قیل اذن واعیۃ علی التوحید والتنکیر قلت للایذان بان الوعاۃ فیہم قلۃ ولتوبیخ الناس بقلۃ من یعی منہم وللدلالۃ علی ان الاذن الواحدۃ اذا وعت وعقلت عن اللہ فہی السواد الاعظم عند اللہ وان ماسواہا لا یبالی بہم بالۃ وان ملأوا ما بین الخافقین۔ مگر دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے ۱۲ مترجم۔

[2] بعض مفسرین نے سورہ انعام رکوع ۱۴ کی آیہ مبارکہ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ہم الا یخرصون (یعنی اگر تم ان لوگوں کی پیروی کروگے جو زمین پر تعداد میں زیادہ ہیں تو وہ سب تمہیں خدا کی راہ سے گمراہ کر چھوڑینگے کیونکہ وہ تو یقین کو چھوڑ کر صرف گمان کی پیروی

نے اس حدیث کو اپنے بعض غزوات میں ذکر فرمایا ہو جس سے اپنے لشکر کی کسی جماعت کیطرف اشارہ کیا ہو اور دشمن کے لشکر کی طرف جو بہت کثرت سے جمع تھے تقصد اور تعرض کا ارادہ کیا ہو۔ یعنی علیکم بالسواد الاعظم اے مسلمانو! سواد اعظم (یعنی دشمن کا لشکر جو بڑی تعداد میں ہے) اس پر حملہ کر کے فتح حاصل کرو جیساکہ ابن اعثم کوفی نے کتاب الفتوح میں اسی قسم کی ایک عبارت حضرت علی علیہ السلام سے بھی نقل کی ہے جسے حضرت نے جنگ صفین میں فرمایا تھا چنانچہ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ جس زمانہ میں جنگ صفین ہو رہی تھی ایک روز معویہ نے اپنے لشکر کے قبائل یحصب وکندہ ولخم وجزام سے جو ذی الکلاع الحمیری کے ماتحت تھے کہا کہ تم لوگ اسوقت نکلکر جاؤ اور خاص قبیلہ ہمدان پر حملہ کر کے ان سے لڑ پڑو۔ پس جب حضرت علی علیہ السلام کو معویہ کے اس قول کی خبر ملی تو حضرت نے قبیلہ ہمدان کو مطلع کر دیا۔ وقال لھم علیکم بھذہ الخیل فان معویۃ قد قصدکم بھا خاصۃ دون غیرکم یعنی اے ہمدان کے بہادرو معویہ کی اس جماعت کو لینا کیونکہ معویہ نے خاص تم لوگوں پر حملہ کرنے کے لئے اسکو روانہ کیا ہے اور تمھارے سوا لوگ معویہ کے مقصود نہیں ہیں ہیں تھے

بارہواں اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "میں قبل ہی اسکو بیان کر چکا ہوں کہ امام کا معصوم ہونا واجب نہیں ہے" تو میں نے بھی اسکا جواب پہلے دیدیا اور ثابت کر دیا ہے کہ امام کا معصوم ہونا نہایت ضروری اور واجب ہے۔ اور یہ جو کہا کہ امام کے لئے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرتے رہتے ہیں اور صرف اٹکل سے کام کرنے کے عادی ہیں) کی تفسیر میں لکھا ہے۔ فی ھذا دلالۃ علی انہ لا عبرۃ فی دین اللہ ومعرفۃ الحق بالقلۃ والکثرۃ فیجوز ان یکون الحق مع الاقل یعنی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خدا کے دین اور حق کی ۔۔۔ حال معلوم کرنے میں قلت اور کثرت کا کوئی اثر اور اعتبار نہیں ہے۔ ۔۔۔ پس جائز ہے کہ حق وہی ہو جس طرف تھوڑے لوگ ہیں۔ اور علامہ ابن جوزی نے اپنی قابل قدر کتاب تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی صفحہ ۹ میں لکھا ہے عن یوسف بن اسباط قال قال سفیان یا یوسف اذا بلغک عن رجل بالمشرق انہ صاحب سنۃ فابعث الیہ بالسلام واذا بلغک عن اخر بالمغرب انہ صاحب سنۃ فابعث الیہ بالسلام فقد قل اھل السنۃ والجماعۃ۔ اسکا ترجمہ اردو بھی اسی کتاب کے ساتھ چھپ گیا ہے جسمیں عبارت مذکورہ کا ترجمہ یہ لکھا ہے یوسف بن اسباط نے کہا کہ مجھ سے سفیان ثوری نے فرمایا کہ اے یوسف اگر تجھے خبر ملے کہ فلاں شخص سرحد مشرق میں سنت کے طریقہ پر مستقیم ہے تو اسکو سلام بھیج اور اگر تجھے خبر ملے کہ ایک دوسرا سرحد مغرب میں طریقہ سنت پر مستقیم ہے تو اسکو بھی سلام بھیج کہ اہل سنت والجماعت بہت کم رہ گئے ہیں۔ بعض جماعت کے معنی میں ایک بزرگ نے کہا ہے الجماعۃ اھل الحق وان قلوا یعنی جماعت نام ہے اہل حق کے جمع ہونے کا

اس سے پہلے کوئی گناہ کبھی بھی نہ ہوا ہو، تو اس شرط کی ضرورت بھی اچھی طرح واضح کرچکا ہوں کہ ایسا ہونا ضروری ہے (ناظرین کتاب ہذا میری تقریر کے شروع میں اس جواب کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں) لیکن اس مقام پر ایک دلیل اور ذکر کرتا ہوں جو اسکو قطعی طور پر طے کردیگی کہ جس شخص نے عمر بھر میں کبھی بھی کوئی گناہ کیا ہو وہ کسی طرح امام نہیں ہوسکتا ہے۔ خداوند عالم اپنے کلام مجید سورہ بقرہ رکوع ۱۵ میں ذکر فرماتا ہے واذا ابتلٰی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین یعنی لوگو! اسوقت کو بھی یاد کرو جب حضرت ابراہیم کو انکے پروردگار نے چند کلمات میں مبتلا کیا تو ان سب کو تمام کردیا۔ خدا نے فرمایا اے ابراہیم! میں تمھیں کل لوگوں کا امام اور پیشوا بناتا ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے عرض کی کہ بار الٰہا اور میری ذریت سے بھی کچھ لوگوں کو تو امام بنائیگا؟ تو خداوند عالم نے جواب دیا کہ اے ابراہیم ہاں تمھاری ذریت سے بھی کچھ لوگوں کو بنادونگا لیکن یہ خوب سمجھ رکھو کہ) میرا یہ عہد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک حق بات پر اگرچہ وہ لوگ بہت ہی کم ہوں اور سواد اعظم کے معنے میں ملا علی قاری شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں کہ ان فیھم من الصفات الموجبۃ للقبول ما تقوم مقام العدد الکثیر من غیرھم و لذا سمیت مثل ھذا الامام امۃ قال اللہ تعالٰی ان ابراھیم کان امۃ لانہ یجمع فیہ من الصفات ما یوجد متفرقۃ الا فی جماعۃ و لذا قال الشاعر ؎

لیس من اللہ بمستنکر * ان یجمع العالم فی واحد *

وقد قیل فی الحدیث المشھور علیکم بالسواد الاعظم ای الورع الاسلم یعنی ان لوگوں میں قبول کو واجب کرنے والی صفتوں سے ایسی صفت ہے جو عدد کثیر کے مقام پر قائم ہوسکتی ہے جو انکے غیر سے ہو اسی وجہ سے اس امام کے مثل امت کہی گئی ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے یقیناً حضرت ابراہیم ایک امت تھے کیونکہ ان میں وہ صفات جمع تھیں جو متفرق طور سے نہیں پائی جاتی ہیں مگر کسی جماعت ہی میں اور اسی وجہ سے شاعر نے کہا ہے کہ اللہ کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ وہ تمام عالم (دنیا) کو کسی ایک ذات میں جمع کردے اور حدیث مشہور میں کہا گیا ہے کہ علیکم بالسواد الاعظم۔ اسمیں سواد اعظم سے مراد متقی اور گناہ سے محفوظ رہنے والا شخص ہوا ہے پس جبکہ ایک شخص پر لفظ امت کا اطلاق خدا کے کلام سے ثابت ہوا اس لیے کہ وہ ان باتوں کا جامع تھا جو متفرق گروہوں میں علیحدہ علیحدہ پائی جاتی تھیں اور خدا کا ایک شخص کو بمنزلہ ایک جہان کے بنا دینا عجیب امر نہیں ہے اور سواد اعظم سے مراد زیادہ پرہیزگار اور متقی لیا گیا ہو تو پھر کثرت عوام کو کسی مسئلہ یا مذہب کے حق یا باطل ہونے کے متعلق کسیطرح بھی معیار قرار دینا کو نہ مناسب سمجھا سکتا ہے بلکہ انصاف تو یہ ہوگا اسکو کسی مذہب۔

(امامت) ظالموں کو کسی طرح بھی نہیں مل سکتا ہے اسنئے[1] تو اس آیہ کریمہ سے استدلال کرینکی صورت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ع نے جو خدا سے سوال کیا کہ ومن ذریتی (اے خدا تو مجھے امامت کا شرف مرحمت فرمائیگا لیکن یہ بھی تو ارشاد فرمادے کہ میری ذریت سے بھی کچھ لوگوں کو اس جلیل الشان عہدہ پر فائز فرمائیگا یا نہیں) اس میں لفظ من تبعیض کے لئے ہے (یعنی اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے کہ میں اپنی ذریت اور اولاد کے کل لوگوں کے متعلق عہدہ امامت کو نہیں دریافت کرتا ہوں بلکہ کچھ لوگوں کے لئے دریافت کرتا ہوں) جیسا کہ یہی اس آیت کا ظاہری مطلب ہے۔ اور مفسرین نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔ تو اب میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیم ع نے اپنی ذریت سے کن لوگوں کے لئے عہدہ امامت کا خداوند عالم سے سوال کیا تھا؟ تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو اپنی ذریت کے اون لوگوں کے لئے سوال کیا ہو جو مسلمان اور عمر بھر عادل رہیں (۲) یا ان اون لوگوں کے لئے کیا ہو جو تمام عمر ظالم رہیں (۳) یا ان لوگوں کے لئے کیا ہو جو مسلمان ہوں اور اپنی عمر کے کچھ حصہ میں ظالم اور کچھ حصہ میں عادل رہیں۔ اس صورت کی بھی دو شقیں ہیں (الف) حضرت ابراہیم ع نے اپنی ذریت کے اسی تیسری صورت والوں کے لئے سوال کیا ہو مگر اسی زمانہ میں جب وہ مسلمان اور عادل ہوں (ب) اسی تیسری صورت والوں کیلئے سوال کیا ہو خواہ وہ مسلمان ہوں یا نہیں اور عادل ہوں یا ظالم۔ غرض چار ہی صورتیں ممکن ہیں۔ تو ان صورتوں سے پہلی صورت تو یہاں مراد ہو نہیں سکتی کیونکہ پھر خدا کا جواب حضرت ابراہیم ع کے سوال کے مطابق نہیں رہیگا جو اسنے فرمادیا کہ اے ابراہیم یہ عہدہ ظالموں کو نہیں مل سکتا ہے۔ اسلئے کہ جب حضرت ابراہیم ع نے اپنے سوال میں خود ہی ظالموں کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی صحت پر دلیل قرار دینا یا اس کثرت کو اپنے فرقہ کی حقیت قرار دینا در حقیقت اچھوں کو بہلانا اور عوام کو خوش کرنا ہے دگر ہیچ۔ آج بھی دنیا میں وہ مذاہب اور فرقے تعداد میں بہت زیادہ ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور مسلمانوں کی تعداد انکے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے تو کیا اس کمی کی وجہ سے اسلام مذہب باطل اور دوسرے مذاہب اپنی کثرت کی وجہ سے حق اور صحیح کہے جا سکیں گے؟ مترجم۔

[1] اس آیہ مبارکہ سے دو اہم نتیجے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ امام خود کوئی شخص نہیں بن سکتا ہے نہ کوئی دوسرا شخص کسی کو امام بنا سکتا ہے نہ کوئی جماعت کسی کو امام بنا سکتی ہے نہ کوئی ملک کسی کو امام مقرر کر سکتا ہے نہ ایک موجودہ ... [illegible] کسی کو امام بنا سکتا ہے نہ رسول کسی شخص کو امامت کا عہدہ دے سکتا ہے بلکہ صرف خدا ہی کسی کو امام بناتا ہے اور بغیر اسکے بنائے کوئی شخص کسی جماعت یا ملک یا قوم یا کسی فرد کا پیشوا

اور صرف اپنی ذریت کی عادل فردوں کے واسطے دریافت کیا تو پھر خداوند عالم نے خود ہی ظالموں کا ذکر کیوں چھیڑ دیا؟ (کیا یہ سوال از آسمان وجواب از ریسمان نہیں کہا جائیگا) دوسری صورت بھی نہیں ہو سکتی ورنہ لازم آئیگا کہ حضرت ابراہیم ؑ ایسے پیغمبر اولوالعزم اور خلیل خدا کا لقب پائے ہوئے رسول خداوند عالم سے امامت اور پیشوائی ایسے منصب جلیل اور عہدہ رفیعہ کا سوال ان لوگوں کیلئے کریں جو عمر بھر ظالم رہے ہوں۔ اور جس وقت وہ لوگ امام بنائے جائیں اسوقت بھی ظالم ہوں۔ پس یہ سوال تو حضرت ابراہیم ؑ کی امت کا کوئی جاہل اور احمق شخص بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ آپ خود ایسا فرمائیں۔ لہذا تیسری ہی صورت ماننی پڑیگی جس میں دو شقیں ذکر کی گئیں اور یہی ہمارا دعوے ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی ذریت سے ان لوگوں کے متعلق یہ سوال کیا تھا جو مسلمان ہوں اور اپنی عمر کے کچھ حصہ میں عادل اور کچھ میں ظالم رہیں۔ اب خدا کا جواب بھی اس سوال کے مطابق ہو جائیگا کہ اس نے فرمایا اے ابراہیم میرا یہ عہدہ امامت تمھاری ذریت سے صرف انھیں لوگوں کو ملیگا جو برابر عادل رہے ہوں اور اُن لوگوں کو کسی طرح نہیں مل سکتا ہے جو اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی کافر یا ظالم رہے ہوں۔

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بعض مفسرینؒ نے اس آیہ کے لفظ عہد کا معنے بجائے امامت کے عہدہ نبوت قرار دیا ہے اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ خدا فرماتا ہے اس کا عہدہ نبوت ظالموں کو نہیں پہونچ سکتا ہے تو اب آپ اس آیت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام اور خلیفہ کا عمر بھر عادل ہونا شرط ہے اور وہ اپنی زندگی میں کسی وقت بھی ظلم نہ کرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور امام مقرر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام اور پیشوا ہر شخص نہیں ہو سکتا یعنی خدا بھی ہر شخص کو امام یا پیشوا نہیں بنادیگا بلکہ صرف اسی کو بناتا ہے جو معصوم ہو اور اس سے عمر بھر کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہو۔ کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ بھی گناہ کیا ہو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اس طرح وہ ظالم ہو گیا اور جب ظالم ہو گیا تو پھر خدا اسکو یہ عہدہ نہیں دیگا ورنہ اسکا کلام غلط ہو جائیگا جو محال ہے۔ مترجم

ؔ حضرات اہلسنت کی مشہور تفاسیر قرآن مجید میں ایک تفسیر کشاف علامہ زمخشری کی ہے جو تمام تفاسیر میں نہایت معتمد علیہ اور بکمال درجہ صحیح اور مقبول سمجھی جاتی ہے اسمیں تو اس لفظ عہد کا معنے امامت ہی لکھا ہے اور نبوت کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے چنانچہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۳۲ میں ہے ای من کان ظالما من ذریتک لاینالہ استخلافی وعہدی الیہ بالامامۃ وانما ینال من کان عادلا بریئا من الظلم وقالوا فی ھذا دلیل علی ان الفاسق لایصلح للامامۃ وکیف یصلح لہا

علاوہ بریں آپ نے آیت میں چار صورتیں نکالی ہیں مگر پانچویں صورت بھی نکلتی ہے جس کو آپ نے ذکر نہیں کیا وہ یہ کہ جائز ہے حضرت ابراہیم ؑ نے گمان کیا ہو کہ آپ کی ذریت کے وہ بعض لوگ جنکے لئے آپ نے امامت کا سوال کیا تھا اسلام اور عدالت کے ساتھ متصف ہونگے۔ اور چونکہ حضرت کا یہ گمان ان بعض لوگوں کی کل یا بعض فردوں سے متعلق واقعہ اور فی نفس الامر کے مخالف اور باطل تھا تو خدا نے حضرت ابراہیم ؑ کو جواب دیا کہ یہ عہدہ امامت وہ جلیل المرتبہ منصب ہے جسکو ظالم لوگ کسی طرح بھی پا نہیں سکتے تاکہ حضرت ابراہیم ؑ کو سمجھا دیا جائے کہ ان سب لوگوں کے یا ان سے بعض کے مسلمان ہونے کا جو گمان انھوں نے کیا ہے وہ باطل ہے۔ تو اس صورت میں یہ خرابی نہیں لازم آسکتی ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اس امر کا سوال کیا جو شان نبوت کے مناسب نہیں ہے اور نہ خداوند عالم کا جواب حضرت ابراہیم ؑ کے سوال سے غیر مطابق قرار پائیگا لہذا امامت کیلئے عدالت اور عصمت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہوسکا۔

تو میں اس اعتراض کے جواب میں کہوں گا کہ آپ نے آیت کے لفظ عہد کا مطلب عہدہ نبوت جو ذکر کیا تو ایسا واقعا نہیں ہے کیونکہ (خدا نے تو حضرت ابراہیم ؑ سے فرمایا تھا کہ میں تم کو امام بناتا ہوں اسپر حضرت ؑ نے دریافت کیا کہ کیا میری ذریت سے بھی کچھ لوگوں کو تو امام بنائے گا؟ خداوند عالم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم میرا یہ عہدہ ظالموں کو نہیں پہونچ سکتا ہے پس نبوت کا تو یہاں ذکر بھی نہیں ہے وہ مراد کیونکر ہو سکتی ہے علاوہ بریں) اکثر مفسرین نے جن میں (علامہ زمخشری) صاحب تفسیر کشاف اور انکے امثال بھی ہیں جو اکابر مفسرین سے ہیں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ عہد سے مراد عہد امامت ہی ہے چنانچہ یہی سیاق آیت سے بھی ظاہر ہے۔ علاوہ بریں ہم کہیں گے کہ جب عہدہ نبوت ظالموں کو نہیں مل سکتا تو عہدہ امامت انھیں بدرجہ اولے نہیں ملیگا اس لئے کہ نبیوں پر تو فرشتے آتے ہیں۔ وحی نازل ہوتی ہے جو ظالم نبی کو اسکے ظلم سے روک سکتی ہے برخلاف امام کے کہ اس پر نہ وحی آتی ہے نہ فرشتے آتے ہیں جو اسے اس کے ظلم اور فسق و فجور سے روک سکیں۔ پس

من لا یجوز حکمہ وشہادتہ ولا تجب طاعتہ ولا یقبل خبرہ ولا یتقدم للصلاۃ۔ یعنی حضرت ابراہیم ؑ کے سوال کے جواب میں خداوند عالم نے حضرت سے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم تمھاری ذریت سے جو شخص بھی ظالم ہوگا اسکو میرا استخلاف (خلیفہ بنانا) نہیں ملسکتا اور اس تک میرا عہدہ امامت نہیں پہونچ سکتا ہے بلکہ یہ عہدہ امامت اسی شخص کو ملیگا جو عادل اور ظلم سے بری ہوگا۔ اور لوگوں نے بیان کیا ہے کہ خدا

اگر ظالموں کو عہدہ امامت ملجائیگا تو انھیں ظلم سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہوگی اور وہ جس قدر چاہیں گے ظلم کرتے رہیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس مضمون کی تفصیل اور اس کلام کی تحقیق عصمت آئمہ کی بحث میں ذکر ہو چکی ہے۔

اور اس اعتراض کا دوسرا جزو یہ جو بیان کیا ہے کہ "جایز ہے حضرت ابراہیم ؑ نے بیان کیا ہو الخ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا یہ گمان کہ انکی ذریت سے بعض لوگ اسلام و عدالت سے متصف ہیں اسوقت باطل سمجھا جاتا جب وہ بعض لوگ موجود اور معین ہوتے اور ان کی حالت کی درستی یا خرابی کی طرف نظر کی جاسکتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ جماعت بعد کو آپ کی ذریت سے پیدا اور بعد ہی میں کفر یا ضلالت سے متصف ہونے والی تھی کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے زمانہ میں آپ کی ذریت سے جو لوگ موجود تھے مثلاً حضرت اسمٰعیل ؑ یا حضرت اسحاق ؑ وہ یقیناً معصوم تھے جنکے متعلق کوئی شخص بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کے اسلام اور عدالت کا گمان باطل کیا ہو۔ اور جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کی ذریت سے اس وقت تک پیدا ہوئے ان میں سے بعض تو انبیاء معصومین ہوئے۔ اور بعض اولیاء مرجوین اور بعض فاسق و فاجر مسلمین۔ اور بعض کفار مردودین جیسا کہ خداوند عالم نے سورہ الصافات رکوع ۳ میں اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔ وبارکنا علیہ وعلی اسحق ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہ مبین یعنی ہم نے حضرت ابراہیم پر اور اسحق پر اپنی برکت نازل کی اور ان دونوں کی نسلوں میں بعض تو نیکوکار اور بعض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے اس کلام میں اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص فاسق ہوگا اسمیں امامت کی صلاحیت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور اس عہدہ امامت کی صلاحیت اس شخص کو کیونکر حاصل ہو سکتی ہے جسکا حکم اور جسکی شہادت جائز نہیں ہے اور جسکی طاعت واجب نہیں ہے اور جسکی خبر قبول نہیں کیجا سکتی ہے اور جو نماز جماعت بھی نہیں پڑھا سکتا ہے انتھیٰ۔ دوسری مشہور تفسیر امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر ہے اسکی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۷ میں بھی عہد سے مراد امامت ہی لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں ذکروا فی العھد وجوھا احدھا ان ھذا العھد ھو الامامۃ المذکورۃ فیما قبل یعنی مفسرین نے عہد کے معنے میں کئی صورتیں ذکر کی ہیں ایک یہ کہ یہ عہد وہی امامۃ ہے جو اسکے قبل خدا نے حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ میں نے تمکو لوگوں کا امام بنایا ہے انتھیٰ۔ ہاں بعض مفسرین نے عہد سے مراد نبوت یا امامت یعنی دونوں احتمال لیا ہے چنانچہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۸۲ میں ہے عھدی ای نبوتی وقیل الامامۃ یعنی خدا کے

نافرمانی کر کے اپنی جان پر صریحی ستم دکھانے والا ہے۔ اور اسمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت سے بعض ان لوگوں کے لئے جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے امامت طلب کی تو حضرت کی شان نبوت کا مقتضے اور لفظ من ذریتی (میری ذریت سے بعض) سے بعض ہی کی تخصیص کا قرینہ صاف بتاتا ہے کہ آپنے خداوند عالم سے اس عہدہ جلیلہ کا سوال اپنی ذریت کے لئے اس شرط کے ساتھ کیا ہوگا کہ وہ لوگ ہمیشہ یا اپنی عمر کے بعض حصہ میں صفت اسلام و عدالت سے متصف ہونگے۔ اور جب یہ احتمال پیدا ہوا کہ آپ کی ذریت کے وہ بعض لوگ جو اوس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے واقعا مسلمان اور عادل ہونے والے تھے اور وہ حضرت ابراہیم کے ذہن میں معین بھی نہیں تھے تاکہ آپ اُنکے حالات میں غور و فکر کریں اور اُن لوگوں کے بارے میں اس امر (اسلام و عدالت) کا گمان کریں جو ان میں واقعا نہیں تو یہ احتمال کہ یہ بعض فرد ہیں جنکو حضرت ابراہیم ؑ نے امامت کا سوال کرنے کے لئے مخصوص کیا تھا ان لوگوں سے تھیں جو آپ کے گمان کے خلاف تھیں۔ خود بخود ساقط ہوگیا۔

اور بعض ناافہموں نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے سوال اور خدا کے جواب میں عدم مطابقت نہیں ہے اسلئے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیم ؑ کے سوال کا کوئی جواب ہی نہیں دیا بلکہ اسکو ترک کر کے ایک نیا مضمون بیان کرنے لگا کہ عہدہ امامت ظالموں کو نہیں مل سکتا ہے تو گویا اوس نے حضرت ابراہیم ؑ کی دعا قبول کر لی اور اسکے ساتھ اس مضمون کو زیادتی کے طور پر بیان کر دیا۔ گویا خدا نے فرمایا ہاں اے ابراہیم تمھاری ذریت سے بھی لوگوں کو امام بنائینگے اور اس کے علاوہ یہ مضمون بھی سن رکھو کہ میرا یہ عہدہ ظالموں کو نہیں ملیگا۔ مگر اس تاویل کیک کا مہمل ہونا واضح ہے اسلئے کہ ایسا کلام تو کوئی معمولی فصیح شخص بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ملک علام کہ اصل سوال کے جواب سے تو بالکل سکوت اختیار کر لے اور جواب کے عوض وہ بات کہنے لگے جسکا سوال ہی نہیں کیا گیا ہو۔ ہاں اگر کسی شخص کا سوال ہی ایسا مہمل ہو جس کے جواب کی خاموشی بہتر ہو تو وہاں ایسا ہو سکتا ہے جیسا کہ آئمہ فن بیان نے حکیم اور دانا شخص کے اسلوب کلام میں ذکر کیا ہے لیکن حضرت ابراہیم ؑ کا یہ کلام تو کسی طرح بھی ایسا نہیں کہا جا سکتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لفظ عہدی سے مراد خدا کی نبوت ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد امامت ہی ہے ا تھے۔ تو اس احتمال کو پیدا کرنے والوں کا جواب حضرت شہید ثالث علیہ الرحمہ نے متن کتاب میں دیدیا ہے ۱۲۔ مترجم

علاوہ بریں اس قسم کی تاویل تو ہر اس مقام پر کردی جاسکتی ہے جہاں کوئی جواب کسی سوال کے مطابق نہ ہو۔ پھر اگر یہی ہوا کرے تو کسی غیر مربوط غیر متعلق اور بے تکے جواب پر کبھی کوئی اعتراض ہی نہ ہو۔
آخر میں فاضل مخاطب نے چوتھی اور پانچویں دلیل یعنی امام کے اس وقت تمام لوگوں سے افضل و اکمل ہونے کا جو جواب دیا ہے اسکا بھی یہی حال ہے کہ کسی طرح عقل کے مطابق نہیں ہے اور یہ اس درجہ واضح ہے کہ اسکے رد کرنے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی۔

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ لیکن دلائل نقلیہ پس قرآن و احادیث متواترہ میں موجود ہیں اگر قرآن (کو دیکھیے تو اوس کی) بہت سی آیتیں ہیں (جو امامت و خلافت بلافصل حضرت علی بن ابیطالب ؑ پر دلالت کرتی ہیں)۔
پہلی آیت یہ ہے "انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" یعنی اے ایمان والو تمھارا حاکم اللہ اور رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں وہ لوگ جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (سورہ مائدہ رکوع ۸) اس آیت کی بابت مفسرین کا اجماع ہے اور تمام صحاح ستہ میں مذکور ہے کہ علی بن ابیطالب ؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور وہ اوسوقت جبکہ آپ نے صحابہ کے سامنے اپنی انگوٹھی حالت نماز میں مسکین کو عطا کی تھی اور ولی وہی شخص ہوتا ہے جو متصرف ہو۔ اور اس آیت میں خدا نے ولایت کو اپنی ذات کے لئے ثابت فرمایا ہے اور اپنے ساتھ رسول و امیر المومنین کو شریک کر لیا ہے اور (معلوم ہے کہ) خدائتعالے کی ولایت عام ہے کسی خاص فرد یا جماعت کے ساتھ مخصوص نہیں) لہذا نبی و ولی کی ولایت بھی اوسی طرح عام (اور تمام افراد نوع بشر کو شامل) ہوگی۔

قول الناصب اس کلام کا جواب یہ ہے کہ آیت میں "ولی" کے معنی "ناصر" کے ہیں کیونکہ یہ لفظ "ولی" مشترک ہے اور متصرف۔ ناصر۔ محب۔ اولی بالتصرف مثل ولی صبی وغیرہ سب پر اطلاق کیا جاتا ہے اور لفظ مشترک جبکہ کئی معنوں کا احتمال رکھتا ہو تو کسی معنی مطلوب کے ساتھ مخصوص کرنے کے لئے قرینہ کا موجود ہونا لازم ہے اور یہاں ایسا ہی ہے کہ لفظ ولی بہت سے معنوں میں مشترک ہے لہذا معنی متصرف کے ساتھ خاص کرنے کے لئے قرینہ کا وجود ضروری ہے) لہذا یہ آیت امامت علی بن ابیطالب ؑ پر

نفس نہ ٹھری اور اس سے استدلال باطل ہوگیا اور اس بات پر قرائن بھی موجود ہیں کہ
اس مقام پر لفظ "ولی" سے "ناصر" مراد ہے "اولی بالتصرف" مقصود نہیں اور وہ یہ کہ اگر یہ لفظ
اس معنی پر محمول کیا جائیگا تو آیت اپنے ماقبل یعنی قول باری تعالیٰ "یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا
الیھود والنصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض" (اے ایمان دارو تم یہودیوں اور
نصرانیوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں) سے (بے
ربط و) غیر مناسب ہوجائیگی کیونکہ لفظ "اولیاء" اس آیت میں "انصار" کے معنی میں ہے
نہ کہ احقین بالتصرف کے معنی میں۔ اسی طرح اپنے مابعد یعنی اس آیت "ومن یتول اللہ ورسولہ
والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون" (اور جس شخص نے خدا اور رسول اور انھیں ایمان
داروں کو اپنا سرپرست بنایا تو خدا کے لشکر میں آگیا اور اس میں شک نہیں کہ خدا ہی کا
لشکر ور ہتا ہے) سے مناسب نہ رہیگی کیونکہ "تولی" کے معنی یہاں محبت و نصرت کے ہیں
لہذا لازم ہے کہ درمیان میں واقع ہونے والی آیت بھی نصرت ہی کے معنی پر محمول کیجائے
تاکہ اجزاے کلام سب ایک دوسرے سے مناسب رہیں۔

قول احقاق

فاضل مخاطب کا یہ کلام کئی وجہوں سے قابل اعتراض ہے پہلی وجہ یہ ہے
کہ یہاں اس کا قرینہ موجود ہے کہ "ولی" سے فقط "اولی بالتصرف" مراد ہے
دیگر معانی مقصود نہیں ہیں (اور وہ قرینہ یہ ہے کہ) مومنین موصوفین میں ولایت کو بحالت رکوع
زکوۃ دینے کے وصف کے ساتھ منحصر کر دینا معنی نصرت کے مراد نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے
اگر ایسا نہ ہو تو بمقتضاے حصر لازم آئیگا کہ ولی مومن کی ولایت کی شرط یہ قرار پائی کہ وہ حالت
رکوع میں زکوۃ دے اور اس کا فاسد ہونا ظاہر ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ اگر "ولی" سے
ناصر مراد ہو اور "الذین امنوا" سے ساری جماعت اون مومنین کی مراد ہو جن کا وصف نصرت
سے متصف ہونا ممکن ہے تو اس صورت میں حصر تو درست ہوگا لیکن بحالت رکوع زکوۃ
دینے کا وصف درست نہ ہوگا (کیونکہ اس وصف کا اون تمام مومنین میں جو ناصر قرار پا سکتے
ہوں موجود ہونا ثابت نہیں بلکہ سواے علی ابن ابیطالب کے اور کسی میں اس وصف کا
موجود نہ ہونا ہی ثابت ہے) اور اگر "ولی" سے ناصر اور "الذین امنوا" سے علی بن ابیطالب
علیہ السلام مراد ہوں تو حصر باطل ٹھیرےگا کیونکہ تمام مومنین کا ایک دوسرے کے لئے ناصر
ہونا ممکن ہے اور بحکم الہی ثابت ہو چکا ہے پھر یہاں ایک فرد کی تخصیص کیسی؟) اور اگر "ولی"

ایسا کروگے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسولؐ کو یہ علم تھا کہ لوگ علیؑ کو امیر نہیں بنائینگے پھر خدا کو کیونکر نہ رہا ہوگا) پس اسی علم کی وجہ سے حجت تمام کر دینے کے لئے تاکید و حصر کے ساتھ "انما ولیکم اللہ" فرمایا۔

سوم یہ کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حصر اوس تردد کے دفع کرنے کے لئے کیا گیا ہو جو نزول آیت کے وقت بعضوں کے دلوں میں تھا (اور وہ اس امر میں) کہ ولایت خدا و رسول ہی میں منحصر ہے یا ان کے علاوہ بھی کوئی شخص اسمیں شریک ہے اور حصر سے مقصود یہ ہو کہ خدا و رسول کے ساتھ تیسری ذات کی بھی شرکت کی تعیین کر دی جائے جیسا کہ قول باریتعالے: "وما ارسلناک الا کافۃ للناس" میں قصر قلب کیا گیا ہے تاکہ رسولؐ کی رسالت کا کافہ ناس پر مشترک اور عام ہونا ثابت کر دیا جائے اور یہود و نصاری کا یہ خیال باطل ٹھیرایا جائے کہ وہ فقط عرب کے لئے مخصوص ہے۔

چہارم یہ ہے کہ معترض کے کلام کا محصل خدا پر اعتراض کرنا اور اوسکی طرف فعل لغو و عبث کی نسبت دینا ہے کیونکہ اون کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت و ولایت تو بعد رسولؐ واقع ہوئی لہذا اس حصر سے وہ تو برطرف ہو نہیں سکتی (یعنی مفاد حصر یہ ہے کہ جس وقت آیت نازل ہوئی تھی اوسی وقت میں ثبوت ولایت محدود و مخصوص ہو جائے نہ کہ ہمیشہ کے لئے پس اگر کوئی خلافت و ولایت دوسرے اوس عہد میں واقع ہوتی تو اوسکو یہ حصر برطرف کر دیتا لیکن جو ولایت عہد نبیؐ کے بعد واقع ہوئی ہے وہ اس کے احاطہ سے باہر ہونے کی وجہ سے مرتفع نہیں ہو سکتی) اور بموجب اعتقاد اہلسنت عہد حیات نبیؐ میں نہ کوئی امام و خلیفہ تھا اور نہ کسی کے خلافت میں کسی کو تردد تھا (جسکو دور کرنا ضروری تھا) لہذا یہ حصر لغو و عبث ہوگا۔

پنجم یہ کہ حصر نفی امامت (غیر مومنین موصوفین) پر مطلقاً دلالت کرتا ہے (خواہ وہ کسی عہد میں ہو) نہ کہ خاص اوسی وقت میں (جسمیں آیت نازل ہوئی تھی اور بس) اگر ایسا ہی ہو تو کلمہ توحید (کا حصر) صرف اونھیں لوگوں کی الوہیتہ کی نفی کریگا جو اوسکے نازل ہونے کے وقت مدعی الوہیتہ تھے مطلقاً ہر زمانہ کے دعوی کرنے والوں کی الوہیتہ کی نفی نہ کر سکے گا۔ اور اس امر کا فاسد ہونا ظاہر ہے (اسلئے کہ کلمہ توحید ہر زمانہ میں خداوند عالم کے سوا دوسرے معبودوں کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے خواہ وہ معبودان باطل زمانہ جاہلیت میں سمجھے گئے ہوں یا آئندہ سمجھے جائیں)

کرنے کو بھی مشتمل ہے (یعنی وہ نصرت کے ساتھ متصرف بھی ہیں اون کی نصرت تصرف فی الامور سے خالی نہیں ہے) پس وہ لوگ جو "الذین امنوا" کے مصداق ہیں اونکی نصرت بھی ایسی ہی ہوگی (یعنی وہ ناصر ہونے کے ساتھ متصرف فی الامور بھی ہونگے) زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوگی کہ انکا تصرف فی الامور مفہوم مشکک ہوگا جو اولویۃ و اولیۃ و اشدیۃ کے اعتبار سے مختلف ہوگا (ذات الٰہی میں اس مفہوم کا تحقق اول واولی واشد ہوگا اور رسول کی ذات کا درجہ اتصاف اوس سے کم ہوگا اور مومنین موصوفین کا مرتبہ رسول سے کم) بلکہ تحقیق تو یہ ہے کہ وہ کل دس معانی جو لوگوں نے لفظ "ولی" کے ذکر کئے ہیں اون سب کی رجوع معنی اولی بالتصرف کی طرف ہوتی ہے اس لئے کہ غلام کا مالک (جو معانی مذکورہ میں شامل ہے) اپنے غلام پر (باعتبار تصرف) اولے ہے اور وہ (دوسروں کی نسبت) اپنے مالک سے اولے (واقرب) ہے اسی طرح آزاد کرنے والا مالک اپنے بندہ آزاد پر اولے بالتصرف ہے اور وہ آزاد کرنے والے پر، اور اسیطرح ہمسایہ اپنے ہمسایہ اور حلیف اپنے حلیف اور ناصر اپنے منصور اور ابن عم اپنے ابن عم کے لئے اولے ہے یہ تمام مذکورین اور ان کے علاوہ وہ لوگ جن کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا ہے اپنے صاحب کے لئے بہ نسبت اون لوگوں کے جن کو وہ ولایت حاصل نہیں ہے اولے ہیں اور یہ امر کہ اصل معنی ولی اولے ہی کے ہیں اور دیگر معانی پر اوسکا اطلاق اسی لئے کیا گیا ہے کہ اُن میں (اولویۃ موجود ہے) اوس شخص پر مخفی نہیں ہے جو تامل وانصاف سے کام لے۔

سوم یہ کہ آیات میں موافقت تو اوسی وقت واجب ہوتی ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اور ہم نے یہ واضح کر دیا کہ یہاں (انما ولیکم اللہ الخ) میں "ولی" کو ناصر و محب وغیرہ معانی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہو سکتا نیز یہ تینوں آیتیں ایک ساتھ ہی نازل بھی نہیں ہوئی تھیں کہ سب میں لفظ "ولی" کا ایک ہی معنی ہونا مناسب ٹھہرے بلکہ وہ رفتہ رفتہ نازل ہوئی تھیں اور صحابہ نے جمع کرنے میں یہ ترتیب قائم کر دی ہے بلکہ ہم تو کہیں گے کہ اگر تقدیر مذکور (یعنی ولی بمعنی اولے بالتصرف ہونے) سے آیات میں عدم مناسبت لازم آتی ہے تو اعتراض درحقیقت اون (اہلسنت) کے خلیفہ عثمان پر وارد ہوتا ہے کہ اونھوں نے تمام مصاحف کو ایک ہی مصحف میں جمع کیا اور کلمات کو اپنے اصلی مواقع سے ہٹا دیا اور جیسا کہ حق تھا آیات کو مرتب نہیں کیا (مختلف مواقع میں نازل شدہ آیات بغیر لحاظ ترتیب نزول ایک دوسرے

کے ساتھ جمع کر دیں) اور اس فعل میں متعدد مقاصد ملحوظ تھے جو ارباب عقل پر مخفی نہیں ہیں
چہارم یہ کہ فاضل مخاطب نے اپنے قول "فیجب ان یحمل الخ" میں اور اس کے ماقبل اپنے
کلام پر وجوب کو جو متفرع کیا ہے وہ محل تامل ہے اور یہ کہنا کہ "اجزائے کلام باہم مناسب
ہو جائیں" وجوب پر دلالت نہیں کرتا (یعنی مناسبت اجزائے کلام اس بات کو واجب نہیں
کرتی کہ لفظ "اولے" خواہ مخواہ معنی "ناصر" ہی پر محمول کیا جائے اولے بالتصرف کے معنی
کا مراد ہونا صحیح ہو سکتا ہی نہ ہو) خصوصاً ایسی صورت میں کہ دلیل اسی پر دلالت کر رہی ہو
کہ معنی نصرت کا مراد ہونا صحیح نہیں ہو سکتا۔

شارح مقاصد کا اعتراض اور اوس کا جواب

آیہ مذکورہ سے شیعوں کے استدلال و احتجاج پر شارح مقاصد نے یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ حصر اوسی مقام میں ہوا کرتا ہے جہاں
کوئی تردد نزاع ہو (تاکہ وہ زائل ہو جائے) اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے
وقت ولایت و امامت کے معاملہ میں نزاع بالکل نہ تھی اور نہ اوس زمانہ میں کوئی امامت
موجود تھی (کہ لوگوں کو اوس میں تردد ہوتا اور حصر سے) اوسکی نفی مقصود ہوتی (پس لفظ انما
کو یہاں مفید حصر تسلیم نہیں کیا جا سکتا) اس اعتراض کا جواب کئی وجہوں سے ہو سکتا ہے
اول خود معترض نے شرح تلخیص المفتاح بحث قصر میں کہا ہے کہ اعتقاد مخاطب کا ساتھ ثابت ہونا
اس چیز کے جس کی نفی متکلم نے کی ہو یقینی طور پر یا صرف بطور احتمال کے مخصوص ہے فقط اوس
قصر کے ساتھ جو غیر حقیقی ہے۔ (قصر حقیقی میں اسکی ضرورت نہیں) کیا تم نہیں دیکھتے کہ علما اس
پر متفق ہیں کہ قصر حقیقی کے طور پر مافی الدار الا زید (گھر میں کوئی نہیں ہے سوائے زید کے)
کہنا صحیح ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ قول کسی ایسے شخص کی رو نہیں ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ
تمام آدمی گھر میں موجود ہیں اور حاصل کلام یہ ہے کہ اس قصر (انما ولیکم) کا قصر الصفت
علی الموصوف قصراً حقیقیاً ہونا جائز ہے اور دفع تردد نزاع اور رد خطا کی شرط فقط قصر
اضافی میں ہے۔
دوم یہ کہ اس قصر کا اضافی ہونا بھی جائز ہے کیونکہ خدا تعالے جمیع اشیائے (ماضیہ و مستقبلہ)
کا عالم ہے پس چونکہ اوس کو یہ علم تھا کہ آئندہ لوگ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر دوسروں کی امامت
کے معتقد ہونگے جسکی دلیل وہ حدیث مشکوۃ بھی ہے جسکا ایک فقرہ یہ ہے لو امرتم
علیاً ولا اراکم فاعلین الخ، (یعنی اگر تم علیؑ کو اپنا امیر بناتے اور میں نہیں دیکھتا کہ تم

ہے مراد اولی بالتصرف اور "الذین امنوا" سے مراد علیؑ ہوں تو حصر اور وصف (ایتاے زکوۃ بحالت رکوع) دونوں ایک ساتھ درست ٹھہرینگے کیونکہ اس وصف کا بالخصوص امام اولی بالتصرف کی شان سے ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں بلکہ مروی ہے کہ یہ کرامت باقی آئمہ معصومین سے بھی واقع ہوئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ولایت امامت و تصرف فی الامور کے معنی میں ولایت بمعنی نصرت سے فی الجملہ عام ہے لہذا ولایت بمعنی امامت کی نفی اوس ولایت (بمعنی نصرت) کی نفی کا بھی بوجہ اتم فائدہ دیگی جسکی نفی پہلی آیت میں یہود و نصاریٰ سے کی گئی ہے اس لئے کہ نفی عام سے خاص کی نفی بھی (اوس) امر زائد سمیت ہوجاتی ہے (جو خاص کے لئے وجہ خصوصیت ہوتا ہے) پس اس صورت میں (آیات سابقہ و لاحقہ کے درمیان) مناسبت حاصل ہوگی (محصل کلام یہ ہے کہ جب ولایت امامۃ اور نصرت فی الامور کے معنی میں لیجائے تو ولایت بمعنی نصرت سے عام ہوگی اور یہ ثابت ہے کہ عام کی نفی سے خاص کی نفی بھی لازم آتی ہے پس آیہ سابقہ میں جس ولایۃ کی یہود و نصاریٰ سے نفی کی گئی ہے اگر اوسکو تصرف فی الامور کے معنی میں لیا جائے تو مطلب آیت یہ ہوگا کہ تم لوگ یہود و نصاریٰ کو اپنے امور میں ولی متصرف نہ بناؤ اور اس سے اون کو ناصر نہ بنانے کی نفی بھی لازم آیگی کیونکہ متصرف فی الامور بنانا ناصر بنانے سے عام ہے اور عام کی نفی سے خاص کی بھی نفی ہوجاتی ہے مترجم) یہی کلام بعد والی آیت (ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون) میں بھی جاری ہوگا اسلئے کہ اس آیہ کے متعلق ان حضرات کا جو مقصود ہے اسپر کسی قسم کی دلالت نہیں پائی جاتی ہے مگر اُس صورت میں جب حزب اللہ (لشکر خدا) کو انصار اللہ (خدا کے مددگاروں) پر حمل کیا جائے جیسا کہ بعض حضرات کو وہم ہوا ہے حالانکہ اسکا لغو ہونا واضح ہے۔

نیز (آیہ انما ولیکم اللہ الذین) میں عطف اس بات کی دلیل ہے کہ ولایت جس معنی سے بھی فرض کیجائے اوس کے اختصاص میں خدا اور رسول اور مومنین موصوفین شریک قرار دئے گئے ہیں (اور وہ جس طرح خدا و رسول کی ذات سے خصوصیت رکھتی ہے اوسی طرح مومنین موصوفین میں بھی پائی جاتی ہے پس اگر وہ نصرت ہی کے معنی میں لیجائے تب بھی یہ بات مخفی نہیں ہے کہ خدا و رسول کی نصرت مومنین کے لئے اون کے امور میں مناسب طریقہ سے تصرف

بعض اہلسنت کا اعتراض اور اوس کا جواب

بعض متعصبین (فخر الدین رازی نے) اس آیت سے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تم (شیعہ) کہتے ہو کہ حالت نماز میں علیؑ انتہائے خشوع وخضوع میں ہوتے اور اون کے تمام حواس وقوی خدا کیطرف استغراق وتوجہ کیحالت میں رہتے تھے اور اس کے بیان میں اتنا مبالغہ کرتے ہو کہ کہتے ہو جب کبھی لڑائی میں کوئی تیر اون کے جسم میں آلگتا اور اوس کا نکالنا مقصود ہوتا تو نماز کے وقت تک چھوڑ دیا جاتا اور (جب وہ نماز میں مشغول ہوتے) تو لوگ اوس کو نکال لیتے اور اون کو استغراق کامل کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا تھا آخر اونھوں نے سائل (کے سوال) کو نماز کی حالت میں کیونکر محسوس کیا جو انگوٹھی عطا کی۔ اس اعتراض کا جواب ہمارے بعض علمانے ان اشعار میں دیا ہے ؎

یعطی ویمنع لا تلھید سکرته ٭ عن الندیم ولا یلھو عن الکاس

اطاعه سکره حتی تمکن من ٭ فعل الصحاة فھذا افضل الناس

یعنی ہمارا ممدوح جسکو چاہتا ہے بخشدیتا ہے اور جسکو مستحق نہیں پاتا ہے اوسکو نہیں دیتا ہے اسکا استغراق اسکو غافل نہیں کر دیتا ہے اور وہ اپنے ذخیرہ جود وعطا کو بھی نہیں بھولتا ہے اسکا استغراق خود اسی کا مطیع ہو گیا ہے یہانتک کہ وہ بالکل غیر مستغرق ہونے والوں ایسا کام کرتا ہے تو یہ افضل ناس ہے۔

اور اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حضرتؑ نماز کیحالت میں ویسے ہی مستغرق رہتے تھے جیسا کہ معترض نے کہا ہے لیکن پھر بھی آپ کو سائل اور اوسکے سوال کا احساس ہو گیا اور اس سے التفات الی غیر الحق لازم نہیں آتا کیونکہ آپ نے وہی کام کیا جسکی انتہا حق تعالےٰ ہی کیطرف ہوتی ہے (لہذا اوس کی طرف التفات جو حاصل تھا اوس میں فرق نہیں آیا بخلاف اس کے تیر کے نکالنے کا احساس اوسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ التفات خدا کی جانب سے ہٹکر اپنے جسم کیطرف آجاتا کیونکہ اس احساس کو ذکر الٰہی سے کوئی تعلق نہ ہوتا) پس آپ مثل اوس شرابی کے تھے جو نشہ میں سرشار ہوتے ہوئے صحات (جو لوگ مدہوش نہ ہوں) کے ایسے افعال کرتا ہے اور پھر یہ افعال اوسکو اس وقت نہ ندیم اور جام شراب سے غافل کرتے اور نہ وہ نشہ کی حالت سے خارج ہوتا اسکو خوب غور سے سمجھنا چاہیے۔

میں کہتا ہوں کہ اس اعتراض کا جواب یہ بھی ہے کہ امیر المومنینؑ کو اوس وقت وہ مرتبہ وحدۃ فی الکثرۃ وخلوۃ فی الجلوۃ حاصل تھا جو اولیا کو حاصل ہوا کرتا ہے اور حضرات اہل سنت کے جماعت صوفیین سے نقشبندیہ فرقہ نے اپنے لئے ثابت کیا ہے اور اون کا یہ قول مشہور ہے کہ خلوت در انجمن میداریم۔ یعنی ہملوگ انجمن میں خلوت رکھتے ہیں۔ پس جبکہ صوفیین اہل سنت اس مرتبہ کو اپنے نفوس میں حاصل بتاتے ہیں تو) ایسے ہی مرتبہ کے حاصل ہونے میں اہلسنت کو علیؑ کے ساتھ نزاع کرنا مناسب نہیں ہے البتہ جبکہ یہ کہیں کہ نقشبندیہ نے تصوف میں اپنے فرقہ کو حضرت ابو بکر کیطرف نسبت دی ہے لہذا اون کی برکات سے اون لوگوں کو ایسے مرتبہ کا حصول ممکن تھا جو علی کو حاصل نہیں ہو سکتا تھا تو اس کلام کا دفع کرنے والا خدا ہی ہو سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔

قول مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ دوسری آیت یہ ہے "یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک"۔ جمہور مفسرین ناقل ہیں کہ بیان فضل علی میں بروز غدیر خم یہ آیت نازل ہوئی اوس وقت رسول خدا نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ایہا الناس الست اولی منکم بانفسکم قالو بلی یا رسول اللہ قال من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ کیفما دار" یعنی اے لوگو کیا میں تمھارے نفسوں پر تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا ہوں؟ سب نے عرض کی ہاں یا حضرت آپ ضرور ہمسے اولے ہیں تو حضرت نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اوس کے مولا علی بھی ہیں۔ اے خدا تو دوست رکھ اسکو جو علی کو اپنا مولا سمجھے اور دشمن رکھ اسکو جو انکو دشمن رکھے اور مدد کر اوس کی جو علی کی مدد کرے اور چھوڑ دے اسکو جو علی کو چھوڑ دے اور حق کو ادھر پھیر نا جدھر جدھر علی پھرتے رہیں۔ (اس حدیث میں) لفظ مولے سے اولے بالتصرف مراد ہے اس لئے کہ پہلے "الست اولے" فرمادیا ہے (جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولے سے معنی اولے ہی مراد ہیں) اور اس لئے بھی کہ معنی اولے بالتصرف کے سوا کوئی دوسرا معنی یہاں مراد ہونے کے قابل نہیں۔

قول باطل یہ قول کہ آیت مذکورہ کے علیؑ کی شان میں نازل ہونے پر مفسرین کا اجماع ہے باطل ہے کیونکہ مفسرین کا اس پر اجماع نہیں ہے اور یہ جو کچھ مروی ہے کہ رسول خدا نے بروز غدیر خم علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر "الست اولی" فرمایا تو بیشک روایات صحاح سے

ثابت ہے اور ہم نے اس کا راز ترجمہ کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں بیان کیا ہے اوسکا
ملخص یہ ہے کہ واقعہ غدیر خم آنحضرتؐ کی حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت واقع ہوا تھا
اور غدیر خم وہ مقام تھا جہاں سے قبائل عرب (مختلف اطراف میں) جدا ہوتے تھے اور آنحضرت
کو یہ معلوم تھا کہ اب آخر عمر آپہونچی ہے اس کے بعد آپ کے پاس عرب کا ایسا جم غفیر جمع
نہ ہوگا پس آپ نے چاہا کہ آپ نے اہلبیت اور قبیلہ کی بابت عرب کو حفظ محبت کی وصیت
کردیں اور اسمیں شک نہیں کہ علیؑ بعد رسول خدا صؐ سید بنی ہاشم و اکبر اہلبیت تھے پس آنحضرتؐ
نے اون کے فضائل بیان کئے اور وجوب ولایت و نصرت و محبت میں اون کو اپنے
نفس کے برابر قرار دیا تاکہ عرب اونکو اپنا سردار تسلیم کریں اون کے فضل و کمال کو
پہچانیں منصف کو خود یہ انصاف کرنا چاہیئے کہ اگر غدیر خم کے دن آنحضرتؐ نے خلافت
علیؑ کی تصریح ایسی نص جلی سے کردی ہوتی تو حضرت کے مقصود کے خلاف کوئی احتمال
نہیں پیدا ہوسکتا تھا حالانکہ اسکے خلاف ہوا۔ کیا محققین یہ دکھائی نہیں دیتا کہ عرب بعد رسولؐ
مبتلائے خلافت و کفر ہو رہے تھے اور اوہنوں نے مسیلمہ و سجاح و طلیحہ کو اپنا اپنا نبی بنا لیا تھا
لیکن باوجود اس کے حضرت ابوبکر کی خلافت پر ساکت تھے اور خلافت علیؑ کے بارہ میں
ایک کلمہ بھی منہ سے نہیں نکالتے تھے ایسی حالت میں کہ آنحضرت صلعم قبائل عرب کے سامنے
بر سر منبر خلافت علی پر نص کردیے ہوتے (کیونکر ممکن تھا کہ یہ کفار خلافت ابوبکر پر ساکت رہ جاتے
اور علی کی بابت ایک کلمہ بھی زبان پر نہ لاتے) لہذا اگر متامل عاقل انصاف کرے تو
جان لے گا کہ حضرت علی کی خلافت پر کوئی نص تھی ہی نہیں۔

قول احقاق پہلے تو میں یہ کہتا ہوں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے
اجماع مفسرین کا دعوے ہی نہیں کیا ہے بلکہ
"نقل الجمہور" (یعنی جمہور علما نقل کرتے ہیں) فرمایا ہے اور "جمہور" کے
معنے "اکثر" کے ہیں اور اس سے مصنف علیہ الرحمہ کی مراد یہ ہے کہ اس
آیہ کے شان نزول کے معاملہ میں جمہور اہل سنت کی ایک جماعۃ
مفسرین فرقہ شیعہ کے مفسرین سے موافقت رکھتی ہے اور ہمکو
اپنی حقیت ثابت کرنے کیلئے اسی قدر کافی ہے کہ ہمارے دعوے کے مطابق اس آیہ مبارکہ کی
تفسیر کرنے والے فرقہ اہل سنت و جماعت کے علماء سے بھی معتدبہ حضرات ہیں

تمام مفسرین اہلسنت کے اتفاق کی بھی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ اگر کسی گروہ کے بعض افراد نے کوئی رائے اختیار کی ہو اور ان کے مخالفوں میں کچھ لوگوں نے اونسے موافقت کی ہو تو وہ اوس گروہ کے باقی افراد پر حجت ہو جاتی ہے اسی لئے ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ علمائے شیعہ جمہور اہلسنت کے مقابل میں بطور احتجاج کہتے ہیں کہ "ابو حنیفہ نے یوں کہا ہے اور غزالی کا یہ قول ہے وغیرہ وغیرہ"۔ اور ایسا ہی اہلسنت بھی کرتے ہیں اور فاضل مخاطب نے بھی اپنی کتاب کے خطبہ میں ایسا ہی کیا ہے اور شیعوں کے مقابلہ میں بطور احتجاج کہا ہے کہ "حاکم ابو عبد اللہ نے یہ روایت کی ہے اور وہ شیعی امامی ہے" (پس جبکہ ایک جماعت مفسرین اہلسنت نے تسلیم کر لیا ہے کہ آیہ مذکورہ کا نزول علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی شان میں ہوا تو باقی لوگوں پر ہماری حجت تمام ہو جاتی ہے) اور بعض اہلسنت خصوصاً متاخرین کیطرف سے مخالفت کا واقع ہونا اوس میں کوئی قدح نہیں کر سکتا بلکہ وہ مخالفت اسکی دلیل ہے کہ اونھوں نے جب دیکھا کہ شیعوں کی حجت اون پر قائم ہو رہی ہے تو یہی مناسب سمجھا کہ اوسکے مخالف روایات وضع کر کے مخالفت کریں تاکہ حق کو چھپاویں اور باطل کو رائج کریں جیسا کہ اس کے بعد آنے والی آیت میں فاضل مخاطب نے بھی کیا ہے۔ بلکہ ہم تو کہیں گے کہ علی ابن ابیطالبؑ کی شان میں آیت کے نزول پر پہلے اجماع واقع تھا۔ مخالفت جو ظاہر ہوئی وہ اغراض مذکورہ کی وجہ سے بعد میں ظاہر ہوئی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ جتنی مفسرین نے اسکے خلاف روایات بیان کی ہیں وہ ثعلبی وغیرہ مفسرین متقدمین سے بھی متاخر تھے چہ جائیکہ وہ قدمائے مفسرین جو صحابہ و تابعین تھے (ان لوگوں سے بالاتفاق یہی مروی ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول امیر المومنین کی شان میں ہوا) بالجملہ اس قوم کی قبیح عادتوں اور فضیحت کن بے حیائیوں میں سے یہ ہے کہ جب کوئی آیت ایسی پاتے ہیں جو اہلبیت کے فضائل و مناقب میں نازل ہوئی ہے اور شیعہ اوس سے اونکی افضلیت و احقیت پر استدلال کرتے ہیں تو باوجود اس کے کہ خود بھی اس آیت کو اپنی کتابوں میں پہلے روایت کر چکے ہیں شیعوں کا استدلال دیکھکر اس میں کبھی مخالف کو پیدا کرتے ہیں اور کبھی اون کو ضعیف کہدیتے ہیں اور کبھی تخصیص کبھی تعمیم کبھی (بے سر و پا) تاویل کرنے لگتے ہیں (غرض کسی نہ کسی طرح اصل مرکز سے اوسکو ہٹا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں) گویا دین

وضع کرنے کا ٹھیکہ اونکے سپرد ہوگیا ہے اور گویا اس پر بوکل قرار دئے گئے ہیں کہ حضرت سید المرسلین کے لئے شریعتوں کو گڑھتے رہا کریں معلوم ہوتا ہے کہ اونھوں نے خدا کا یہ کلام سُنا ہی نہیں ہے" قتل الخراصون الذین ھم فی غمرۃ ساھون (پارہ ۲۶ رکوع ۱۹) یعنی اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں جو غفلت میں بھولے ہوئے پڑے ہیں) نیز یہ کلام نہیں سُنا ہے ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون (پارہ ۲ رکوع ۳- یعنی بیشک جو لوگ ہماری ان روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو جنھیں ہم نے نازل کیا ہے اسکے بعد چھپاتے ہیں جب کہ ہم کتاب میں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر چکے تو یہی لوگ ہیں جنپر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں) علاوہ بریں یہ لوگ کبار اہل بیت علیہم السلام مثل حضرت زین العابدینؑ و باقر علوم الدینؑ و امام الصادقینؑ اور باقی آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اور اون کے اتباع صلحائے مومنین کی روایتوں کو تو کسی شمار میں لاتے ہی نہیں بلکہ اون پر ناشائستہ مطاعن وارد کرتے ہیں اور یہ سب اسلئے ہے کہ اون کبار اہلبیت اور اون کے تابعین کرام کے کلاموں کو اپنے مقصود کے مطابق نہیں پاتے تو ان لوگوں کی حیا کس قدر کم ہوگئی اور ان کی زیادتی کس حد تک پہونچ گئی تو ایسا کرنے سے انکے بزرگوں کو کیا نفع حاصل ہوا اور انکی پیروی کرنے سے بعد والوں اور انکے پیرؤں کو کیا شرف ملیگا۔ اور فاضل مخاطب نے تو فن تحریف آیات و احادیث رسول میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے دیگر علما کو بھی رسوا کر دیا۔ اور بالخصوص مسئلہ اجماع عترت طاہرہ (جو آئندہ آئے گا) میں آیہ تطہیر کی جو نظیر گڑھی ہے وہ نہ صرف عداوۃ امیر المومنین بلکہ اون کے کفر صریح کی دلیل ہے (اچھا ان باتوں سے ہٹ کر ذرا ادھر بھی نظر کرنی چاہئے کہ کتنے کثیر التعداد اور معتبر رواۃ نے اس حدیث کی روایت کی ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ مصنف علیہ الرحمہ کا دعویٰ "نقل جمہور" صحیح ہے یا نہیں پس دیکھو کہ) یہ حدیث اہلسنت کی صحاح مثل وغیرہ میں مروی ہے اور ان کے امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں متعدد طریقوں سے اونھیں لفظوں میں روایت کی ہے جن کو مصنف علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے اور اسی طرح ثعلبی نے اپنی تفسیر اور ابن المغازلی الشافعی نے کتاب مناقب میں متعدد طرق سے روایت کی ہے اور ابن عقدہ نے ایک سو پانچ طریقوں سے نقل کی ہے اور

شیخ ابن کثیر شامی شافعی نے احوال محمد بن جریر الطبری میں اون کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک کتاب دیکھی جس میں احادیث غدیر خم دو ضخیم جلدوں میں جمع کی گئی تھیں اور ایک کتاب ایسی دیکھی جس میں حدیث طیر کے طرق جمع کئے گئے تھے اور ابو المعالی الجوینی سے منقول ہے کہ وہ تعجب کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں ایک کتب فروش کے ہاتھ میں ایک جلد کتاب دیکھی جس میں اس حدیث کے طرق روایات جمع کئے گئے تھے اور اوس پر لکھا تھا "المجلدة الثامنة والعشرون من طرق من کنت مولاہ فعلی مولاہ ویتلوہ المجلدة التاسع والعشرون" (یہ اٹھائیسویں جلد اوس کتاب کی ہے جس میں حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے طرق روایت مذکور ہیں اور اس کے بعد اونتیسویں جلد بھی ہے) اور شیخ ابن الجزری الشافعی نے اپنے رسالہ اسنی المطالب فی مناقب علی ابن ابیطالب" میں تواتر اس حدیث کا طرق کثیرہ سے ثابت کیا ہے اور اس کے منکر کو جہل و تعصب کی طرف منسوب کیا ہے بالجملہ یہ حدیث شہرت میں اوس حد کو پہونچی ہوئی ہے کہ اوس کے برابر کوئی حدیث نہیں ہو سکتی اور محققین اُمت نے قبول واعتبار کے ساتھ اوسکا خیر مقدم کیا ہے پس اس حدیث کے رد کرنے کی جرأت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو معاند جاہد اور کتب احادیث سے بے خبر ہو۔

ثانیاً (میں کہتا ہوں) کہ فاضل مخاطب نے جو اپنا گڑھا ہوا) رانہ دعوی نصوصیۃ حدیث مذکور کا قادح تصور کر کے بیان کیا ہے وہ اس سے دفع ہو جاتا ہے کہ علی ابن ابیطالب کا فضل و کمال علم وجود و شجاعت اور داماد اور چچازاد بھائی نیز غمگسار خاص ہونے کی حیثیت سے آپ کو جو قرب رسول ؐ حاصل تھا وہ تمام عرب پر ظاہر تھا بالخصوص قریش پر جنکو حجت کرنا زیادہ ضروری و اہم تھا اور اس سے پہلے ان کی محبت کے وجوب کی بابت خدا وند عالم کا یہ قول "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" (اے رسول ان لوگوں سے کہدو کہ میں تم سے اسپر اور کچھ اجرت کے سوا نہیں چاہتا کہ میرے اہلبیت کی محبت ہمیشہ رکھنا) خود قرآن مجید لوگوں کو سنا چکا تھا اور آنحضرت ؐ ان کی شان میں فرما چکے تھے "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی" میں تم میں دو بزرگ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسری عترت جو میرے اہلبیت ہیں

نیز آپ بارہا یہ فرما چکے تھے "اذکرکم اللہ فی اھل بیتی" (یعنی مسلمانو! میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں) جیساکہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے[1] علاوہ ان احادیث کے اور بہت سی حدیثیں فرمادی تھیں جن میں ان لوگوں کی محبت و توقیر و تعظیم کی ترغیب دی تھی اور ان حضرات کی مخالفت سے ڈرایا تھا یہ حدیثیں کتب حدیث خصوصاً مناقب میں مفصلا مذکور ہیں اور اون میں سے کچھ احادیث مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں نقل کی ہیں پس بداہتہ عقل یہ حکم کررہی ہے کہ رسول خدا صلعم کا اوترنا ایسے وقت اور ایسے مقام میں جس میں مسافرین کا نزول متعارف نہ تھا کیونکہ ہوا انتہا سے حرارت پر پہونچی ہوئی تھی (یعنی شدید گرمی کا دن تھا) یہاں تک کہ لوگ اپنے اونٹوں کے سایہ میں چھپتے پھرتے تھے اور پاؤں کے نیچے اپنی ردائیں بچھا رہے تھے (بغیر اس کے زمین پر پاؤں رکھنا دشوار تھا) اور وہ مقام کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ پھر پالانوں کے منبر پر بلند ہونا اور حضرت علی کو بادشاہوں خلیفوں۔ اور ولیعہدوں کی شان سے بلانا اس کے سوا کسی وجہ سے ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی وحی ایجابی جس کی تعمیل فوراً ضروری تھی کسی ایسے امر جلیل الشان و عظیم القدر کی بابت نازل ہوئی تھی جس کا تعلق بالخصوص علی بن ابی طالب سے تھا نہ کہ تمام اہل بیت سے۔ اور وہ امر حضرت علیؑ کو امامت و خلافت پر منصوب کرنا تھا نہ کہ محض طلب محبت و نصرۃ وغیرہ۔ خصوصاً یہ دیکھنے کے بعد کہ آنحضرتؐ نے ان تمام (غیر معمولی اور خلاف عادت) کارروائیوں کے ساتھ اپنے قول "الست اولی بکم من انفسکم" کا ضمیمہ بھی لگادیا تھا اوس احتمال کی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی جس کا فاضل مخاطب نے توہم کیا ہے کیونکہ یہ قول رسول صلعم ریاستہ دنیا و دین کے مراد ہونے پر نص صریح ہے اس لئے کہ اہل بیت میں سے اولے بنفس الائمہ انکی ہر فرد تو کسی طرح نہیں ہوسکتی بلکہ

[1] علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۶ میں لکھا ہے وفی صحیح مسلم وغیرہ فی خطبتہ قرب رابغ مرجعہ من حجۃ الوداع قبل وفاتہ بنحو شہر انی تارک فیکم الثقلین اولہما کتاب اللہ فیہ الھدی والنور ثم قال واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھلبیتی اذکرکم اللہ فی اھلبیتی ثلاثا غرض تین مرتبہ آنحضرت صلعم نے اہلبیت کے بارے میں خدا کو یاد دلایا ۱۲ مترجم

فقط نبی و امام ہی ہو سکتے ہیں جبکی طرف اشارہ آیہ سابقہ کی تحقیق کے ذیل میں کیا گیا۔ اور اس حدیث کے سامعین میں سے جو لوگ کلام عربی کے مدلولات کے عارف تھے مثل حضرت عمر بن الخطاب و حسان بن ثابت و حارث بن النعمان الفہری اونھوں نے اس مطلب کو سمجھ لیا تھا اور حضرت عمر کی بابت تو یہ تواتر مروی ہے کہ اونھوں نے "بخ بخ لک یا ابن ابیطالب اصبحت مولای و مولی کل مومن و مومنۃ"، (یعنی اے فرزند ابو طالب تمکو مبارک ہو، مبارک ہو کہ آپ تو میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا اور سردار بھی بنا دئے گئے) علی کو مبارک باد دی تھی۔ اہلسنت کے علامہ جلیل القدر جنکو وہ حجۃ الاسلام امام غزالی کہتے ہیں انھوں نے اپنی کتاب سر العالمین کے مقالہ رابعہ میں جسکو مسئلہ خلافت کی تحقیق میں لکھا ہے کئی بحثوں کے بعد اور بعض اختلافات کا ذکر کر کے تحریر کیا ہے کہ لکن اسفرت الحجۃ وجہہا و اجمع الجماہیر علی متن الحدیث عن خطبتہ صلوات اللہ علیہ فی یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وہو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنۃ فہذا تسلیم و رضی و تحکیم ثم بعد ہذا غلب الہوی لحب الریاسۃ و حمل عمود الخلافۃ و عقود البنود و خفقان الہوی فی قعقعۃ الرایات و اشتباک ازدحام الخیول و فتح الامصار سقاہم کاس الہوی فعادوا الی الخلاف الاول فنبذوا الحق وراء ظہورہم و اشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون (یعنی یہ سب تو ہوا لیکن حجت نے اپنا چہرہ بے نقاب کر کے دکھا دیا ہے اور جمہور کا اس امر پر اجماع و اتفاق ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلعم بروز غدیر اپنے خطبہ میں یہ فرما رہے تھے کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اوس وقت حضرت عمر نے یہ کہا تھا کہ "بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولای و مولے کل مومن و مومنۃ" اور یہ کلام اون کی طرف سے تسلیم و رضا و تحکیم کو واضح کر دیتا ہے (یعنی اس امر کو کہ حضرت عمر نے بھی حضرت امیر المومنینؑ کی ولایت و حکومت مان لی تھی اور اوس پر راضی ہو گئے تھے) لیکن بعد میں آرزو یہ غالب آگئی کہ ریاست کی باگ ہاتھوں میں آجائے اور خلافت کا علم بلند ہو اور بڑے بڑے علموں میں پھریرے باندھے جائیں اور جھنڈوں کی کھڑکھڑاہٹ سے ہوا میں تموج آجائے (اور فوجی سواروں کے) گھوڑوں کی ملی ہوئی آوازیں بلند ہوں اور بلاد و امصار مفتوح کئے جائیں پس اس آرزو نے اون کو ایسا جام ہوس پلا دیا کہ (مدہوش ہو کر) اپنے خلاف اول کی جانب پلٹ گئے اور حق کو پس

پشت ڈالدیا اور اوسکو بہت کم داموں پر بیچ ڈالا اور جو کچھ قیمت پائی وہ بہت بُری تھی۔)
رہا یہ امر کہ حسان نے بھی کلام رسولؐ کے حقیقی مقصود کو سمجھ لیا تھا تو وہ اس سے ظاہر ہے کہ
اونھوں نے اوس موقع پر وہ اشعار کہے تھے جو نہایت مشہور اور ہمارے بیان کئے ہوئے
مقصود (یعنی امیر المومنینؑ کے خلیفہ رسول و ولی امت بنائے جانے) پر دلیل صریح ہیں اون
پر رسول خداؐ نے اپنے پسندیدگی ظاہر فرمائی تھی اور اون کی ثنا کی تھی۔ رہا حارث
بن نعمان الفہری کا مقصود رسول کو سمجھ لینا تو وہ اوس روایت سے ظاہر ہے جو قدوہ
مفسرین اہل سنت ثعلبی نے آیہ "سأل سائل بعذاب واقع" (یعنی ایک سوال کرنے
والے نے واقع ہونے والے عذاب کا سوال کیا) کی شان نزول میں نقل کی ہے
اور وہ یہ کہ جب آنحضرتؐ غدیر خم پر وارد ہوئی اور لوگوں میں منادی کردی اور وہ مجتمع ہوگئے
تو علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" جب یہ خبر تمام بلاد و امصار میں
مشہور ہوئے اور نعمان بن الحارث تک پہونچی تو وہ اپنے ناقہ پر سوار ہوکر روانہ ہوا
اور خدمت رسولؐ میں پہونچا اوس وقت حضرت اصحاب کے مجمع میں رونق افروز تھے
(نعمان نہایت گستاخی سے مخاطب ہوا اور) کہنے لگا کہ اے محمد تم نے خدا کی وحدانیت
اور اپنی رسالت کی شہادت دینے کا حکم دیا ہم نے اوس کی تعمیل کی پھر ہم کو پنجگانہ
نماز کا حکم دیا وہ بھی بجالائے پھر ماہ رمضان کے روزوں کا حکم دیا اوس کو بھی
قبول کرلیا پھر خانہ کعبہ کے حج کا حکم نافذ کیا ہم وہ بھی کیا مگر تم اتنی تکلیفات پر راضی نہیں ہوئے
کہ اب اپنے بھائی کو ہم پر فضیلت دیدی (اور ہمارا حکمراں بنادیا) یہ کہکر کہ جس کا میں مولے
ہوں اوس کا علیؑ بھی مولے ہے (اچھا یہ بتاؤ کہ) یہ بات تم نے اپنی طرف سے کی ہے
یا خدا کی جانب سے کی گئی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم ہے جسکے سوا
کوئی معبود نہیں ہے کہ علی کو خلیفہ کردینے کا حکم بھی اوسی کی جانب سے نازل ہوا ہے
پس یہ سنکر حارث نے منہ موڑا اور یہ کہتا ہوا اپنے ناقہ کیطرف چلا کہ "اے خدا اگر محمدؐ کا
کلام حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی عذاب الیم نازل کردے" ابھی
وہ اپنے ناقہ تک پہونچا بھی نہ تھا کہ خدا نے اسپر آسمان سے ایک پتھر گرایا جو اوس کے
سر سے گذرتا ہوا مقام اسفل سے باہر ہوگیا اور وہ اوس جگہ مرکے رہ گیا۔ اسی واقعہ کی
بابت خدا نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی۔ سأل سائل بعذاب واقع للکافرین

لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج یعنی ایک مانگنے والے نے کافروں کے لئے ہو کر رہنے والے عذاب کو مانگا جسکو کوئی ٹال نہیں سکتا جو درجے والے خدا کی طرف سے ہونے والا تھا۔ پارہ ۲۹ رکوع ۷) انتہے۔ پس اس حدیث کا تواتر واضح ہو جانے کے بعد جس کا کہ اکابر اہل سنت کو اعتراف ہے اور اوس کے مفہوم کی اتنی صراحت کے بعد کہ فصحاے قریش نے اوس کو بخوبی سمجھ لیا تھا کسی قدح و منع کا وارد کرنا یا ایسی تاویل کے درپے ہونا جس سے عقل کو انقباض ہو محض اعوجاج فطرت و سوٓ استعداد اور تعصب و عناد کا نتیجہ ہوگا۔ اگر فی الواقع آنحضرت کیطرف سے اوس مقام اور اوس وقت میں خطبہ مذکورہ کے ارشاد کئے جانے کا سبب خوف افتراق قبائل عرب ہی ہوتا جس کا کہ فاضل مخاطب نے دعوے کیا ہے نہ کہ کوئی وحی جو امر فوری پر مشتمل تھی جیسا کہ شیعہ اپنے آئمہ علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں (بلکہ اکثر علماے اہل سنت بھی آیہ بلغ ما انزل الیک من ربک کی تفسیر میں راوی ہیں۔ مترجم) تو یہ ضرور ہوتا کہ حضرت صلعم اوس مقام پر پہونچنے سے پہلے ہی اپنے نفس میں طے کر لئے ہوتے کہ آج مجھے لوگوں کے سامنے یہ تقریر کرنی ہے اور اوس دن کی صبح ہی کے وقت (راحت و اطمینان کی حالت میں) جو کچھ کہنا تھا کہدیتے نہ کہ دوپہر کی شدید گرمی اور اثناے سفر میں فرماتے (اور لوگوں کو ناحق تکلیف دیتے) بلکہ اس صورت میں ظاہر تو یہ ہے کہ ایام حج ہی میں کہدیتے تاکہ اوس موقع کے تمام حاضرین سن لیتے اس لئے کہ جس قدر عرب وغیر عرب وہاں موجود تھے وہ مکہ سے غدیر خم کے سفر میں آنحضرت کے ہمراہ نہ تھے بلکہ بعض لوگ تو مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور باقی یمن وغیرہ جزائر عرب کے رہنے والے مکہ ہی سے اپنے وطن کی جانب روانہ ہو گئے تھے پس ظاہر ہوا کہ اوس مخصوص وقت اور محل میں وہ خبر سنانا خود رسول خدا کیطرف سے نہیں تھا بلکہ وحی الٰہی اوس کی علت تھی اور وہ اس غرض سے کہ اوس سخت وقت و محل میں مضمون خطبہ کے سننے میں مشقت جھیلنا مضمون خطبہ کو فراموش نہ کر سکنے کا زیادہ باعث ہو نیز یہ امر اس بات پر زیادہ دلالت کرنے والا تھا کہ جو واقع ہوا ہے وہ حکم الٰہی کا مقتضے ہے نہ اجتہاد نبی کا۔ اور ہمارے مقصود کے دلائل صریحہ میں سے یہ امر بھی ہے

بلکہ محبت اہلبیت اور اون کی نصرت وغیرہ امور جن کا احتمال فاضل مخاطب نے پیدا کیا ہے ان سب کی تبلیغ اسکے بعد کہ آنحضرت صلعم پہلے متعدد مرتبہ کر چکے تھے اتنی بہتم بالشان بات نہیں رہ گئی تھی کہ خدا کیطرف سے اتنی تاکید اور اتنے مبالغہ سے کام لئے جانے کا باعث ہوتی کہ خداوند عالم اپنے رسولؐ سے یوں خطاب فرماتا کہ اگر تم نے یہ کام انجام نہ دیا تو گویا اسکے احکام کی کچھ تبلیغ کی ہی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ غدیر خم میں کسی ایسے حکم کی تبلیغ مراد تھی جس سے جمیع احکام کی تبلیغ کا تحقق وابستہ تھا اور اوس سے دین کامل اور نعمت تمام ہوتی تھی اور وہ یہی حکم تھا کہ اصول دین اسلام میں سے پانچویں کی تعیین کر دیجائے (اور وہ اس طرح) کہ حضرت امیر المومنینؑ کو منصب خلافت پر معین۔ اور اون کی امامت ووجوب اطاعت کو عامہ ناس پر ظاہر کر دیا جائے اور یہی حکم لوگوں کے دلوں پر نہایت شاق اور گراں تھا اور اس کا سبب معلوم ہے کہ علی بن ابیطالب علیہ السلام نے غزوات نبی صلعم میں اون لوگوں کے اعزہ واقارب کو قتل کیا تھا اس لئے اون سینوں میں بغض وعناد بھرا ہوا تھا جس کا ثبوت اوس روایت میں بھی موجود ہے جو پہلے گذری ہے (یعنی حارث بن نعمان فہری کے سوال عذاب والی روایت میں) پس محصل اس حکم کا یہ ہوا کہ "اے رسول تم اوس حکم ایجابی فوری کو جو امامت کے منصب پر علی کو معین کرنے کی بابت تم پر نازل کیا گیا ہے لوگوں تک پہونچا دو اور اگر تم نے اس کی تعمیل وتبلیغ میں تامل کیا تو ہمارے کسی حکم کی تبلیغ کی ہی نہیں" اور اس امر (یعنی ایک حکم کی تبلیغ بجائے جملہ احکام کی تبلیغ کے قرار پانے) کی نظیر یہ ہے کہ اگر مکلف رسولؐ کی کل لائی ہوئی باتوں پر ایمان نہ لائے بلکہ بعض کو چھوڑ دے تو اوس کی حیثیت بھی اوسی شخص کی ہوگی جو کسی پر ایمان نہیں لایا ہے (پس جس طرح ایک بات پر ایمان نہ لانے سے باقی امور پر ایمان لانا کالعدم ہو جاتا ہے اوسی طرح اگر ایک حکم کی تبلیغ نہ کرنے سے جملہ احکام کی تبلیغ خدا کے نزدیک ناقابل قبول ٹھیرے تو محل تعجب نہ ہونا چاہئے۔ پھر چونکہ خدا کو یہ معلوم تھا کہ یہ کام حضرت رسول صلعم پر بہت سخت ہوگا کیونکہ آپکو اس قوم کے کینوں کا حال معلوم تھا لہذا خدا نے آنحضرت صلعم کے اطمینان اور تسکین وتسلی کے لئے یہ بھی فرما دیا کہ تم ان لوگوں کی ذرہ برابر پروا نہ کرو اسلئے کہ ان لوگوں سے تمکو خدا محفوظ رکھے گا۔ لہذا حضرت علی کی خلافت پر یہ نص کامل ہو گئی

اور وہ احتمال زائل ہو گیا جسکو اس شخص نے پیدا کر کے چاہا تھا کہ لوگوں کو وسوسہ میں مبتلا کر دے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ فاضل مخاطب نے اپنے اس قول سے کہ "حضرت رسول ص نے حضرت علی ع کو ولایت نصرت اور محبت وغیرہ میں اپنا مساوی قرار دیا" اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لفظ اولےٰ بالتصرف کے معنے میں نہیں ہے بلکہ محبت و نصرت کے معنے میں ہے۔ تو اس کا جواب علامہ علیہ الرحمہ نے پہلے ہی اس طرح دیدیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے پہلے جو سب سے دریافت کیا کہ کیا میں تمہارے نفسوں کے لئے اولیٰ بالتصرف نہیں ہوں اور سب نے کہا کہ ضرور ہیں۔ یہ سوال و جواب ہی ثابت کر دیتا ہے کہ حضرت علی کو بھی جو سب کا مولےٰ بنایا تو اس سے بھی یہی مقصود تھا کہ علی ع بھی سب کے نفسوں کے لئے ان سے اولیٰ بالتصرف ہیں (بالجملہ فاضل مخاطب نے جو کچھ حدیث ولایت کی بابت رد و قدح کی ہے اوس کی غلطی تو ہم واضح کر چکے اب رہا) ایک اور معارضہ جو صاحب مواقف نے آخر حدیث "اللھم وال من والاہ" سے پیش کیا ہے (یعنی جب آخر حدیث میں ولایت بمعنی محبت و نصرت ہے تو اول حدیث میں بھی یہی مراد ہونگے) اور اس بات سے کہ علمائے عربیہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ "مَفْعَلٌ" کا وزن "اَفْعَلُ" کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور عرف عام کا استعمال بھی یہی بتاتا ہے کہ "مولےٰ" بمعنی "اولےٰ" نہیں ہے کیونکہ "ھو اولیٰ من کذا" اور "ھو اولی الرجلین و اولی الرجال" کہنا جائز ہے لیکن (بجائے اسکے) "مولےٰ الرجلین و مولےٰ الرجال" کہنا صحیح نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "مولےٰ" کے معنی "اولےٰ ہی" کے ہیں پھر بھی اسکی دلیل کیا ہے کہ اوس سے مراد "اولےٰ بالتصرف والتدبیر" ہے؟ کیونکہ جائز ہے کہ اوس سے کسی اور امر میں اولےٰ مراد ہو جیسا کہ خداوند عالم کے اس قول "ان اولےٰ الناس بابراھیم للذین اتبعوہ" (یعنی ابراہیم سے زیادہ خصوصیت تو ان لوگوں کو تھی جو خاص اونکی پیروی کرتے تھے سورہ آل عمران رکوع ۷) میں اولویۃ اتباع اور اختصاص و قرب میں مراد ہے نہ کہ تصرف میں انتہٰے۔ میں کہتا ہوں کہ صاحب مواقف کے اس کلام میں بہت بہت سی غلطیاں ہیں۔ **اول** یہ کہ آخر حدیث کے جملہ کا معنی محبت و نصرت کے مراد ہونے کی طرف مشعر ہونے سے (جو معارضہ کیا ہے وہ) محض اوسی وقت تمام ہو سکتا ہے جبکہ

یہ کہا جائے کہ کسی ایک معنی پر لفظ کا اطلاق کئے جانے کے بعد یہ مناسب نہیں ہے کہ دیگر الفاظ جو اشتقاق میں اوس کے قریب و مناسب ہوں اون کو دوسرے معنی پر اطلاق کیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ (اختلاف اطلاق الفاظ) صنایع اور محسنات بدیعیہ میں شمار کیا جاتا ہے پس یہ دعوے اشعار ممنوع ہے خصوصاً اوس مقدمہ متواترہ کے موجود ہونے (جو پہلے مذکور ہوا) نیز آنحضرت صلعم کے کلام کا آخری حصہ ایک جملہ دعائیہ ہے جو سابق کلام کے بعد اس سے علٰحدہ ذکر کیا گیا ہے جسکو اصل حدیث سے چنداں ارتباط نہیں ہے (یعنی آنحضرت صلعم نے حدیث تو یہ فرمائی کہ جسکا میں مولا اور سردار ہوں اسکے مولے اور سردار علی بھی ہیں یہ جملہ یہاں ختم ہوگیا پھر اسکے بعد نئے مضمون کے طور پر آنحضرت صلعم نے ایک دعا بھی فرما دی جو سابق حکم سے علٰحدہ ہے کہ اے خدا تو اسے دوست رکھ الخ) لہٰذا اس سے کسی تتمہ کا اعتراض اور شبہہ نہیں پیدا ہو سکتا ہے علاوہ بریں مراد مذکور کے معین ہونے پر ہمارا استدلال صرف مقدمہ کی مناسبت ہی سے نہیں ہے بلکہ اصلی استدلال وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ مقام کی خصوصیت اور وقت کی حالت اور اس اہتمام کی کیفیت بتاتی ہے کہ اس سے مراد حضرت علی کے خلیفہ کرنے کا اعلان مقصود تھا نہ صرف محبت کی تاکید بلکہ میں تو اس سے ترقی کرکے یہ کہتا ہوں کہ آخر حدیث ہمارے موافق ہے نہ کہ مخالف کیونکہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ" کہنا فقط اوسی کے لئے مناسب ہو سکتا ہے جس کے اولیاء و اعداء ہوں اور جسکو نصرت کی احتیاج اور ترک نصرت کا خوف ہو اور ایسا وہی شخص ہوتا ہے جو سلطان یا امام ہو دوم یہ کہ کتاب تجرید کے شارح جدید (یعنی علامہ قوشجی) نے ابوعبیدہ سے اور اوس نے آئمہ لغت سے یہ نقل کیا ہے کہ "مَفعَل" بمعنے "اَفعَل" بھی آتا ہے اور اوس نے قول الٰہی "مولاکم النار" (یعنی تمھارا مولے جہنم ہے) کی تفسیر "اولاکم" سے کی ہے اور اس حدیث رسول "ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن مولاھا" میں "مولے" سے اولے و مالک تدبیر مراد ہے اور اسکی مثالیں اشعار عرب میں بکثرت موجود ہیں۔ بالجملہ "مولے" کا متولی و مالک امر و اولے بالتصرف کے معنی میں مستعمل ہونا کلام عرب میں شایع اور آئمہ لغت سے منقول ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ لفظ اس معنی میں اسم ہے "اولے" کیطرح صفت

نہیں ہے تاکہ یہ اعتراض کیا جا سکے کہ وہ یعنی لفظ مولیٰ اسم تفضیل نہیں ہے اور جسطرح یہ (صیغہ اسم تفضیل اولے) استعمال کیا جاتا ہے اسطرح وہ مستعمل نہیں ہوتا (محصل یہ ہوا کہ ایک کا دوسرے کی جگہ مستعمل نہ ہو سکنا اس لئے نہیں ہے کہ معنی میں اختلاف ہے بلکہ اوسکی وجہ یہ ہے کہ ایک اسم ہے اور دوسرا صفت وصیغہ اسم تفضیل) اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دو لفظوں کا ایک معنی میں ہونا اس بات کو چاہتا ہو کہ جس صلہ کے ساتھ اون میں سے ایک لفظ مستعمل ہوتا ہو اوسی کے ساتھ دوسری لفظ کا استعمال بھی صحیح ہو کیونکہ کسی لفظ کے دوسرے لفظ سے اقتران کا صحیح ہونا معانی کے عوارض میں سے نہیں ہے بلکہ الفاظ کے عوارض میں سے ہے (اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں لیکن جس صلہ کے ساتھ ایک استعمال کیا جاتا ہے دوسرے کا اوس کے ساتھ مستعمل ہونا صحیح نہیں ہوتا بلکہ وہ معنی ہی باقی نہیں رہ جاتے) مثلاً لفظ صلوٰۃ "دعا" کے معنی میں ہے مگر وہ علے کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور "دعا" کا استعمال "لام" کے ساتھ ہوتا ہے اور "صلے علیہ"[٣] کے معنی میں باقی نہ رہیگا (بلکہ بددعا اور اسی طرح کے معنی دیگا) شیخ رضی نے تصریح کی ہے کہ علم ومعرفۃ" دو مترادف لفظیں ہیں حالانکہ "علم" تو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور "معرفۃ" کے لفظ میں ایسا نہیں ہوتا نیز "اِنَّكَ عَالِمٌ" کہتے ہیں اور "ان انت عالم" نہیں کہتے حالانکہ یہ متصل ومنفصل ضمیریں مترادف ہیں اور اسکی بہت سی مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔

سوم یہ کہ آنحضرت صلعم نے "اولے" کے ساتھ "من انفسہم" کی جو قید لگادی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں لفظ اولے کسی دوسرے امر میں مراد نہیں بلکہ اس سے بالخصوص اولے بالتصرف ہونا ہی مراد ہے کیونکہ "اولویۃ من الناس بنفس الناس" (لوگوں کے نفوس پر خود اون سے اولے ہونے کے) اولویۃ بالتصرف کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے ہاں اگر "من انفسہم" کی قید نہ لگی ہوتی تو صاحب مواقف کا معارضہ بمقام ہو سکتا تھا اور آیہ "ان اولے الناس بابراھیم" سے اون کا استشہاد بھی صحیح ہوتا (اس آیت میں اولویۃ بالتصرف محض اس لئے مراد نہیں ہے کہ "من نفسہ" کی قید نہیں لگی ہے لیکن اگر مثل حدیث ولایت) نظم آیت یوں ہوتا "ان اولی الناس بابراھیم من نفسہ" تو اولے بالتصرف" یہاں بھی لامحالہ مراد ہوتا۔

[٣] اور "دعا لہ" کہنا صحیح ہے اگر بجائے اسکے دعا علیہ کہیں تو یہ قول صلے علیہ [٣]

چہارم فاضل مخاطب کا قول "فلینصف المنصف الخ" (منصف کو انصاف کرنا چاہیے) خود یعنی انصاف سے خالی اور نہایت تعصب پر مشتمل ہے کیونکہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اوس وقت عرب کے عمائد و اکابر وہی مولف و قبائل قریش ہی تھے جو کہ مکہ و مدینہ میں مہبط وحی و نبوت کے حاشیہ نشین تھے اور پہلے مذکور ہو چکا کہ یہ لوگ علی بن ابیطالب علیہ السلام سے منحرف رہتے تھے اس لئے کہ اون کے سینے ثارات جاہلیہ کے کینوں سے بھرے ہوئے تھے (یعنی امیر المومنین ؑ نے اون کے اعزہ و اقارب کو غزوات رسول میں قتل کیا تھا اسلئے وہ اکابر قریش آپ سے بغض رکھتے اور موقع قصاص کے منتظر تھے) اس کا اقرار فاضل مخاطب نے بھی بعد میں کیا ہے۔ رہے باقی عرب تو وہ بالکل وحشی اعراب تھے بیابانوں میں اپنے جانوروں کے چرانے میں مشغول رہتے تھے۔ اون کو نہ سبقت اسلام کی فضیلت حاصل تھی اور نہ احکام دینیہ میں مہارت رکھتے تھے پس وہ نہ اس قابل تھے کہ امر مبحوث عنہ کی بابت اون سے (مخصوص) خطاب کیا جائے اور نہ اونکی کوئی (موافقت و مخالفت) تعمیل و عدم تعمیل اعتنا و اعتبار کے لائق تھی باایں ہمہ قبائل عرب سے جو مخالفت (جناب) ابوبکر کی ظاہر ہوئی تھی اور اون کے ہاتھوں میں زکوٰۃ دینا جو بند کر لیا تھا یہانتک کہ (خلیفہ ممدوح نے) اون کو "اہل ردہ" کا خطاب دیا اوس کا باعث یہی تھا کہ وہ اہل بیت کی خلافت کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور ابوبکر صاحب کی خلافت پر معترض تھے جیسا کہ صاحب کتاب الفتوح نے بنی حنیف و بنی کندہ وغیرہم کی بابت (تصریحا) ذکر کیا ہے اور ہم نے اون کے کلام کو اپنی کتاب مجالس المومنین میں نقل کر دیا ہے اور ابن حزم نے کتاب محلی میں مسئلہ احکام مرتدین کے ذیل میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی اس کا موید ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اہل ردہ کی دو قسمیں تھیں ایک قسم تو اون لوگوں پر شامل تھی جو کبھی ایمان لائے ہی نہ تھے مثل اصحاب مسیلمہ و سجاح کہ یہ لوگ کفار حربی تھے لیکن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہی نہ تھے لہذا اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اونکی توبہ اور اسلام قبول ہو سکتا تھا۔ اور دوسری قسم اون لوگوں کی تھی جو اسلام قبول کرنے کے بعد کافر تو نہیں ہوئے لیکن حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ کا مال حوالہ کرنے سے انکار کرتے تھے، اور اسی لئے اون سے جنگ کی گئی ان لوگوں کی بابت علمائے حنفیہ و شافعیہ

یں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے کہ حکم مرتد اون پر اصلاً جاری نہیں ہو سکتا تھا اور حضرت ابو بکر نے ان لوگوں سے جو برتاؤ کیا اوسکی ان علمائے ملت نے مخالفت کی ہے اور ہم بھی اون کو "اہل ردہ" نہیں کہتے اور ہمارے بیان کی صحت پر خطبہ کے وہ مشہور اشعار دلالت کرتے ہیں جن میں سے چند شعر یہ ہیں ؎

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا　　فیا لھفا ما بال دین ابی بکر

ایورثھا بکرا اذا مات بعدہ　　فتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظھر

واین التی طالبتم فمنعتم　　لک التمر او احلی لدی من التمر

فیا لیتنی دون ان راحلی ونافتی　　عشیۃ نجد بالرماح ابو بکر

یعنی ہم نے حضرت رسولخدا صلعم کی اطاعت کی اس امر میں جو ہمارے درمیان تھا۔ پس ہائے افسوس ابو بکر کے دین کا کیا انجام ہوگا۔ وہ جب مرجائیں گے تو انکی وراثت بکر کو ملیگی یا نہیں۔ یقیناً ملیگی پھر یہ کیسا اندھیر اور ظلم ہے (کہ ابو بکر کی میراث تو انکی اولاد کو ملے مگر حضرت رسولخدا صلعم کی میراث حضرت کی اولاد کو نہ دیجائے) اور وہ چیز کہاں ہے جسکا تملوگوں نے مطالبہ کیا تو تم اس سے روک دیئے گئے وہ تمھارے لئے کھجور ہے یا ہمارے نزدیک کھجور سے بھی زیادہ شیرین ہے۔

مختصر یہ کہ باعتبار عادت یہ امر کچھ بعید نہیں ہے کہ جمہور نے نص کا اخفا کیا ہو کیونکہ نص کا وجود اوس کے تواتر اور عام شہرت کو مقتضی نہیں (ممکن ہے کہ نص کے سننے والوں نے اخفا کی اجماعی کوشش کی ہو جس سے وہ درجہ تواتر و شہرت کی حد تک نہ پہونچ سکی ہو۔) خصوصاً ایسی صورت میں کہ مخفی رکھنے کے اسباب و دواعی بھی موجود ہوں اور اون کا موجود ہونا اس امر سے جو شاعنہ میں پہلے تم کو معلوم ہو چکا (ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ سلسلہ وحی کے آغاز کے بعد تئیس برس تک شب و روز میں پانچ مرتبہ رفع الیدین پر اور تین مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نماز میں زور سے اور بعض نمازوں میں آہستہ کہنے اور ان دونوں کے سنت ہونے پر نص کی جاتی

سلہ معلوم نہیں یہ اشعار کس کے ہیں اور کس موقع پر کہے گئے ہیں احقاق الحق مطبوعہ ایران صفحہ ۱۴۱ میں ان کو شعر الخطبہ کرکے لکھا ہے کا مطلب واضح نہیں ہوتا اور اشعار کا معنے بھی صاف نہیں ہے یہ بھی اطمینان نہیں ہو تا کہ کتاب ہذا میں اشعار صحیح چھپے ہیں یا غلط لہذا جو ظاہری مطلب الفاظ کے معلوم ہوئے لکھدیے گئے ۱۲ مترجم۔

تھی پھر بھی یہ دونوں باتیں ایسی حد تواتر تک نہ پہونچ سکیں کہ اُن کی بابت امت
سے اختلاف برطرف ہو جاتا حالانکہ اون کے نقل و روایت میں دواعی بہ کثرت موجود
تھے اور یہی حال اذان کی فصلوں اور وضو میں پاؤں کے دہونے یا اسپر مسح کرنے وغیرہ
اعمال شرعیہ کا ہے کہ بتواتر یہ ثابت نہ ہو سکا کہ شارع نے اذان میں کون کون
سی فصلیں مقرر کی تھیں اور وضو کا طریقہ کیا بتایا تھا پاؤں کے مسح کرنے کا حکم دیا تھا
یا دہو ڈالنے کا۔ حالانکہ زبان رسول صلعم سے مخصوص تعلیم پانے کے علاوہ رات دن
میں کئی بار اذان کی آوازیں لوگوں کے کانوں تک پہونچتی تھیں اور صحابہ آنحضرت
صلعم کو وضو کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے تو اس عدم تواتر کا نتیجہ یہ ہوا کہ
امت کے درمیان ان امور کے متعلق شدید اختلاف واقع ہو گیا) اور یہ امر کہ (اگر
کوئی نص موجود ہوتی تو) لوگ اوس سے احتجاج کرنے سے باز نہ رہتے اوس
وقت لازم ہو سکتا ہے کہ صحابہ کی عصمت بھی تسلیم کر لیجائے (یعنی یہ تسلیم کرنے کیلئے
کہ صحابہ نص کو عمداً پس پشت نہ ڈالتے بلکہ اوسکو حجت ضرور قرار دیتے تھے اونکو
معصوم مان لینا ضروری ہوگا) حالانکہ تم (اہلسنت) تو انبیاء سے بھی قبل نزول وحی
گناہ کبیرہ وصغیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز سمجھتے ہو پھر دوسروں کا حال جو کچھ بھی ہو خلاصہ
یہ کہ جب تیئیس سال کی طویل مدت میں مسائل مذکورہ (جیسے معمولی مسائل) پر ہر
روز (کئی بار) نص وارد ہوئی ہے اور باوجود اس کے مسلمانوں کے درمیان اختلاف
رفع نہ ہو سکا اور ایک بات معین نہ ہو سکی تو امامت کے مسئلہ میں جسپر اس آیت
مبحوث عنہا یا بعض دوسری آیتوں کے ذریعے بھی صرف ایک یا دو یا تین مرتبہ
نص کی گئی ہو اختلاف کا واقع ہونا بطریق اولےٰ ممکن تھا (اور اگر وہ چند نصوص مخفی رکھی
جا سکیں تو اسکو مستبعد سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں) ایک عالم حنفی نے کتاب التحقیق
(جو اصول فقہ کی ایک کتاب ہے) کی شرح میں خبر واحد کی بحث میں لکھا ہے
کہ خبر واحد کے قبول کئے جانے کی چند شرطیں ہیں اون میں چوتھی شرط یہ ہے کہ
صحابہ کے درمیان اختلاف واقع ہو جانے کے وقت اوس سے احتجاج کرنا ترک
نہ کر دیا گیا ہو کیونکہ جب اونھوں نے بوقت اختلاف اوسکو حجت قرار نہ دیا ہو تو وہ
بعض متقدمین اور عامہ متاخرین کے نزدیک مردود قرار پائیگی مگر اس رائے سے

دیگر اصولیین واہل حدیث نے مخالفت کی ہے اور اون کا قول ہے کہ جب حدیث کی سند ثبوت کو پہونچ گئی ہو تو کسی صحابی کا اوس سے اختلاف کرنا یا اوس پر عمل نہ کرنا اور حجت نہ قرار دینا اوسکے مردود قرار پانے کا سبب نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حدیث تمام خلق پر یکساں حجت ہے پس صحابی پر بھی اوسی طرح حجت ہوگی جس طرح دوسروں پر ہاتھے (محصل یہ ہوا کہ کوئی ثابت السند حدیث صحابی کے قبول نہ کرنے اور معمول بہ نہ بنانے سے مردود نہیں قرار پا سکتی بلکہ اس صورت میں خود صحابی کا عمل مردود قرار پائیگا کیونکہ وہ حدیث نبوی کے خلاف واقع ہوا) پس اگر اون احادیث صحیحہ سے جو امامت امیر المومنینؑ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور فرقہ شیعہ اُن سے اپنی اور اپنے مذہب کی حقیت ثابت کرتا ہے صحابہ نے تمسک چھوڑ دیا تو وہ قابل رد نہیں ہو سکتیں اور اون سے حجت قرار پانے کا وصف زائل نہیں ہو سکتا وہ اون پر بھی اوسی طرح حجت ہیں جس طرح دوسروں پر تا قیامت رہیں گی) اور غور و فکر کرنے کے بعد جو امر واضح ہوتا ہے یہ ہے کہ خلفاے ثلثہ کو امر خلافت میں حضرت امیر المومنینؑ پر مقدم کر دینا غلطی سے اتفاقاً واقع ہو گیا اور پھر مشہور ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان ایک مذہب بن گیا کیونکہ بعضوں نے تو تمیز ہی نہیں کی اور بعض دوسروں میں (جنھوں نے تمیز کی) امر حق ظاہر کر دینے کی قوت نہیں تھی (بلکہ اونمیں اخلاقی کمزوری موجود تھی) اور بعضوں کو شبہ پیدا ہو گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا اور اس غلطی کا اس درجہ اہم ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی سے واقع ہوا ہے کہ کتاب تلخیص المفتاح کی شرح (مختصر معانی اور مطول) میں انھوں نے کہا ہے کہ تملیح جسمیں پہلے میم اسکے بعد لام ہے ملح کا مصدر ہے جب کسی شعر میں کوئی عمدہ مضمون نظم ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں ملح الشعر یہ شعر نفیس مضمون کا ہے۔ مگر یہ مضمون اس کتاب کا محض غلط ہے جو علامہ تفتازانی شارح تلخیص کی فاحش خطا ہے کیونکہ انھوں نے تملیح اور تلمیح کو ایک سمجھ لیا اور ان دونوں کی اسطرح تفسیر کی جس سے ایک قصہ اور مثل شعر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اس طرح یہ غلطی پھیل گئی اور تمیز نہ کرنے کی وجہ سے ایک مذہب نکلگئی۔ اسی طرح اور بہت سے علما محققین ہیں جن سے اس سے بھی بڑی بڑی غلطیاں ہوئیں اور رائج ہوگئیں جیسے علامہ ابن حاجب کہ لفظ "لو" کی بحث میں ان سے بھی یہ غلطی ہوئی کہ اسکی تحقیق میں انھوں نے قول حکما کی طرف رجوع کی

اور قدیم علمائے عربیہ کی تحقیق کو ترک کر دیا۔ پس جب علمی مسائل میں کسی عالم کے اتفاقی غلطی کر جانے اور دوسروں کے اندھی تقلید کر لینے سے ایسی غلطیاں مشہور ہو جاتی ہیں تو دینی امور میں کیوں نہ پھیلے گی لہذا خلافت خلفائے ثلثہ بھی ایسی ہی غلطی تھی جو آجتک مذہب بنگئی۔ اس مضمون کو خوب غور سے پڑھنا چاہئے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ تیسری آیت (سورہ احزاب پارہ ۲۲ رکوع ۲ کی) اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (اے اہل بیت نبی! خدا نے یہی طے کر رکھا ہے کہ تملوگوں سے ہر قسم کی گندگی اور نجاست کو دور رکھے اور تمھیں اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے) مفسرین نے اجماع کیا ہے اور جمہور نے مثل امام احمد بن حنبل وغیرہ کے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ابو عبید اللہ محمد بن عمران المرزبانی نے ابوالحمرا سے روایت کی ہے اسنے کہا کہ میں نے تقریبًا نو دس مہینہ تک حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت کی ہے (تو دیکھا کہ) آنحضرت صلعم ہر روز صبح کو اپنے گھر سے نکلکر پہلے حضرت علی کے مکان پر جاتے اور اسکے دروازہ کا دونوں بازو پکڑکر فرماتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (یعنی اے گھر والو تم پر ہمارا اسلام ہو اور خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں) یہ سُنکر حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام جواب میں عرض کرتے علیک السلام یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (اے نبی خدا آپ پر بھی ہمارا اسلام ہو اور خدا کی رحمت و برکتیں نازل ہوں) اسپر آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے الصلوۃ رحمکم اللہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (اے گھر والو یہ نماز کا وقت ہے خدا تملوگوں پر رحمت نازل کرے اس نے یہی طے کر رکھا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تمکو اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے) یہ فرماکر حضرت اپنے مصلے کی طرف واپس چلے جاتے [۱] اور جھوٹ بولنا بھی رجس کی ایک

[۱] یہ روایت تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۹۸ و ۱۹۹ - اور مرقاۃ شرح مشکوۃ مطبوعہ مصر جلد ۵ کے صفحہ ۵۰۹ سے اور اشعۃ اللمعات مطبوعہ جلد ۴ صفحہ ۷۰۰ و کنز العمال وغیرہ بکثرت کتب حدیث میں ہے ۱۲ مترجم

قسم ہے اور اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے لئے خلافت کا دعوے کیا تھا پس آیہ تطہیر کے مطابق حضرت غلط دعوے تو نہیں کر سکتے تھے یقینا اپنے دعوے میں سچے ہونگے لہذا حضرت علی کی خلافت بلافصل ثابت ہوگئی۔

قول البطال میں کہتا ہوں کہ اس آیہ کے حضرت علی کی شان میں نازل ہونے پر مفسرین کے اجماع کا دعوے خلاف واقع ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس مضمون پر اجماع نہیں کیا ہے بلکہ اکثر مفسرین کا تو دعوے ہے کہ یہ آیہ ازواج رسولؐ کی شان میں نازل ہوا ہے اور نظم قرآن کے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ خدا نے اس آیہ کو اوپر سے اس طرح ارشاد فرمایا ہے یا نساء النبیؐ لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض و قلن قولا معروفا و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی واقمن الصلوٰۃ واٰتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ یعنی اے رسول کی بی بیو! تم دوسری عورتوں ایسی نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو لوگوں سے نرم نرم باتیں نہ کیا کرو اس سے اس شخص کو طمع پیدا ہوگی جسکے دل میں (شہوت زنا کا) مرض ہے اور جس سے بات بھی کرو تو اچھی بات کہنا اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہا کرو اور زمانہ جاہلیۃ کا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو اور نماز کو قایم رکھو زکوۃ دیا کرو۔ اللہ اور اوسکے رسول کی اطاعت کیا کرو سلہ اسکے سوا کوئی بات ہی نہیں ہے کہ اہل بیت خدا نے طے کر رکھا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی اور نجاست کو دور رکھے اور تمھیں اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے۔ یہ قرآن کی نص ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آیہ مبارکہ ازواج نبی صلعم کی شان میں نازل ہوا ہے اسلئے کہ یہ انھیں سے خطاب کے سلسلہ میں نازل ہوا ہے اور بیان بھی انھیں کا ہے لیکن چونکہ خدا نے صیغہ خطاب مونثین سے عدول کر کے ذکور کا خطاب استعمال کیا تو

سلہ اگر انصاف پسند بلکہ سمجھدار شخص غور کرے تو اسی ماقبل کی آیت سے اسکو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی شان میں نہیں ہے جنکی شان میں آیۂ تطہیر ہے کیونکہ اس میں ازواج کو زجر و توبیخ کے طور پر خطاب کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اغیار سے نزاکت کے ساتھ اور نرم نرم باتیں نہ کیا کریں جس سے ثابت ہوا کہ خدا کو ان بیبیوں کی عفت پر اطمینان نہیں تھا۔ بلکہ اس سے بھی قبل تر آیت کلام مجید تو ازواج کی طہارۃ کا پردہ

بعید نہیں ہے کہ اہل بیت نبی صلعم کے کل مردوں اور عورتوں کی شان میں نازل ہوا ہو جس سے حضرت علیؑ و فاطمہ و حسن و حسینؑ کو بھی شامل ہو جب شان نزول یہ ثابت ہوا تو لفظ رجس سے اس مقام پر ہر گناہ مراد ہو نہیں سکتا بلکہ رجس سے مراد صرف شرک اور گناہان کبیرہ و فواحش مثل زنا وغیرہ ہیں جیسا کہ قبل کی آیت فیطمع الذی فی قلبہ مرض بھی یہی بتاتی ہے۔ اور اگر ہم علامہ کے کل دعوے کو تسلیم کر لیں جب بھی اسکو کسی طرح نہیں مان سکتے کہ حضرت علی نے اپنے لئے خلافت کا دعوے کیا ہو۔ کیونکہ اگر حضرت اسکا دعوے کرتے تو عاجزی سے اور مخفی طور پر ایسا دعوی نہیں کر سکتے تھے اسلئے کہ آپ میں ہر قسم کی قوت پوری شجاعت موجود تھی اعوان والانصار تھے آپکا قبیلہ اور خاندان تھا اور بنی ہاشم کی خاص عظمت تھی اسکے علاوہ اور بہت سے فضائل حضرت کو حاصل تھے (تو حضرت علانیہ دعوے خلافت فرماتے نہ مخفی طور پر) اور اگر رجس سے مراد ہر گناہ ہو تو پھر حضرت عائشہ نے جنگ جمل کا جو گناہ کیا تو اس گناہ کا مواخذہ ان سے نہ کیا جائے اسلئے کہ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت حضرت عائشہ اور دیگر ازواج نبی صلعم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس طرح اس آیت سے استدلال تمام نہیں ہو سکتا۔

قول احقاق فاضل مخاطب کے اس کلام پر کئی اعتراض ہے۔ پہلا یہ کہ علامہ علیہ الرحمہ کا مقصود اجماع مفسرین سے اس مقام پر اور اسی طرح دوسرے مقامات پر شیعہ اور سنی مفسرین کا اتفاق کرنا ہے اور یہ مطلب اس طرح حاصل ہو جاتا ہے کہ بعض مفسرین اہلسنت شیعہ مفسرین کے موافق ہو جائیں اور جب اس مذہب کے بعض مفسرین ہمارے موافق ہو جائیں گے تو سب پر حجت قائم ہو جائیگی۔ علاوہ بریں ہم نے پہلے بھی بیان کر دیا ہے کہ علامہ علیہ الرحمہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور فاش کر دیتی ہے خدا فرماتا ہے یانساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیرا یعنی اے ازواج نبی تم میں سے جو بدکاری کریگی اسکو دوہرا عذاب دیا جائیگا اور یہ اللہ پر آسان ہے کیا جسکو خدا پاک و پاکیزہ کریگا اس سے کھلی بدکاری ہو سکتی ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کھلی بدکاری پر عذاب کرنے کا خطاب جن سے ہے وہ دوسرے لوگ ہیں اور ہر قسم کا رجس دور رکھنے کا خطاب جن حضرات سے ہے وہ دوسرے ہیں۔ نیز سورہ تحریم آیہ ۳ و ۴ میں خدا فرماتا ہے

دعوے اجماع سے مقصود یہ ہے کہ مخالف ظاہر ہونے سے قبل اسپر مفسرین کا اجماع تھا اور مخالف حادث کی طرف اعتنا نہیں کی جاتی ہے۔ اور ہمارے اس دعوی کی یہی دلیل کافی ہے کہ مفسرین اہلسنت سے جن لوگوں نے ہمارے بیان کے خلاف تفسیر کی ہے (یعنی کہا ہے کہ آیہ تطہیر ازواج رسول صلعم کی شان میں بھی نازل ہوا ہے) وہ علامہ ثعلبی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ سے بہت بعد پیدا ہوے ہیں اسی وجہ سے فاضل مخاطب نے یہ چالاکی کی کہ اُن اکثر مفسرین مخالفین سے جنکے دیود کا دعوے کیا ہے کسی ایک مفسر کا نام بھی نہیں ذکر کیا بلکہ فاضل مخاطب کے اس دعوے کی تکذیب انھیں کے بزرگان دین اور علماے اعلام سے اس شخص نے کردی ہے جو علم و فضل اور قرآن فہمی وحدیث دانی میں ان سے کہیں بڑھا ہوا تھا اور وہ علامہ شیخ ابن حجر مکی ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے اکثر المفسرین علی انها نزلت فی علی وفاطمه والحسن والحسین لتذکیر ضمیر عنکم وقیل نزلت فی نسائه۔ (یعنی اکثر مفسرین اہلسنت کا قول ہے کہ یہ آیہ حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین ع کی شان میں نازل ہوا ہے اسلئے کہ اسمیں ضمیر کم مذکر کی ہے۔ اگر ازواج کی شان میں یہ آیہ نازل ہوتا تو ضمیر مذکر کے عوض ضمیر مؤنث ہوتی۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیہ حضرت کی بی بیوں کی شان میں نازل ہوا ہے)[1] دوسرا اعتراض یہ کہ فاضل ممدوح نے ماقبل کی آیتوں سے جو مناسبت پیدا کی ہے تو اسکا لحاظ کرنا اُسوقت واجب ہوتا جب اس سے کوئی مانع منع نہ کرتا حالانکہ یہ امر واضح ہے کہ عنکم اور یطہرکم کی ضمیر مذکر اور بعض دوسرے خارجی قرینے جو آیندہ ذکر کئے جائیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاهرا علیه فان اللہ هو مولاه وجبریل وصالح المومنین والملائکة بعد ذلک ظهیر۔ یعنی اے عائشہ و حفصہ اگر تم خدا کی طرف توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ تمھارے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں اور اگر تم دونوں ایکا کرکے رسول کی مخالفت میں ایک دوسرے کی مدد کروگی تو خدا اور جبریل اور صالح مومنین اور ملائکہ اسکے پشت پناہ ہیں کیوں حضرات جن مقدس ہستیوں کی تصویر اس آیہ میں کھینچی گئی ہے انھیں کی شان میں آیہ تطہیر بھی نازل ہوسکتی ہے کیا اجتماع ضدین آجتک ممکن ہوا ہے؟ ۱۲۔

[1] دیکھو صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۸۵۔ اسمیں لفظ قیل خاص طور پر قابل لحاظ ہے جو ضعف قائل کیلئے

اس آیت کو ازواج کی شان میں نازل ہونے سے منع کرتے ہیں۔ لہذا مفسرین سے جو شخص اس آیت کو آیت ماقبل کی مناسبت کی وجہ سے خصوصاً ازواج کی شان میں قرار دیتا ہے وہ اپنے کو شاعر کے اس مصرع کا مصداق قرار دیتا ہے ع اتیت شیئا وغابت عنک اشیاء۔ یعنی ایک چیز تو تم نے حاصل کی اور اسکے عوض بہت سی چیزوں کو کھو بیٹھے۔ علاوہ بریں سابق کی آیتوں کو ازواج نبی کی شان میں لانے اور آیہ تطہیر کو (انما یرید اللہ سے تطہیرا تک) اہل بیت کی شان میں وارد کرکے خدا نے ایک دقیق مقصود کو ظاہر کیا ہے اور وہ یہ کہ ہر شخص سمجھ لے ازواج اور اہلبیت ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ خدا کے نزدیک انکا درجہ دوسرا ہے اور انکی منزلت دوسری ہے۔ تیسرا اعتراض یہ کہ مخاطب نے یہ جو کہا کہ "یہ قرآن کی نص ہے الخ" تو اگر اس سے اشارہ اُن آیات کی طرف ہے جنکو فاضل مخاطب نے اس آیہ سے قبل ذکر کیا ہے جسکو علامہ علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے تو ہاں درست ہے کہ قبل کی آیتیں ازواج ہی کی شان میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس سے حضرات اہلسنت کو کیا نفع ہو سکتا ہے اور اگر اس سے اشارہ کل آیات کی طرف ہے جنمیں آیت تطہیر بھی داخل ہے تو خاص آیہ تطہیر کا بھی اس پر دلالت کرنا بالکل باطل ہے بلکہ وہ اسکے خلاف پر نص ہے جیساکہ تم نے پہلے بھی معلوم کیا اور آیندہ بھی معلوم کروگے۔ رہا فاضل مخاطب کا یہ استدلال کہ "یہ انھیں سے خطاب کے سلسلہ میں نازل ہوا ہے اور بیان بھی انھیں کا ہے"، تو ماقبل کی آیت کا ازواج کی شان میں نازل ہونا اسپر دلالت نہیں کرتا کہ بعد کی آیت (یعنی آیت تطہیر) غیر ازواج کی شان میں نہیں ہے۔ خصوصاً جب اسپر دلیل بھی قائم ہے اور وہ عنکم ویطہرکم میں ضمیر مذکر کا ہونا اور اس روایت کا مذکور ہونا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین کو جمع کیا اور فدکی کمبل اوڑھاکر فرمایا اللھم ھؤلاء اھلبیتی فاذھب عنہم الرجس وطہرھم تطہیرا (اے اللہ! یہی ہمارے اہل بیت ہیں تو اون سے ہر رجس اور برائی کو دور رکھنا اور اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دینا) اور اسی طرح وہ روایت بھی جسکو علامہ علیہ الرحمہ نے محمد بن عمران

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لایا جاتا ہے مطلب یہ کہ جو لوگ اس آیہ تطہیر میں ازواج کو بھی شامل کرتے ہیں انکا قول ضعیف ہے اور انکا نام لینے کے قابل نہیں ہے ۱۲۔ مترجم

سے روایت کی ہے اور وہ روایت بھی جسکو علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ کے دسویں باب میں روایت[1] کی ہے چنانچہ لکھا ہے فی مسلم عن زید بن ارقم انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذکرکم اللہ فی اہل بیتی قلنا لزید من اہل بیتہ نساؤہ قال لا ایم اللہ ان المرأۃ تکون مع الرجل العصر من الدھر ثم یطلقہا فیرجع الی ابیہا و قومہا۔ اہل بیتہ اصلہ و عصبتہ الذین حرموا الصدقۃ بعدہ یعنی صحیح مسلم مین زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا مین تملوگون کو اپنے اہلبیت کے بارے مین خدا کو یاد دلاتا ہون۔ ہم لوگون نے زید سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلعم کے اہلبیت کون تھے۔ کیا آپ کی بی بیان بھی؟ (تو زید بن ارقم نے قسم کھاکر) کہا کہ خدا کی قسم نہین۔ اسلئے کہ عورت تو اپنے شوہر کے ساتھ کچھ زمانہ تک رہتی ہے پھر وہ شخص اسکو طلاق دیدیتا ہے تو اپنے باپ اور قوم کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ حضرت کے اہلبیت وہ لوگ ہین جو آپ کی اصل اور آپ کے گھر والے ہین وہ جنپر آنحضرت صلعم کے بعد صدقہ حرام تھا انتھے[2] اور یہ روایت جامع الاصول مین بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور مین کہتا ہون کہ زید بن ارقم کے اس قول سے کہ "عورت تو اپنے شوہر کے ساتھ کچھ زمانہ تک رہتی ہے الخ" واضح ہوتا ہے کہ لفظ اہل بیت کا اطلاق ازواج پر بطور حقیقت نہین ہے اور لغت نے اس لفظ کو بی بیون کیلئے نہین وضع کیا ہے بلکہ مجازاً ان پر بھی یہ لفظ بول دیا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ بھی مراد ہو کہ اس حدیث اور اسی کے مثل دوسری حدیثون مین مناسب یہ ہے کہ اہل البیت سے مراد حضرت کے اہل اور وہ لوگ لیے جائین جن کا تعلق اور جن کی نسبت آنحضرت سے کسی وقت زائل نہین ہوسکتی ہے برخلاف ازواج کے جن کا تعلق عارضی ہے اور ایک سکنڈ مین زائل ہو جاتا ہے۔ غرض دونون صورتین ہمارے ہی مطلوب کی تائید کرتی ہین۔ اور سید المحدثین جمال الملۃ والدین عطاء اللہ الحسینی نے کتاب تحفۃ الاحباء مین پانچ حدیثین لکھی ہین جن سے دو حدیثین جو حضرت ام سلمہ سے مروی ہین ہمارے دعوی

[1] دیکھو صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۸۹ - ۱۲

[2] یہ روایت صحیح مسلم مطبوعہ دہلی مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ میں ہے ۱۲-

بر نص صریح ہیں اسلئے کہ ان دونوں سے ایک وہ ہے جس کو ممدوح نے جامع ترمذی[1] سے نقل کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین کو اپنی عباء میں داخل کر کے وہ دعا کی جو اوپر بیان کی گئی تو حضرت ام سلمہ نے عرض کی اے رسول خدا کیا میں آپکے اہل بیت سے نہیں ہوں؟ تو حضرت نے فرمایا (نہیں تم انمیں نہیں ہو مگر) تم (بھی اپنی جگہ) خیر (ہی) پر یا خیر (ہی) کی طرف ہو اور دوسری حدیث[2] وہ ہے جسکو ممدوح نے کتاب المصابیح در بیان شان نزول از ابو العباس احمد بن الحسین المفسر الضریر الاسفرائنی سے نقل کیا ہے جسمیں یہ مضمون ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین کو اپنی عباء میں داخل کیا تو فرمایا

اللھم ھولاء اھل بیتی واطھار عترتی واطایب ارومتی من لحمی ودمی الیک لا الی النار اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ یعنی اے اللہ یہی میرے اہلبیت اور میری عترت اطہار اور میری اصل کے پاکیزہ ترین افراد ہیں جو میرے گوشت اور خون سے ہیں تیری طرف آئے ہیں نہ آگ کی طرف۔ تو ان سے ہر برائی کو دور رکھ اور انھیں اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے۔ اور اس دعا کو حضرت نے تین بار اعادہ کیا ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے رسول خدا صلعم کیا میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں تو حضرت نے فرمایا (نہیں تم انکے ساتھ نہیں ہو سکتی ہو مگر) تم (بھی) خیر کیطرف یا میری بہتر ازواج سے ہو۔ اسکے بعد سید قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیہ مبارکہ حضرات پنجتن پاک ہی کی شان والاشان میں نازل ہوا ہے (نہ ازواج کی شان میں) اور اسی وجہ سے ان حضرات کو آل عبا کہتے ہیں بعض اہل کمال شاعر نے کیا ہی خوب اس مضمون کی ایک رباعی کہی ہے ؎

علی اللہ فی کل الامور توکلی — وبالخمس اصحاب العباء توسلی

محمد المبعوث حقا و بنتہ — وسبطیہ ثم المقتدی المرتضیٰ علی

[1] یہ روایت جامع ترمذی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ کے صفحہ ۴۶۸ نیز مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۹۲ وغیرہ میں ہے۔ ۱۲

[2] فضائل اہلبیت کی یہ اور اسی طرح بکثرت دوسری حدیثیں تفسیر درمنثور، کنز العمال، مشکوۃ۔ وغیرہ میں ہیں

یعنی کل امور میں میرا بھروسہ اور توکل خدا ہی پر ہے۔ اور پنج تن پاک یعنی اصحاب عبا ر
ہی سے میں توسل کرتا ہوں وہ پنج تن پاک جو حضرت محمد پیغمبر برحق اور آپ کی صاحب
زادی (فاطمہ زہرا) اور آپکے دونوں نواسے (حسن و حسین) اور ہمارے مقتدا مولا علی مرتضے ہیں
اگر اس مقام پر کوئی اعتراض کرے کہ اوپر جو حدیثیں ذکر کی گئیں وہ اُس حدیث کے
خلاف ہیں جو اس مضمون کی روایت کی گئی ہے کہ حضرت ام سلمہ نے عرض کی یا رسول
اللہ کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟ تو حضرت صلعم نے فرمایا ہاں بشرطیکہ خدا
چاہے۔ تو اسکا جواب یہ دیا جائیگا کہ ہم اس حدیث کی سند کو صحیح نہیں تسلیم کرتے
کیونکہ نہ تو اس کا حوالہ دیا گیا کہ کس کتاب میں یہ حدیث ہے اور نہ اسکا کہ اسکا راوی
کون ہے اور نہ اسکا ذکر ہے کہ یہ حدیث کس پایہ کی ہے لہذا جو حدیثیں (اوپر مذکور ہوئیں جو)
حضرات اہلسنت کی معتمد ترین کتب حدیث و تفسیر میں بھری ہوئی ہیں انکا مقابلہ یہ غیر معروف
اور بے نشان حدیث کیونکر کر سکتی ہے۔ اور اگر ہم اس روایت کو بالفرض تسلیم بھی کر لیں
تو آنحضرت صلعم نے انکے اہل بیت میں داخل ہونے کو خدا کے چاہنے پر معلق کیا ہے
لہذا جب تک خدا نہیں چاہیگا اسوقت تک وہ داخل نہیں ہو سکتی ہیں اور کسی دلیل سے
یہ نہیں واضح ہوتا کہ خدا نے ام سلمہ کو اہلبیت میں داخل کرنا چاہا تو وہ داخل بھی نہیں
ہوئیں نیز حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین کو آنحضرت صلعم نے بغیر کسی شرط کے
اہلبیت میں حتماً و جزماً داخل کیا اور ام سلمہ کو اس طرح نہیں داخل کیا بلکہ انشاء اللہ کہکر
صرف انکی تسلی کر دی۔ علاوہ بریں اگر ام سلمہ اہلبیت سے ہوتیں تو آنحضرت سے
دریافت کیوں فرماتیں کہ یا حضرت میں بھی اہلبیت میں داخل ہوں؟ اسلئے کہ وہ تو اُسی
ملک کی رہنے والی اور عربی ہی زبان بولنے اور سمجھنے والی تھیں اگر اہل بیت اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حد تک مذکور ہیں جنکا شمار نہیں ہو سکتا مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ از ملا علی قاری
مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۵۸۵ و ۵۹۵ اور اشعۃ اللمعات از محدث دہلوی شیخ عبد الحق صاحب مطبوعہ جلد ۴ کے صفحہ ۲۰
میں بھی فضائل اہلبیت کو مفصلاً لکھکر انکی توضیح کی ہے اس آیہ کے ازواج نبی کی شان میں نازل نہ ہونیکی ایک بڑی
دلیل یہ بھی ہو کہ مشکوٰۃ۔ اور تیسیر الوصول الی جامع ترمذی اور صحیح مسلم وغیرہ معتمد ترین کتب اہلسنت میں فضائل
اہلبیت کو علیحدہ باب میں لکھا ہے جسمیں حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین ہی کو داخل کیا ہی اور فضائل ازواج نبی کو علحدہ
باب میں ذکر کیا ہے اگر ازواج نبی صلعم بھی اہلبیت میں داخل ہوتیں تو یہ علمائے اعلام انکی کتابوں میں فضائل ازواج کو فضائل اہلبیت سے علحدہ

زبان میں گھر کی بیبیوں کو کہتے تو ام سلمہ بی بی ضرور یقیں سمجھ لیتیں کہ میں اہلبیت میں بھی ہوں۔ پھر آنحضرت صلعم سے دریافت کرنے کیوں گئیں؟ کہ یا حضرت کیا میں بھی ان میں داخل ہوں؟ اس دریافت کرنے ہی سے ثابت ہوا کہ وہ جانتی تھیں میں اہل بیت میں داخل نہیں ہوں۔ ہاں اگر حضرت رسول خدا صلعم یا خدا انکو داخل کرنا چاہیگا تو ہو سکتی ہیں اسی وجہ سے آنحضرت سے سوال کیا اور آنحضرت نے جواب دیکر فرمایا کہ نہیں تم اہلبیت میں داخل نہیں ہو۔ اور اگر دونوں قسم کی حدیثوں میں تعارض بھی سمجھا جائے جب بھی ترجیح ہمارے ہی موافق حدیثوں کو ہے اور وہ ظاہر ہے۔ نیز عرف میں کسی شخص کے گھر والے وہ لوگ سمجھے اور بولے جاتے ہیں جو اسکی اولاد اور اقربائے قریب ہوتے ہیں ازواج کو گھر والے نہیں کہتے جسکی دلیل یہ ہے کہ "گھر والے" بولنے سے وہ اولاد اقربا ہی سمجھے جاتے ہیں جو اس گھر میں رہتے ہیں اور ہر زمانہ میں اس لفظ کا یہی معنے سمجھا گیا اور سمجھا جاتا ہے اور عرب والوں کے اشعار اور اخبار میں بھی یہی معنے مستعمل ہے پس کوئی شخص اپنے شعر یا اور کسی کلام میں اہلبیت نبی صلعم کو ذکر کے ازواج نبی صلعم کو مراد نہیں لیتا ہے بلکہ انھیں (حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین) کو اس سے مراد لیتا ہے جنکو ہم نے ذکر کیا ہے اور اس سے کسی شخص کو انکار کرنا ممکن نہیں ہے[۱]۔ پھر میں کہتا ہوں کہ جمہور (یعنی حضرات اہلسنت) نے جو اس لفظ میں مناقشہ کرنا چاہا وہ صرف اس غلطی سے پیدا ہوا کہ انھوں نے آیہ اور حدیث کے لفظ بیت سے اس بیت (گھر) کو خیال کیا جو مٹی اور لکڑی سے بنایا جاتا ہے اور جسمیں وہ حجرے تھے جن میں حضرت رسول خدا صلعم اپنے اہل بیت اور ازواج کے ساتھ رہتے تھے۔ پس اگر بیت سے واقعا وہی گھر مراد لیا جائے تو وہ احتمال ہو سکتا ہے جو بعض اہلسنت نے سمجھا ہے (کہ اسمیں ازواج بھی داخل ہیں) لیکن ظاہر یہ ہے کہ اہل بیت نبی سے مراد اہل بیت نبوت ہیں جسطرح بھی لوگ یہ بھی بولتے ہیں اہل اللہ (اللہ والے) اہل القرآن (قرآن والے)، تو اہل بیت کے معنے ہونگے نبوت کے گھر والے یعنی اس گھر والے جسمیں نبوت تھی۔ اور اسمیں کوئی شک

---

[۱] اس مضمون کیلئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے فرقہ اہلسنت کے جلیل القدر بزرگ امام شافعی ہی کے اشعار کافی ہیں جو انھوں نے حضرات اہلبیت کے بارے میں ذکر کئے ہیں۔

نہیں ہے کہ یہ صفت انہیں لوگوں کو حاصل ہوگی جنہیں خانہ نبوت سے ہونے کی
کمال اہلبیت۔ قابلیت اور استعداد ہوگی اور جن پر خدا اور رسول کی طرف سے
یہ نص بھی ہوگی کہ یہ لوگ اسکی قابلیت رکھتے ہیں اور وہی خدا و رسول ان لوگوں کو
معین کرکے بتائیں گے بھی جو اہلبیت ہونے کی صفت سے متصف ہو سکتے ہیں
جیساکہ آیہ مذکورہ نیز احادیث میں واقع ہوا ہے اسی وجہ سے حضرت ام سلمہ کو ضرورت
ہوئی کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کریں کیا انہیں بھی ان اہلبیت میں داخل
ہونے کی اہلیت اور قابلیت موجود ہے جیساکہ پہلے گذر چکا۔ اور اس کی نظیر
کے لئے یہ کافی ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وورث سلیمان داؤد
یعنی حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے تو اسمیں وراثت سے
مراد مال کی وراثت ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس آیہ میں وراثت سے مراد
نبوت یا علم کی وراثت ہے اسکو خوب سمجھو۔ اور ہم نے یہاں تک جو ذکر کیا
اس سے بھی بلند تر ایک کلام ہے اور وہ یہ کہ یہ نہیں بعید ہے کہ آیہ تطہیر کا اختلاف
اسکے قبل کی آیتوں سے بطور التفات ہو از واج سے خود آنحضرت صلعم اور
آپکے اہلبیت کی طرف یایں معنے کہ پہلے ازواج نبی صلعم کو زجر و توبیخ سے یاد کیا
اور انکو ادب کی تعلیم دی اور انھیں پاکدامنی اور نیک چلنی کی ترغیب دی جو اہلبیت
کو برائی اور گندگی سے دور رکھنے کے توابع اور لوازم سے ہے (یعنی آنحضرت صلعم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۸۸ مین لکھتے ہین
وللشافعی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت رسول اللہ حبکم - فرض من اللہ فی القرآن انزلہ -
کفاکم من عظیم القدر انکم - من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ
یعنی اے حضرت رسول خدا صلعم کے اہل بیت تم لوگون کی محبت خدا کی طرف سے واجب کی گئی ہے
جس کو اس نے اپنے قرآن مجید مین نازل کیا ہے۔ تم لوگون کی عظیم قدر کیلیے یہی امر کافی ہے کہ جو
شخص نماز مین تم پر درود نہین بھیجے گا اسکی نماز ہی نہین ہوسکتی ہے انتھے۔ اس سے واضح طور پر معلوم
ہوا کہ اہل بیت کا لفظ عربی زبان کے اشعار مین بھی حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام ہی
کیلیے استعمال کیا جاتا ہے نہ ازواج کیلیے - مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری اپنی کتاب ارجح المطالب
مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۲ مین لکھتے ہین۔ اہل بیت کی تحقیق - از روے لغت اہل الرجل وہ لوگ ہین جو اسکے

اور آپ کے اہلبیت کی انتہادرجہ کی عصمت اور طہارت اسی وقت واضح ہوگی جب ان لوگون کے متعلقین بھی ان کے لگ بھگ ہون کہ اگر درجہ عصمت پر فائز نہ ہون تو حد درجہ بدچلن اور بدکار بھی نہ ہون کیونکہ بی بیون کے بدچلن اور بدکار ہونے اور فواحش اوصاف سے متصف ہونے سے خود رسول صلعم اور آپ کے اہلبیت کی توہین (اور ذلت بھی ہوگی) پس آیہ مذکورہ کے نظم کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدا نے ازواج نبی صلعم کو عفت (پاکدامنی) اور صلاح (نیک چلنی) کی ترغیب اس وجہ سے دی کہ اے اہلبیت خدا نے ازل سے اس امر کو طے رکھا ہے کہ تم کو معصوم اور پاک و پاکیزہ قرار دے تو مناسب یہ ہے کہ جو لوگ (یعنی رسول کی بیبیان) معصوم کیطرف منسوب ہون وہ (اگر معصوم نہ ہون تو کم از کم) پاکدامن و نیکوکار ضرور ہون جیسا کہ خدا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے الطیبات للطیبین یعنی پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں۔ علاوہ برین اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ کل آیتین ایک ہی دفعہ اسی ترتیب سے نازل ہوئی تھیں یا لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے تھیں۔ آخر اس سے کیا امر مانع ہے کہ خدا کا یہ قول انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس دوسرے وقت مین نازل ہوا ہو اور اسکے قبل کی آیت اقمن الصلوٰۃ و اٰتین الزکوٰۃ کسی دوسرے وقت مین نازل ہوئی ہو اور حضرت عثمان یا اور کسی نے قرآن جمع کرتے وقت گمان کیا ہو کہ یہ آیت اس مقام کی ہے اور ترتیب مین اپنے اجتہاد کو کام لا کر اس آیت کو اسی جگہ رکھدیا ہو۔ اور اس خیال سے انکار کرنا ممکن نہین ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ساتھ ایک گھر یا ایک نسب مین شریک ہون اور انھین دونون کے قائم مقام (سکے دین اور صنعت اور شہر کے لوگ بھی اس کے اہل کہلاتے ہین (دیکھو مفردات امام راغب) اہل ام کے متعین کرنے مین کہ اہل بیت نبوی کون کون ذوات مقدسہ تھے متقدمین نے اختلاف کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنی ہاشم مراد ہین۔ بعض نے بنی قصی اور بعض نے تمام قریش کو شامل کیا ہے۔ زید بن ارقم کے نزدیک صرف بنی عبد المطلب ہین۔ سعید بن جبیر کے نزدیک ازواج مطہرات اور اولاد اہل بیت ہین۔ مقاتل اور ابو سعید خدری اور انس بن مالک اور ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک صرف اہل عبا مراد ہین اور آیت تطہیر انھین کے شان مین نازل ہوئی ہے۔ اور قتادہ وغیرہ تابعین بھی اسی کے قائل ہین۔ اس عبارت

اسلئے کہ معلوم ہے کہ قرآن مجید کے نسخون کی ترتیب مین بہت شدید اختلاف تھا۔ یہان تک کہ ان لوگون نے آپس مین راے ومشورہ سے مصحف عثمان کو قبول کیا اور اس پر متفق ہو گئے۔ تو قرآن کے مختلف نسخون کے بارے مین جو اس قدر اختلاف تھا وہ ترتیب ہی کے متعلق تھا اور کسی دوسرے امر کے متعلق نہ تھا اسلئے کہ نفس قرآن مجید تو متواتر ہے اس مین کوئی دوسرا اختلاف ہو ہی نہین سکتا جو مخفی نہین ہے۔ چوتھا اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے کہ "اس بنا پر لفظ رجس اس جگہ کل گناہون سے پاکیزگی پر حمل نہین کیا جائیگا" تو اس کا جواب یہ ہے کہ رجس تو پاکیزگی پر حمل کیا ہی نہین جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے بلکہ لفظ طہارۃ کو رجس سے پاکیزگی پر حمل کرتے ہین۔ نیز جس شخص نے طہارۃ کو کل گناہون سے معصوم ہونے پر حمل کیا ہے اس نے اس تقدیر پر اس کو حمل کیا ہے کہ جو اہل بیت آیہ مذکورہ مین ذکر کئے گئے ہین ان سے مراد آل عبا یعنی پنجتن پاک ہین۔ اس تقدیر پر حمل نہین کیا ہے کہ ان سے مراد ازواج ہین لہذا اس آخری تقدیر کی بنا پر یہ کہنا کہ "طہارۃ کا لفظ کل گناہون سے پاکیزہ ہونے پر حمل نہین کیا جاے گا" ظاہر ہے کہ جسکے ذکر کی ضرورت نہین ہے۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "ہم اس کو تسلیم نہین کرتے کہ حضرت علی نے اپنے لئے خلافت کا دعوی کیا ہو" تو اسکی مفصل بحث پہلے گزرچکی۔ پانچوان اعتراض یہ کہ فاضل مخاطب نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کے نزدیک بھی اہل بیت سے صرف آل عبا مراد ہین اور جناب معظمہ کو حضرات اہلسنت عربی دانی اور فہم قرآن وحدیث مین بھی یکتا اور بے مثل مجتہدہ سمجھتے ہین پس جب وہ بھی یہی فرماتی ہین کہ اہل بیت سے صرف آل عبا مراد ہین تو کسی کو کیا شبہہ رہ سکتا ہے۔ علاوہ برین حضرت عائشہ بھی آنحضرت کی زوجہ تھین پس اگر یہ آیت ازواج کے بارے مین نازل ہوئی رہتی تو حضرت عائشہ اپنے کو اس شرف سے محروم نہ کرتین اور یہ نہ کہتین کہ اس سے صرف آل عبا مراد ہین۔ اگر بغور دانصاف دیکھا جاے تو جناب ممدوحہ کا یہ قول اس آیہ کے متعلق تمام اختلافات کا آخری فیصلہ ہے اور پھر کسی شخص کو چون وچرا کرنے کی گنجائش باقی نہین رہتی ہے ۱۲ مترجم

یہ جو کہا ہے کہ "اگر رجس سے مراد ہر گناہ ہو تو پھر حضرت عائشہ نے جنگ جمل الخ"
تو یہ کھلا ہوا مغالطہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ اس آیہ مین کسی صورت سے بھی
داخل ہی نہین ہین لہذا انھین اس مین داخل سمجھنا فرض محال ہے۔ اور جائز نہی
کہ ایک محال دوسرے محال کو مستلزم ہو جائے۔ اسے خوب سمجھو اور غور کرو۔

ایک خاص نکتہ یہان ایک ضروری نکتہ پر تنبیہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے
وہ یہ کہ خدا نے جو فرمایا ہے کہ یرید اللہ یعنی خدا ارادہ
کرتا ہے تو اس سے مراد صرف خدا کا ارادہ ہی ارادہ نہین ہے بلکہ اس
ارادہ کا واقع ہونا اور فعل کا ظاہر ہو جانا ہے یعنی خدا نے ان حضرات سے ہر
رجس کو دور کر دیا اور انھین پاک و پاکیزہ کر دیا کیونکہ اگر یہ معنے مراد نہ ہوگا تو اس
ارادہ کو اہل بیت کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی معنے نہ ہوگا۔ اسلئے کہ خدا
نے تو ان حضرات کی مدح کرنی چاہی ہے اور ظاہر ہے کہ صرف پاک کرنیکی
نیت اور ارادہ سے مدح نہین ہوگی بلکہ اس فعل (پاک کرنے) کے واقع
ہو جانے سے مدح ہو سکتی ہے [۵۱]۔ اور یہان اگر کسی کو یہ وہم ہو کہ خدا نے
جو فرمایا ہے لیذہب عنکم الرجس یعنی رجس کو تم لوگون سے زائل کرے اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ رجس ان حضرات مین موجود تھا کیونکہ جب کوئی چیز موجود نہین ہوگی
اس وقت تک اس کو کوئی شخص زائل کیونکر کر سکتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے یہ
حضرات نجس تھے جب ہی تو خدا نے ان سے نجاست کو زائل کرنے اور انھین

---

[۵۱] اس کو دوسری عبارت مین یون سمجھو کہ اس آیہ مبارکہ مین خدا کے ارادہ کا دو ہی معنے ہو سکتا
ہے یا تو وہ ارادہ جو خالص ہو کہ اس کے ساتھ کوئی فعل نہ ہو۔ اور یا وہ ارادہ جس کے ساتھ
وہ فعل بھی واقع ہو گیا ہو۔ پس پہلا معنے تو یقیناً باطل ہے کیونکہ اس ارادہ مین حضرات
اہلبیت کی تخصیص کی کوئی وجہ نہین ہے یہ ارادہ تو ہر شخص اور تمام مکلفین کے ساتھ ہوتا ہے
(یعنی خدا ہر شخص کے بارے مین یہی چاہتا ہے کہ وہ کوئی گناہ نہ کرے اور ہر طرح پاک و پاکیزہ
ہی رہے) اور محض ارادہ سے کسی کی کوئی مدح نہین ہو سکتی جب تک اس ارادہ کا فعل بھی
واقع نہ ہو جائے۔ اور مسلمانون کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ اس آیہ مین حضرات اہلبیت

پاک و پاکیزہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس وہم کا یہ جواب دیا جائیگا کہ اس قول کا مبنٰے
صرف ذہنی خیال پر ہے یعنی ذہن مین کسی کی نجاست کا جو خیال ہوتا ہے یا ہو سکتا
ہے اس کے زائل کرنے کو خدا نے فرمایا لہذا ان حضرات مین کسی نجاست کا
موجود ہونا ثابت نہین ہو سکتا۔ کیا تم نہین دیکھتے کہ کسی کو دعا دیتے وقت کہتے
ہو اذھب اللہ عنک کل مرض خدا تجھ سے ہر مرض کو دور کرے جس کا مطلب
یہ نہین ہوتا ہے کہ کوئی مرض تم مین موجود ہے بلکہ یہ کہ جو مرض تمھین ہو سکتا ہے
اس کو خدا زائل کرے (جسکا مطلب اردو ترجمہ مین " دور رکھے " کہنے سے حاصل ہوتا
ہے) لہذا حضرات اہلبیت کی شان کی یہ آیت بھی اس خیال کو زائل کرتی ہے
جب انسان اپنے ذہن مین تصور کرتا ہے کہ ان حضرات مین رجس تھا یا نہین تو خدا
نے فرما دیا کہ ان مین رجس تھا ہی نہین کیونکہ خدا برابر یہی چاہتا ہے کہ ان حضرات
سے ہر رجس کو دور رکھے اور انھین اچھی طرح پاک و پاکیزہ قرار دے۔ اور
عنقریب اس کتاب مین جب مسائل اصول فقہ سے بحث ہوگی تو اسکے اجماع
کے مبحث مین جہان علامہ علیہ الرحمہ نے حضرات اہلبیت کے اجماع کے حجت ہونے
پر اس آیہ سے استدلال کیا ہے وہ مضمون بھی آئیگا جسکو فاضل مخاطب نے اس آیہ
کی نظیر سے تمام لوگون کے بارے مین اختراع کیا ہے اور وہان ہماری یہ تنبیہ بھی آئیگی
کہ فاضل مخاطب کے اس مضمون سے انکا کفر اور حضرات اہلبیت سے بغض و عداوت لازم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی مدح کی گئی ہے اور ان کو دوسرون سے ممتاز کیا گیا ہے اور وہ بغیر
اسکے نہین ہو سکتا کہ وہ ارادہ ان کے بارے مین پورا ہو چکا ہو۔ لہذا دوسرا ہی معنے ہو سکتا ہے اور
اسکے ثابت ہونیکا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس آیہ مین مراد ہین وہ معصوم ہون اور کوئی برائی
یا کسی قسم کا گناہ ان کے لئے جائز نہ ہو۔ پھر جن لوگون کا نام ہم نے لیا ہے (یعنی حضرات
چہاردہ معصومین) ان کے سوا جو لوگ ہین ان کا غیر معصوم ہونا یقینی ہے اور یہ آیت
کہتی ہے کہ جن کی شان مین نازل ہوئی ہے ان کا معصوم ہونا یقینی ہے تو
ثابت ہو گیا کہ یہ آیت انھین لوگون کے بارے مین نازل ہوئی ہے جنکو ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ دوسرون
سے (جو غیر معصوم ہین) اس کا تعلق باطل ہو گیا ۱۲ منہ اعلے اللہ مقامہ

آتی ہے تو ان دونوں مضمونوں کو اسی مقام پر ملاحظہ کرنا۔ یہ مختصر بحث اس کتاب میں لکھدی گئی لیکن اس آیہ کی مفصل تحقیق میں ہمارا ایک جداگانہ رسالہ بھی ہے جو اس سے زیادہ مطالب اس آیہ کے متعلق دیکھنا چاہے وہ اس کا مطالعہ کرے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ

چوتھی آیت خدا کا یہ کلام ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربےٰ (جزو ۲۵ رکوع ۳/۴) اے رسول ان مسلمانوں سے کہدو کہ میں اس امر رسالت پر تملوگوں سے اس کے سوا کوئی اجر نہیں چاہتا کہ تملوگ میرے اہل بیت کی محبت اختیار کرو انتہے۔ جمہور نے صحیحین میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہی کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب یہ آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ نازل ہوئی تو صحابہ نے آنحضرت سے عرض کی یا رسول اللہ آپ وہ قرابتمند کون حضرات ہیں جنکی محبت ہملوگوں پر واجب ہوئی ہے؟ تو حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ وہ علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں فرزند ہیں انتہے۔ اور معلوم ہی کہ جسکی محبت واجب ہے اسکی اطاعت بھی ضرور واجب ہے کیونکہ یہ اسکی لئے لازم ہی

قول ابطال

اس آیت کے معنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اسمیں استثنار منقطع ہے اس بنا پر معنے آیت یہ ہوگا کہ میں تبلیغ رسالت پر کوئی اجر نہیں چاہتا لیکن چونکہ میرے اور تمھارے درمیان میں قرابت اور رشتہ قائم ہے اسوجہ سے میں تم لوگوں کی ہدایت اور رسالت کی تبلیغ میں جد و جہد کرتا اور زحمت اٹھاتا ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسمیں استثنار متصل ہے اس بنا پر معنے یہ ہوگا کہ میں تبلیغ رسالت پر کسی قسم کا بھی اجر نہیں طلب کرتا ہوں سوا اس اجر کے کہ میرے قرابتمندوں سے تملوگ محبت کرو۔ اس معنے کی بنا پر ظاہر آیت آنحضرت صلعم کے کل اعزہ و اقربہ کو شامل ہوگا (کہ حضرت رسولخدا صلعم کے جس قدر رشتہ دار ہیں ان سب سے محبت کرنا واجب ہو) اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ آیت انھیں حضرات کے لئے مخصوص ہے جنکو علامہ حلی نے ذکر کیا ہے تب بھی یہ آیت حضرت علی کی خلافت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ صرف اسپر دلالت کرتی ہی کہ حضرت علی کی محبت واجب ہے تو ہم اہلسنت بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت

علی کی محبت کل مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جسکی محبت واجب ہو اسکی اطاعت بھی واجب ہے کیونکہ اطاعت کے ساتھ ہی محبت ہوتی ہو مگر یہ کیونکر ثابت ہوا کہ جس کی اطاعت واجب ہوگی اسکا خلیفہ اور حاکم و سردار ہونا بھی واجب ہے؟ علامہ حلی بھی عجیب شخص ہیں کہ وہ اپنے دعوی پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ دلیل اُنکے دعوی سے کوسوں دور ہے اور وہ اسکو سمجھتے بھی نہیں ہیں

قول احقاق ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کے معنے میں اختلاف فاضل مخاطب ہی کی طرف سے ہے (نہ اور علمائے اہلسنت کی طرف سے) کیونکہ عربیت اور اصول فقہ کے جو علمائے محققین ہیں انکے یہاں یہ بات طے ہوگئی ہے کہ استثنار منقطع مجاز ہے جو اصل کے خلاف واقع ہوتا ہے اور یہ کہ کسی استثنار کو اسوقت تک منقطع نہیں قرار دینگے جب تک استثنار متصل کا معنے بن سکے گا۔ ہاں جب استثنار متصل ماننے سے معنے میں کوئی خرابی پیدا ہوگی اسوقت استثنا کو منقطع قرار دینگے۔ بلکہ علمار محققین نے اکثر اوقات ظاہر لفظ سے جو ذہن کیطرف متبادر ہوتا ہے مخالفت کرکے متصل کی طرف عدول کیا ہے کیونکہ استثنار کو متصل ہی پر حمل کرنا واجب ہے اسلئے کہ استثنار کا ظاہر یہی (متصل) ہے جیسا کہ اسکی تصریح شارح عضد نے کردی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "جان لو کہ حق یہ ہے کہ استثنار متصل ہی اظہر ہے لہذا نہ تو یہ مشترک ہے نہ مشترک کیلئے ہے بلکہ متصل میں حقیقت اور منقطع میں مجاز ہے اسی وجہ سے علمائے اعلام نے استثنار کو منقطع پر حمل نہیں کیا ہے مگر اُسی وقت جب متصل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو یہانتک کہ وہ لوگ اسکو متصل پر حمل کرنے کے لئے ظاہر سے عدول کرتے اور اسکی مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ اس قول میں له عندی مائة درهم الا ثوبا میرے ذمہ اسکے سو درہم ہیں سوا ایک کپڑے کے نیز اس قول له علی ابل الا شاة میرے ذمہ اوس کا اونٹ ہے سوا بکری کے۔ استثنار کا مطلب یہ ہے کہ (پہلی مثال میں) سوا ایک کپڑے کی قیمت کے سو درہم ہیں اور (دوسری مثال میں) سوا ایک بکری کی قیمت کے اونٹ ہیں لہذا یہ علمار ان مثالوں میں ضمیر پوشیدہ سمجھنے کی راہ اختیار کرتے ہیں جو خلاف ظاہر ہے تو وہ ایسا صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ استثنار متصل ہوجائے لیکن اگر استثنار منقطع میں ظاہر ہوتا تو ظاہر کی مخالفت کا ارتکاب علمار نہیں

کرتے ،، اسے ہے - اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا ہے "ظاہر آیت کل اعزہ واقربہ کو شامل ہوگا ،، تو بیشک درست ہے لیکن صحیح حدیث نے اس کو صرف حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین سے مخصوص کر دیا ہے جیسا کہ پہلے تفسیر اور حدیث کی روایت ذکر کی گئی ہے لہذا محض احتمال کی وجہ سے ہم میں سے کسی کو تخصیص کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے پس مخاطب نے جو احسان رکھنا چاہا ہے کہ "اگر ہم تسلیم کریں کہ یہ آیت الخ ،، تو اسکی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب خود حضرت رسولخدا صلعم نے اس آیت کو خاص کر دیا تو ہمیں اسی کی پابندی کرنی چاہئے - اور انھوں نے یہ جو کہا ہے کہ "یہ آیت خلافت پر دلالت نہیں کرتی ہے ،، تو یہ انکی انتہا درجہ کی بے خبری یا محض تجاہل ہے اسلئے کہ آیہ مذکورہ کی دلالت اس امر پر ظاہر ہے کہ آیت اسکے مقتضے کے مطابق حضرت علی کی محبت واجب ہے کیونکہ خدا و ند عالم نے رسالت کا وہ اجر جس سے انسان کو دائمی ثواب کا استحقاق حاصل ہو جائیگا ذوی القربیٰ کی مودت و محبت کو قرار دیا ہے تو ایسی محبت اسی وقت واجب ہوگی جب یہ حضرات معصوم ہونگے اسلئے کہ جب ان سے گناہ ہو سکے گا تو اسوقت انکی محبت نہیں واجب ہوگی بلکہ انکی محبت کا ترک کر دینا واجب ہوگا جسکی دلیل یہ ہے کہ خدا نے کلام مجید میں فرمایا ہے لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ الایہ (سورہ مجادلہ رکوع ۳) یعنی ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرتے نہ پاؤ گے جنھوں نے اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کی ہوا تھے - اور یہ معلوم ہے کہ حضرت علی کے سوا جو لوگ تھے وہ معصوم نہیں تھے جیپر سب کا اتفاق ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ حضرت علی ہی امام اور خلیفہ تھے - اور علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۸۸) میں روایت کی ہے کہ انکے امام شافعی نے اس امر کے واجب ہونے کے متعلق دو شعر کہے ہیں جو فاضل مخاطب کے رغم الف کے لئے کافی ہیں اور وہ اشعار یہ ہیں ؎

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیکم لا صلوۃ لہ

یعنی اے حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت تملوگوں کی محبت خدا کیطرف سے تملوگوں

پر واجب کر دی گئی ہے جس کو اس نے اپنے قرآن مجید تاب میں ذکر کر دیا ہی
تلوگوں کی بڑی شان اور قدر کے لئے یہ امر کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود نہیں
بھیجیگا اسکی نماز ہی نہیں ہو سکتی ہے انتہٰے۔ علاوہ بریں شیعوں کو اسکی ضرورت
نہیں ہے کہ وہ اس امر کو ثابت کریں کہ حضرت علی کو امام اور خلیفہ ماننا اہلسنت
پر بھی واجب ہے کیونکہ یہ بات تو حاصل ہی ہے اور شیعوں کی طرح حضرات اہلسنت
بھی حضرت علی کو اپنا امام اور خلیفہ مانتے ہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ شیعہ حضرت علی کو
خلیفہ بلا فصل کہتے ہیں اور حضرات اہلسنت حضرت علی سے پہلے تین خلفار کو مان لیتے
ہیں اسکے بعد حضرت کو مانتے ہیں اور شیعہ ان تینوں کو نہیں مانتے ہیں اور یہ اپنی جگہ
پر طے ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے انکار کرے اسکو اپنے انکار کی دلیل پیش کرنے
کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو شخص کسی چیز کا دعوے کرے اسپر واجب ہے کہ اسکی
دلیل بیان کرے۔ تو حضرات اہلسنت خلفائے ثلثہ کی خلافت کو مانتے ہیں لہذا یہی
حضرات اسکی دلیل بھی بیان کریں۔ مگر یہ کہ حضرات اہلسنت اس موقع پر اپنے اجماع کے
خلاف کریں اور مطلقاً حضرت علی کی امامت سے انکار کریں ایسی صورت میں البتہ
شیعوں کو دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہوگی اور اللہ ہی سیدھے راستہ کی طرف ہدایت
کرنے والا ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ پانچویں آیت یہ ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ یعنی لوگوں میں سے خدا کے بندے کچھ ایسے
بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے
ہیں اور خدا اپنے بندوں پر بڑا ہی شفقت والا ہے (سورہ بقرہ رکوع ۲۵) مفسر جلیل
علامہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے روایت کی ہی
کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اسوقت جب
حضرت رسولخدا صلعم مکہ کے مشرکوں سے ہجرت کرکے غار کی طرف تشریف لیگئے
ہیں تو حضرت علی کو مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑا تاکہ آپ حضرت کے قرضوں کو
ادا کر دیں اور آپکی امانتوں کو لوگوں تک پہونچا دیں لہذا جناب امیر المومنین ع
حضرت رسولخدا صلعم کے فرش پر سو رہے اور مشرکین مکہ نے اس گھر کا محاصرہ

کر لیا اسوقت خدا نے جبرئیل و میکائیل پر وحی نازل کی کہ میں نے تم دونوں کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارہ) قایم کی ہے اور ایک کی زندگی کو دوسرے کی زندگی سے زیادہ طولانی قرار دیا ہے۔ تو تم میں سے کون شخص اپنے دوست کو اپنے اوپر ترجیح دیتا اور اسکے لئے اپنی جان قربان کرنے پر طیار ہے؟ مگر (جبرئیل و میکائیل) دونو نے اپنی ہی زندگی کو ترجیح دی اور قربان کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ تب پھر خدا نے ان دونوں کی طرف وحی نازل کی کہ تم دونوں علی بن ابی طالب کے مثل کیوں نہیں ہو جاتے کہ میں نے انکے اور (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ) کے درمیان بھی مواخاۃ قائم کی ہے تو علی اپنے بھائی (محمد صلعم) کے فرش پر اس غرض سے سو رہے ہیں کہ حضرت پر اپنی جان قربان دیں اور اس طرح حضرت کی جان بچا دیں۔ اے میرے فرشتو! تم دونوں زمین پر جاؤ اور علیؑ کی حفاظت انکے دشمنوں سے کرو۔ لہذا جبرئیل و میکائیل زمین پر حضرت علی کے پاس آئے جبرئیل تو حضرت علی کے سر کے پاس اور میکائیل آپکے دونوں پاؤں کے پاس ٹھہرے رہے اسوقت جبرئیل نے حضرت علی سے کہا بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی اللہ تعالیٰ بک الملائکۃ۔ مبارک ہو مبارک ہو اے فرزند ابو طالب کون ہے مثل تمہارا کہ تمھاری وجہ سے خدا فرشتوں پر فخر و مباہاۃ کر رہا ہے۔

قول الباطل مفسرین نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آیہ مذکورہ کس شخص کی شان میں نازل ہوئی ہے بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ صہیب رومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ ایک مسافر شخص مکہ میں رہتا تھا۔ جب حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو اس نے بھی ہجرت کا قصد کیا مگر قریش نے اسکو روکا تب اس نے ان لوگوں سے کہا کہ اے گروہ قریش تملوگ جانتے ہو کہ میں بہت مالدار ہوں اور کل مالوں کو یہاں تملوگوں میں چھوڑے جا رہا ہوں تم میری ذات کو چھوڑ دو تاکہ میں خدا کی راہ میں ہجرت کر جاؤں اور تم لوگ میرا مال لیلو۔ غرض جب وہ ہجرت کر گیا اور اپنے مالوں کو مکہ معظمہ میں چھوڑ دیا تو خدا نے اسی صہیب کی مدح میں اس آیت کو نازل کیا۔ پھر جب صہیب حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں (بمقام مدینہ منورہ) حاضر ہوا تو حضرت صلعم نے اسپر اس آیت کو پڑھا اور

اس سے کہا تم کو اس بیع کا نفع حاصل ہوا۔ مگر اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود کی شان میں ہے جو خبیب بن عدی کو سولی کی لکڑی سے اوتار لائیں کیونکہ وہ مکہ معظمہ میں سولی دیدیا گیا تھا اور اسکے گرد چالیس مشرکین موجود تھے تو زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود اپنی جان پر کھیلکر وہاں گئے اور اسکو سولی پر سے اتار لائے لہذا انکی مدح میں خدا نے اس آیت کو نازل کیا۔ اور اگر یہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان ہی میں نازل ہوئی ہے جب بھی اس سے صرف حضرت کی فضیلت اور اطاعت نبی صلعم میں جان فشانی اور حضرت پر انکی جان نثاری ثابت ہوتی ہے اور یہ کل باتیں مسلم ہیں جن میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہے لیکن یہ آیت حضرت علی کی خلافت میں نص ہو کسی طرح ثابت نہیں ہے جو بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔

قول احقاق امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر[۱] اور علامہ نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان میں[۲] ذکر کیا ہے کہ یہ آیت

---

[۱] تفسیر کبیر مطبوعہ استنبول جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ میں ہے نزلت فی علی ابن ابیطالب بات علی فراش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ خروجہ الی الغار ویروی انہ لما نام علی فراشہ قام جبرئیل علیہ السلام عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ وجبرئیل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابیطالب یباہی اللہ بک الملائکۃ ونزلت الآیۃ یعنی یہ آیت حضرت علی ابن ابیطالب کی شان میں نازل ہوئی جس شب کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غار کیطرف تشریف لیگئے ہیں اس رات کو حضرت علی آنحضرت صلعم کے فرش پر سوئے اور روایت کی گئی ہے کہ جب آپ حضرت صلعم کے فرش پر سوئے تو جبرئیل علیہ السلام حضرت علی کے سرہانے اور میکائیل پائنتی کھڑے ہوئے اور جبرئیل پکار کر کہتے تھے مبارک ہو مبارک ہو اے فرزند ابوطالب تمہارے مثل کون ہے تمہارے اوپر خدا فرشتوں سے فخر و مباہات کر رہا ہے اسوقت یہ آیت بھی نازل ہوئی انتہے۔ اور تفسیر در منثور میں ہے اخرج الحاکم وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال شری علی رضی اللہ عنہ نفسہ ولبس ثوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم نام مکانہ وکان المشرکون یحسبون انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت قریش ترید نفس النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بروایت حاکم ابن عباس سے مروی ہے کہ علی ابن ابیطالب نے اپنی جان کو رسول اللہ صلعم پر فدا کیا اور رسول مقبول کی چادر اوڑھکر انکی جگہ سو رہے مشرکین قریش سمجھتے تھے کہ آنحضرت سو رہے ہیں اور اس ارادہ میں تھے کہ آنحضرت کو قتل کریں۔ اور علامہ دیار بکری نے تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۳۰۰ میں لکھا ہے کہ قال الغزالی فی الاحیاء لیلۃ بات علی ابن ابی طالب علی فراش رسول اللہ صلی اللہ علیہ

حضرت علی علیہ السلام ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ علامہ علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے۔ ہاں بعض لوگوں نے اسکو صہیب کی شان میں نازل ہونے کو بھی سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے اور وہ شقی ناصبی حضرات اہلبیت کے دشمنوں سے تھا جیسا کہ جمہور اہلسنت کی کتابوں سے ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ اسکے ان حضرات سے عداوۃ کے واقعات سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ اسنے حضرت امام زین العابدینؑ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی باوجودیکہ اسکے غلام نے اسکو حضرت کے انتقال کی خبر دیدی تھی اور اس شقی نے جس برے طریقہ سے حضرت کو مخاطب کیا تھا وہ بھی اپنی جگہ پر مرقوم ہے۔ علاوہ بریں اس روایت کو آیت مذکورہ سے کیا ربط ہے؟ اسلئے کہ آیت میں تو اپنی جان بیچنے اور خرید[illegible] کا ذکر ہے اور اس روایت میں صہیب کے مال خرچ کرنے کا بیان ہے تو اسکو اس سے کیا تعلق ہوا؟ اور یہ روایت بھی اس شقی (سعید بن مسیب) کی عداوت کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ وہ اس پر راضی نہیں ہوا کہ اس آیت کو جو حضرت علی کی فضیلت میں وارد ہے حضرت سے پھیر کر دیگر کی شان میں لے گیا تو کسی اور قریشی شخص کی شان میں بیان کرتے بلکہ اسکو اس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) اوحی اللہ تعالیٰ الی جبرئیل ومیکائیل انی اٰخیت بینکما وجعلت عمر احدکما اطول من الآخر فایکما یوثر صاحبہ بالحیوۃ فاختار کلاھما الحیوۃ واحباھا فاوحی اللہ عزوجل الیہما افلا کنتما مثل علی ابن ابیطالب اٰخیت بینہ وبین محمد فبات علی علی فراشہ یفدیہ بنفسہ ویوثرہ بالحیوۃ اھبطا الی الارض فاحفظاہ من عدوہ فکان جبرئیل عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابیطالب تباھی بک الملائکۃ فانزل اللہ تعالیٰ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ واللہ رؤف بالعباد (ترجمہ)

علامہ غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس شب کو حضرت علی ابن ابیطالب حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر سوئے تو خدا نے جبرئیل اور میکائیل کی جانب وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں میں رشتہ برادرانہ قائم کیا اور تم میں سے ہر ایک کی عمر بہ نسبت دوسرے کے طویل کی ہیں تم دونوں میں کون ایسا ہے جو اپنے صاحب کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے۔ یہ خطاب الٰہی سنکر جبرئیل و میکائیل نے اپنی اپنی زندگی کو عزیز سمجھا اور ایثار بالحیوۃ کو گوارا نہ کیا۔ پروردگار عالم نے پھر انکی جانب وحی فرمائی کہ تم دونوں علی ابن ابیطالب ایسے کیوں نہیں ہوتے۔ دیکھو

بھی پست تر درجہ میں لیگیا یعنی ایک رومی حبشی غلام کی جمیں بیان کر دیا جسکو جانتا تھا
کہ وہ بھی اہلبیت کے دشمنوں سے ہے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مخاطب اس بات
کو سمجھ گئے کہ اس واقعہ کو آیت مذکورہ سے کوئی ربط نہیں ہے لہذا اس کے لئے ایک
اور روایت اپنے دل سے بھی گڑہ دی کہ یہ زبیر اور مقداد کی شان میں نازل ہوئی ہے
اور اسکی ایک وجہ ایسی بیان کر دی جسکو ظاہر نظر میں ربط معلوم ہوتا ہے مگر خدا ہی سیدھے راستہ
کی طرف ہدایت کرنے والا ہے رہا فاضل مخاطب کا یہ قول کہ "یہ آیت حضرت علی کی خلافت
میں نص نہیں ہے" تو یہ صریح ہٹ دہرمی ہے اسلئے کہ جب اس واقعہ میں جبرئیل نے
حضرت علی سے کہا کہ اے فرزند ابو طالب تمھارے ایسا کون ہے[۱] اور معلوم ہے کہ
یہ جملہ وہیں بولتے ہیں جہاں کسی شخص کا مثل کوئی نہیں ہو اور وہ بے نظیر ہو جس سے ثابت
ہوا کہ تمام دنیا میں یا کم از کم صحابہ حضرت رسولخدا صلعم میں حضرت علی کا مثل کوئی نہیں تھا
لہذا یہ قول اس امر پر نص ہوگیا کہ حضرت ہی امامت و خلافت کے اہل اور مستحق ہیں[۲] اور وہ لوگ
اسکے اہل نہیں ہو سکتے جو کسی امر میں حضرت سے بڑھکر کیا حضرت کے برابر بھی نہیں تھے
جیسا کہ یہی صریح کلام ہے اور مفضول کو افضل قرار دیدینا ناجائز اور باطل ہے جیسا کہ اس کا
بیان گزر چکا۔ تو اسکو خیال کر لو۔ اور ہمارے بعض عجمی شاعر نے حضرت علی کی اس فضیلت کے
بارے میں جو آپکو فرش رسول پر سونے اور محفوظ رہنے سے حاصل ہوئی کیا ہی خوب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں نے محمد اور علی میں مواخاۃ قائم کی اور علی اسوقت بستر نبی پر اس غرض سے سو رہے ہیں کہ
اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کریں۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور دشمنوں کی شرارت سے حضرت علی کی حفاظت کرو
پس بحکم الٰہی دونوں فرشتے نازل ہوکر بستر حضرت علی کے پاس آئے جبرئیل سرہانے اور میکائیل پائینتی کھڑے ہوئے
اور جبرئیل علیہ السلام فرماتے تھے کہ مرحبا مرحبا کون ہے مثل تیرے اے ابو طالب کے فرزند کہ تمھارے ساتھ خدا
ملائکہ پر فخر و مباہاۃ فرماتا ہے اسی واقعہ اور حضرت علی کی مدح میں خدا نے یہ آیت نازل فرمائی ومن الناس
من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ یہی مضمون علامہ غزالی کی کتاب احیاء العلوم علامہ ابن اثیر جزری
کی کتاب اسد الغابہ نیز روضۃ الاحباب مدارج النبوۃ حبیب السیر تفسیر ثعلبی حلیۃ الاولیاء ابو نعیم وغیرہ میں موجود ہے
[۱] تفسیر طبری مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر یہ تفسیر بھی چھپی ہے اسکی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ میں یہ مضمون موجود ہے ۱۲۔
[۲] جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اپنی اس عبارت پر خود ہی ایک حاشیہ بھی لکھا ہے مناسب معلوم ہوتا
ہے کہ اسکا ترجمہ بھی یہاں لکھدیا جائے تحریر فرماتے ہیں "حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرش جناب

شعر کہا ہے جس سے حضرت علی کی خلافت بلافصل بھی ثابت ہوتی ہے ؎

نیست در بحث امامت معتبر قول فضول ❊ در شب ہجرت کہ خوابید است بر جائے رسول

یعنی امامت کی بحث میں کوئی فضول قول معتبر نہیں ہے پس فیصلہ کن بات یہی ہے کہ شب ہجرت میں جو شخص سویا وہی رسول کی جگہ ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سونے کا تفصیلی واقعہ یہ ہے جیسا کہ کتاب الخرائج میں ہے کہ جب وہ رات آئی جس میں حضرت رسولخدا صلعم مکہ معظمہ سے نکلکر غار ثور کی طرف روانہ ہوئے تو قریش نے ۱۵ شخصوں کو کئی قبیلوں سے منتخب کیا۔ انمیں خاندان بنی ہاشم سے ابولہب چناگیا اور یہ رائے ہوئی کہ ایک ایک شخص یکبارگی حضرت صلعم پر وار کرے تاکہ حضرت کا خون کئی شخصوں پر منقسم ہو جائے اور بنی ہاشم کو یہ ممکن نہ ہو کہ حضرت کا قصاص کسی ایک قبیلہ سے لے سکیں لہذا وہ لوگ دیت (خون بہا) پر راضی ہو جائیں گے اور یہ لوگ دس خون بہا دیدینگے حضرت رسولخدا صلعم کو ان لوگوں کے اس کمیٹی کی خبر ہوگئی پس آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ آج رات کو کوئی شخص اپنے گھر سے نہ نکلے جب حضرت رسولخدا صلعم نے آرام فرمایا تو کفار قریش نے عبد المطلب کے گھر کا قصد کیا۔ اسپر ابولہب نے اُن سے کہا اے قوم اس گھر میں تو عورتیں اور بچے بھی خاندان بنی ہاشم کے ہیں اور جب ان لوگوں پر تم حملہ کروگے تو مجھے خوف ہے کہ ان عورتوں اور بچوں پر بھی تلوار پڑجائیگی اور وہ ناکردہ گناہ ہلاک ہو جائینگے جسکی شرمندگی ہملوگوں کو عمر بھر رہجائیگی۔ تو مناسب رائے یہ ہے کہ ہم سب اس گھر کو گھیر کر بیٹھے رہیں اور محمد کو اس سے نکلنے نہ دیں جب صبح ہوگی تو ہملوگ اس مکان پر ٹوٹ پڑینگے اور پہچان کر ایک ہی دفعہ محمد کو مارنے لگیں گے اور پھر نکل جائینگے پس جب تک لوگ جمع ہونگے اسوقت تک صبح روشن ہو جائیگی اور اسوقت ہملوگوں سے عار زائل ہو جائیگا۔ لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور دروازہ پر حضرت کو گھیرے ہوئے بیٹھے۔ حضرت علی علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کو خدا کی وحی سے کفار کے ان تمام منصوبوں کی خبر لگئی تو حضرت نے مجھے اپنے پاس بلایا اور ارشاد کیا کہ قریش نے میرے قتل کے بارے میں یہ تدبیریں سوچی ہیں تو تم آج شب کو میرے فرش پر سو رہو تاکہ میں مکہ سے نکل جاؤں کیونکہ خدا نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے میں نے عرض کی بسر و چشم اس خدمت کو حاضر ہوں اور میں حضرت کی جگہ سو رہا اور حضرت رسولخدا صلعم نے دروازہ کھولا اور ان کفار قریش کے سامنے نکل پڑے وہ سب بیٹھے ہوئے صبح کا انتظار کر رہے تھے

قول علامہ چھٹی آیت آیہ مباہلہ ہے خداے تعالے سورہ آل عمران پارہ ۳ رکوع ۱۵ میں فرماتا ہے فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین، یعنی جب تمھارے پاس علم آچکا اسکے بعد بھی اگر تم سے کوئی بحث اور حجت کرے تو کہدو کہ اچھا میدان میں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنی نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو اسکے بعد ہم سب ملکر خدا کی درگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آنحضرت صلعم اس آیہ کی تلاوت کرتے ہوئے وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشیناھم فھم لا یبصرون یعنی ہے ایک دیوار انکے آگے کھڑی کردی ہے اور ایک دیوار انکے پیچھے پھر اوپر سے انکو ڈھانک دیا ہے تو وہ کچھ دیکھ ہی نہیں سکتے (سورہ لیس رکوع ۱) سب کے سامنے سے گزر گئے اور ان میں سے کسی نے بھی حضرت کو نہ دیکھا جب صبح ہوئی تو دروازہ توڑ کر گھر میں گھسے اور وہ مجھ ہی کو سمجھتے تھے کہ محمد ہیں انکے آتے ہی میں بستر سے اٹھکر انکے سامنے پہونچا اور ایک ڈانٹ بتائی تو ان سب نے پوچھا این اکیا علی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے پوچھا اور محمد کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ وہ تمھارے شہر سے نکل گئے انھوں نے دریافت کیا تو گئے کدھر؟ میں نے کہا اسکو خدا ہی زیادہ جانتا ہے کہ کہاں گئے اسقدر باتوں کے بعد وہ سب مکان سے چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا اور صاحب مطالب السئول نے لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام آنحضرت کی خوابگاہ میں سوئے اور کفار قریش اس مکان کے گرد جمع تھے کہ آپکو باہر نکلتے ہی قتل کردیں لیکن باوجود اسقدر سامان کے آنحضرت صلعم کا دل ذرہ برابر بھی نہ گھبرایا نہ خوف زدہ ہوا نہ حضرت نے انلوگوں کی کچھ پروا کی۔ جب صبح ہوئی تو سب نے حضرت پر حملہ کرنا چاہا مگر خدا نے انکے کید کو رد کردیا اور انھوں نے حضرت علی سے پوچھا کہ تمھارے نبی صاحب کہاں ہیں؟ حضرت نے فرمایا مجھے کیا معلوم کہاں ہیں اسکے بعد حضرت تین شبانہ روز تک مکہ معظمہ میں مقیم رہکر لوگوں کی امانتیں واپس دیتے رہے جو آنحضرت صلعم کے پاس مکہ والوں کی تھیں جب اس سے فارغ ہوگئے اور مکہ معظمہ میں سوا آپکے کوئی مسلمان باقی نہ رہا (علاوہ ان لوگوں کے جو کفار کے پاس بطور قیدی گرفتار تھے) تو حضرت علیؑ

مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت مین ابنائنا سے حضرت حسن وحسین کی طرف اور نسائنا سے حضرت فاطمہ کی طرف اور انفسنا سے حضرت علی کی طرف اشارہ ہی تو خدا نے اس آیت مین حضرت علی کو حضرت رسول خدا صلعم کا نفس قرار دیا ہے۔ اور نفس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آنحضرت صلعم کی خدمت مین جانے کے لیے تنہا مکہ معظمہ سے نکل پڑے غرض حضرت اتنے دنون تک یکہ وتنہا ہی رہے اور وہان سے ہجرت بھی تنہا ہی کی باوجودیکہ کفار کہ آپ کے شدید دشمن ہو رہے تھے مگر آپ پر ذرہ برابر ان کا اثر نہین ہوا اور نہایت اطمینان سے آپ نے مدینہ کی راہ لی اور وہان پہونچکر حضرت رسولخدا صلعم کے ہمراہ کلثوم بن ہدم کے پاس فروکش ہوئے۔ پس اگر خدائے تعالیٰ حضرت کے دل کو خاص قوت آپ کے قلب کو مخصوص ہمت اور اطمینان اور آپ کے نفس کو بے نظیر شہامت نہ مرحمت فرمائے ہوتا تو باوجودیکہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپکو اطمینان دلا دیا تھا کہ حضرت کے فرش پر سونے سے آپ کو کوئی گزند نہین پہونچیگا پھر بھی حضرت علی اس نازک موقع اور سخت مقام پر ضرور مضطرب ہو جاتے کیونکہ انسان کا نفس اگرچہ عدم خوف واذیت کی عقلی وجہ پاتا ہے پھر بھی ظاہری اسباب تردد و پریشانی سے متاثر ہو جاتا ہے اور خوفناک امر دیکھ کر اضطراب کرنے لگتا ہی مثلاً حضرت موسی علیہ السلام کو دیکھو کہ باوجودیکہ درجہ نبوت پر فائز تھے اور خدا نے آپکو خبر دیدی تھی کہ اس نے حضرت کو برگزیدہ کیا ہی پھر بھی جب خدا کے حکم سے آپ نے اپنے عصا کو ڈالا اور وہ اژدہا بنگیا تو حضرت موسی بھی اس سے ڈر گئے اور منہ پھیر کر بھاگنے لگے چنانچہ سورۃ قصص پارہ ۲۰ رکوع ۱۱ مین ہے وان الق عصاک فلما راٰھا تھتز کانھا جانٌ ولّٰی مدبرا ولم یعقب یعنی مین نے موسی کو حکم دیا کہ اپنی چھڑی ڈالدو تو دیکھا کہ وہ اسطرح بل کھا رہی ہے گویا اژدھا ہے تو موسی منہ پھیر کر بھاگے۔ اس پر خدا نے فرمایا خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ اے موسی اسکو پکڑ لو اور ڈرو نہین مین اسے پہلی صورت پر کر دونگا (سورہ طہ پارہ ۱۶ رکوع ۱۰) اب حضرت موسی کو حکم خدا کے مخالفت کی جرأت نہین ہوئی آپ اسوقت ایک کمل اوڑھے ہوئے تھے تو اسکے ایک کنارہ کو اپنے ہاتھ مین لپیٹ لیا تاکہ اسی سے اس اژدہے کو پکڑین اس پر خدا نے موسی سے فرمایا موسی! یہ کیا؟ تم سمجھتے ہو کہ اگر خدا اس اژدہے کو اجازت دیدے کہ تمھین کاٹ لے تو کیا تمھارا کمل تمھین بچا لیگا؟ حضرت

مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو حضرت کا مساوی قرار دیا اور جو شخص اکمل اور اولی بالتصرف
ہوتا ہے اُس کا مساوی شخص بھی اکمل اور اولی بالتصرف ہی ہو گا۔ اور یہ آیہ مبارکہ ہمارے
مولا حضرت امیر المومنین کی اعلی منزلت اور بلند مرتبت کی بہترین اور واضح ترین دلیل ہے
کیونکہ خدا نے حکم کیا ہے کہ حضرت علی نفس رسولخدا صلعم کے مساوی ہین اور اس نے حضرت
علی کو معین کیا کہ دعا مین حضرت رسولخدا صلعم آپ سے اعانت چاہین اور آپ کو قبولیت
دعا کا وسیلہ قرار دین۔ تو اس سے بڑی فضیلت کیا ہو سکتی ہے کہ خدا اپنے نبی کو حکم دے
کہ خدا سے ایسی عظیم الشان دعا کرتے وقت حضرت علی سے مدد کے خواستگار ہوں اور
آپ سے توسل چاہین اور حضرت علی کے سوا یہ مرتبہ آجتک کسی کو نصیب ہوا ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) موسیٰ نے عرض کی اے خدا میرا اکمل ہرگز مجھے نہین بچا سکتا ہے لیکن مین
کمزور دل کا ہون اور تو ہی نے اس دل کو کمزور پیدا کیا ہے انتھے۔ دیکھا تم نے کہ نفس بشری اس
فطرت پر پیدا کیا گیا ہے کہ باوجود اس درجہ اسباب اطمینان اور خدا کے وعدہ حفاظت کے بھی
حضرت موسیٰ اس طرح ڈرتے رہے۔ اسیطرح حضرت موسیٰ کی والدہ کا واقعہ بھی ہے کہ خدا نے
انھین حکم دیا تم اپنے اس بچہ (موسیٰ) کو دریا مین ڈالدو اور ڈرنا نہین مین بہت جلد اسکو تم سے
ملا دونگا۔ تو مادر حضرت موسیٰ نے آپکو دریا مین ڈالدیا مگر فوراً ہی آپ کو اضطراب بھی شروع ہو گیا
جو فطرت انسانی کا مقتضے تھا یہانتک کہ قریب تھا مادر موسیٰ اس واقعہ کو ظاہر کر کے فضیحت
ہو جائیں لیکن خدا نے انکے دلکو روک لیا اور ان کی زبان گویا بند کر دی تو باوجود شدید اضطراب
اور پریشانی کے وہ کچھ بھی نہ بول سکین۔ ان دونون واقعون سے حضرت علی کی حالت کا مقابلہ
کرو اور حضرت کے اطمینان قلب کی قدر کرو کہ اگر خدا حضرت علی کو مخصوص معرفت۔ توکل یقین
علی اللہ اور وہ دل جو قوۃ ثابتہ اور شجاعت کاملہ سے متصف تھا نہ مرحمت فرمائے ہوتا تو باوجود
حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کو مطمئن کر دیا تھا پھر بھی حضرت کا حکم بجا لاتے وقت یا اسکے
بعد آپ کا دل ضرور دھڑکتا اور آپ خوف سے ضرور پریشان ہوتے کیونکہ بشری نفس کا
مقتضے یہی تھا پس حضرت کا ان دشمنون کے حلقہ مین بکہ وتنہا سونا جو آپ کے خون کے
پیاسے آپ کے دین کے دشمن اور آپ کی عداوت کا اظہار کرنے والے ہون۔ پھر
حضرت رسولخدا صلعم کے تشریف لیجانے کے بعد انھین دشمنون مین تین شبانہ روز

قول ابطال مباہلہ کرنے والون کی عادت یہ تھی کہ اپنے گھر والون اور قرابتمندون کو جمع کر لیتے تھے تاکہ مباہلہ ان کے کل مخصوصین کو شامل ہو جائے اسی وجہ سے رسولخدا صلعم نے بھی اپنی اولاد اور عورتون کو جمع کیا۔ اور اس آیت مین انفسنا سے مراد رجال ہین تو گویا حضرت رسولخدا صلعم کو حکم ہوا کہ اپنی عورتون اور اولاد اور اپنے اہلبیت کے مردون کو اکٹھا کر لین پس عورتین تو حضرت فاطمہ ہوئین اور اولاد حسن وحسین ہوئے اور رجال حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علی قرار پائے لیکن علامہ نے مساواۃ (حضرت علی کے حضرت رسولخدا صلعم سے برابر ہونے) کا جو دعوی کیا ہے تو یقیناً باطل ہے اور اس کا باطل ہونا ضروریات دین سے ہے کیونکہ امت نبوی صلعم کا کوئی شخص بھی کسی طرح حضرت کا برابر نہین ہو سکتا اور جو اسکا دعوے کرے وہ دین اسلام سے خارج ہے اور برابری ممکن کیونکر ہو سکتی ہے اسلئے کہ حضرت رسولخدا صلعم نبی مرسل۔ خاتم الاولیاء۔ بلکہ انبیاء اولی العزم سے بھی افضل تھے اور ان مین سے کوئی صفت بھی حضرت علی مین نہین تھی۔ ہان امیر المومنین حضرت علی کیلئے اس آیہ مین ایک فضیلت عظیمہ ہے جو مسلّم ہے لیکن یہ فضیلت حضرت علی کی امامت پر نص ہونیکی دلیل نہین قرار پا سکتی ہے۔

قول احقاق فاضل مخاطب کے بیان مین کئی باتین قابل گرفت ہین اول یہ کہ جب "مباہلہ کرنیوالون کی عادت یہ تھی کہ اپنے گھر والون اور قرابتمندونکو جمع کر لین تاکہ مباہلہ ان کے کل مخصوصین کو شامل ہو جائے" جیساکہ فاضل مخاطب نے اقرار کیا ہے (نہ وہ لوگ جو یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ ان پنجتن پاک پر خدا کی خاص عنایت تھی اور اسی عنایت کی وجہ سے ان لوگون کو مباہلہ مین شریک کر لینے کا حکم ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قیام کرنا اور تمام وصایائے نبی صلعم کو انجام دینا پھر ان شہرون کی گھاٹیون راہون اور مختلف پہاڑون کے درمیان سے گزرتے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت مین جانا (حالانکہ راستہ کے یہ تمام مقامات بھی دشمنون ہی کے تھے اور انکی تعداد بے حساب تھی ادھر حضرت علی تن تنہا تھے کوئی ساتھی یا مددگار نہین تھا) حضرت علی کی نہایت شجاعت اور کمال اطمینان علی اللہ اور جان نثاری وحفاظت دین اسلام کی واضح ترین دلیل اور بہترین ثبوت وبرہان ہر جس سے خدا نے حضرت علی ہی کی ذات کو مخصوص کیا تھا ۱۲ منہ نور اللہ مرقدہ

تو ارشاد ہو کہ آنحضرتؐ نے اس عادت کے خلاف کیون کیا اور اس مباہلہ مین اپنے کل
قرابتمندان بنی ہاشم کو کیون نہین جمع کیا اور عورتون سے صرف حضرت فاطمہ کو اور مردون
سے صرف حضرت علیؑ کو اور اولاد سے صرف اپنے دونون نواسون کو کیون منتخب فرمایا؟
اور چونکہ حضرت نے اس جاری عادت کے خلاف کرکے مباہلہ کیلئے انھین چار حضرات
کو مخصوص کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے قرابتمندون سے باقی لوگ فضائل و مناقب
اور تقرب بارگاہ الہی مین اس درجہ پر نہین تھے۔ نیز اگر یہی عادت رہتی کہ سب کو شامل
کر دیا جائے اور یہ شرکت عام ہوا کرتی جیسا کہ فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے تو فوراً
نصاریٰ نجران جو مباہلہ کے دوسری طرف تھے حضرت رسولخدا صلعم پر اعتراض کرتے
کہ آپ نے اس عادت کے خلاف کیون کیا جو دنیا مین جاری ہے اور اسی سے
آپ پر اپنی حجت قائم کرتے مگر معلوم ہے کہ ایسا نہین ہوا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ "دونون رجال
حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علی قرار پائے" تو آپ نے یہ ایجاد اسلئے کی
کہ لفظ انفس کا استعمال حقیقۃً جمع ہی پر محمول کر دیا جائے اور یہ بات ان کی سمجھ مین
نہین آئی کہ حضرت رسولخدا صلعم اس خطاب سے تو اس حکم مین کسی طرح داخل
ہو ہی نہین سکتے ہین جیسا کہ اصول مین طے پا چکا ہے کیونکہ خدا نے تو حضرت کو حکم
دیا کہ اپنے نفسون کو بلائین جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے انفس جو تھے وہ بلائے
گئے اور حضرت نے ان کو بلایا۔ تو بلانے والا اور وہ جو بلایا گیا ایک کیونکر ہو جائینگے؟)
دوسری گرفت یہ کہ یہ جو کہا کہ "مساواۃ کا دعوی یقیناً باطل اور دین اسلام سے خارج
ہوتا ہے" تو یہ کہنا ہی حق اور یقین کے دائرہ سے خارج ہونا ہے اور حضرت
امیر المومنینؑ اور سید المرسلین و سید الوصیین کی معرفت سے انکار کرنا یا غافل
ہو جانا ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "برابری ممکن کیونکر ہے الخ" تو وہ سمجھے نہین کیونکہ یہ حضرت
علی کے آنحضرت صلعم سے کمال خصوصیت رکھنے اور مقرب و محبوب ہونے کا کنایہ
ہے اس لئے کہ جب دو شخصون مین محبت کامل ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ دونون
معنے کے اعتبار سے ایک ہین اگرچہ صورت کے اعتبار سے دو ہین (یا جیسے کہتے
ہین فلان فلان ایک روح دو قالب ہین) اور اس سے زیادہ جو لازم
آتا ہے وہ درجہ مین برابر ہونا ہے نہ نبوت مین اور یہ واضح ہے کہ اگر حضرت علی

کو آنحضرت سے خصوصیت اور قربت اس درجہ کی نہ حاصل ہوتی تو خدا حضرت کو نفس رسول ایسے معزز خطاب سے ہرگز سرفراز نہیں کرتا اور حضرت علی اور آپ کے دونوں چھوٹے فرزند (حسن و حسین) آپ کے بھائی جعفر و عقیل سے اولی نہیں ہوتے (کیونکہ جس طرح حضرت علی آنحضرت صلعم کے چچا زاد بھائی تھے اسی طرح حضرت جعفر و عقیل بھی تھے پھر ان دونوں اور ان کی اولاد کو آنحضرت صلعم نے کیوں چھوڑ دیا اور حضرت علی اور آپ کی اولاد کو کیوں لیگئے ؟) پس اسی تقریر سے فاضل مخاطب کے پہلے قول کا جواب بھی ہوگیا جو کہا تھا " مباہلہ کرنے والوں کی عادت یہ تھی کہ الخ " خلاصہ یہ کہ حضرت رسولخدا صلعم چونکہ خدا کے جلال کو پہچاننے والے اور اس سے نہایت درجہ ڈرنے والے تھے لہذا مباہلہ ایسے مہتم بالشان کام میں جس میں ہر دو طرف سے دوسری طرف والوں کے ہلاک اور رحمتِ خدا سے دور ہونے کی دعا مانگی جاتی ہے حضرت نے ان لوگوں سے اعانت چاہی اور آپ کو وسیلہ قرار دیا جو اپنی فضیلت اور تقرب بدرگاہ الٰہی میں آپ سے ملتے جلتے تھے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ دعا میں کسی افضل و اعلےٰ ہستیوں کی شرکت دعا کی قبولیت میں خاص اثر پیدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی سنت سے بھی معلوم ہوا ہی تو دعا کیلئے ان لوگوں کو نہ بلانا اور چھوڑ دینا جو فضل و شرف میں خدا کے نزدیک حضرت رسولخدا صلعم سے مساوی تھے ایک دینی امر کے شایان شان جو اہتمام ہونا چاہئے اسکے خلاف کرنا اور اس میں خلل پیدا کرنا تھا اور حضرت رسولخدا صلعم کی ذات ایسی غلطیوں سے منزہ تھی - اور ان دلیلوں سے جو بتا دی ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مباہلہ نصاریٰ میں حضرت علی و فاطمہ و حسنین سے اعانت چاہی تھی اس آیہ مباہلہ کا آخری لفظ ثم نبتہل (پھر ہم سب ملکر گڑگڑائیں) بصیغہ جمع لانا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تنہا آنحضرت صلعم کی دعا مباہلہ کیلئے کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ یہ حضرات بھی شریک کئے گئے اور حضرات اہلسنت کے بڑے مفسر قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے علما نے دوسری کثرت کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم جب مباہلہ کے لئے چلے تو امام حسین کو بغل میں لیا امام حسن کا ہاتھ تھاما جناب فاطمہ حضرت کے پیچھے چلیں اور حضرت علی انکے بعد چلے اور حضرت رسولخدا صلعم ان لوگوں سے فرماتے جاتے تھے اذا انا دعوت فامنوا جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا - اور اسی طرح نصاریٰ کے سردار جسکا نام ابوالحارثہ تھا جب آنحضرت صلعم آگے بڑھے اور دو زانو ہو کر بیٹھے کہا خدا کی قسم

پنشست تو وہ ہے جسطرح انبیاء مباہلہ کیلئے بیٹھے تھے۔ اے گروہ نصاریٰ یقیناً میں ان چہروں کو دیکھتا ہوں کہ اگر وہ خدا سے سوال کریں کہ پہاڑ کو اسکی جگہ سے ہٹادے تو خدا اسکو ضرور ہٹا دیگا لہذا تم لوگ ہرگز مباہلہ نہ کرو (روایت کے آخری حصہ تک" جسکو قاضی بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے سلہ اور اس آیت کا حضرت علی کی افضلیت پر دلالت کرنا اس مضمون سے بھی ثابت ہوتا ہے جو علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۹۳ سطر ۱۸) میں دارقطنی سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت علی نے شوریٰ کے وقت اصحاب شوریٰ سے احتجاج کیا اور ان سے فرمایا "میں تمھیں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں بتاؤ تم میں کوئی بھی ایسا ہے جو قرابت میں مجھ سے زیادہ آنحضرت صلعم کا قریبی ہو اور آنحضرت صلعم نے جسکو اپنا نفس اور جس کے بیٹوں کو اپنا فرزند اور جس کی عورتوں کو اپنی عورتیں بتایا ہو۔ اسپر سب صحابہ نے کہا خدا کی قسم آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے تا آخر حدیث" یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ نفس ہونے سے مراد حقیقت میں متحد ہوجانا نہیں ہے بلکہ ان فضائل اور کمالات میں مساوی ہونا ہے جن میں مساوی ہونا ممکن ہو کیونکہ کل مجازی معنوں میں یہی معنے حقیقی معنی سے قریب تر ہے پس جب اس لفظ کا حقیقی معنے پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے تو اسی قریب ترین مجازی معنے پر عمل کیا جائیگا جیساکہ اصول کا قاعدہ ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم بالاتفاق افضل ناس تھے اور افضل کا مساوی بھی افضل ہوتا ہے لہذا حضرت رسولخدا صلعم کے علاوہ حضرت علی ہی سب سے افضل ہونگے۔ اور ممکن

سلہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں نجران کے نصاریٰ کو حضرت رسولخدا صلعم نے بہت سمجھایا کہ انھیں خدا کا بیٹا نہ کہیں حضرت آدم کی مثال بھی دی مگر وہ مانتے نہیں۔ آخر حضرت نے خدا کے حکم سے مباہلہ کی تجویز پیش کی اور یہ طے ہوا کہ فلاں جگہ فلاں وقت ہم اور تم دونوں اپنے اپنے بیٹے عورتوں اور نفسوں کو لیکر جمع ہوں اور ہر ایک دوسرے پر لعنت کرے اور خدا سے عذاب طلب کرے۔ جس روز یہ مباہلہ ہونے والا تھا (یعنی ۲۴ ذی الحجہ سنہ ہجری) اصحاب در دولت پر اس امید میں جمع ہوئے کہ شاید ہم ہی کو حضرت ساتھ لیچلیں مگر آپ نے علی الصباح حضرت سلمان فارسی کو ایک کمل اور چادر لکڑیاں دیکر اسمیں ایک چھوٹا سا سائبان کھڑا کرنے کو روانہ کیا اور خود اس شان سے برآمد ہوئے کہ امام حسین عہ کو بغل میں لیا اور امام حسنؑ کا ہاتھ تھاما اور جناب سیدہ آپکے پیچھے چلیں اور حضرت علی اسکے بعد۔ اور آنحضرت صلعم ان لوگوں سے فرماتے تھے کہ میں دعا کروں تو تم لوگ

ہی یہ بھی کہا جائے کہ جناب علامہ علیہ الرحمہ کی مراد مساوات سے وہ مساواۃ ہو جو نفسی صفات مین ہوتی ہے۔ تو اسوقت ہم کہینگے کہ فاضل مخاطب نے جو کہا ہے کہ ہمارے نبی صلعم نبی مرسل۔ خاتم الانبیاء تھے پس اگر اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت اسی شان سے مبعوث ہوئے تھے تو ظاہر ہے کہ یہ صفات نفس سے نہین ہے جیسا کہ علامہ غزالی نے اپنی کتاب منخول مین تصریح کردی ہے چنانچہ کہا ہے لیست الاحکام للافعال صفات ذاتیة و انما معناها ارتباط خطاب الشارع بها امرا و نهیا حثا و زجرا فالمحرم هو المقول فیه لا تفعلوه والواجب هو المقول فیه لا تترکوه وهو کالنبوة لیست ذاتیة نفسیة للنبی ولکنها عبارة عن اختصاص شخص بخطاب التبلیغ انتهی۔ یعنی افعال کی متعلق جو احکام ہین وہ ذاتی صفات نہین ہین بلکہ ان کا معنے یہ ہے کہ حکم اور نہی۔ یا برانگیختہ کرنے اور باز رکھنے کے لئے شارع کا خطاب ان احکام سے مرتبط ہوگیا ہے (یعنی شارع صرف ان کامون کو بجا لانے یا ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے) پس حرام فعل وہ ہے جسکے بارے مین شارع یہ حکم دے کہ اسکو نہ کرو اور واجب کام وہ ہے جسکے بارے مین وہ کہے کہ اسکو ضرور کرو اور ترک نہ کرو۔ پس نبوت کی طرح یہ صفت حضرت رسولخدا صلعم کی ذاتی نفسی صفت نہین ہے بلکہ اسکا مقصود صرف یہ ہے کہ ایک شخص تبلیغ کے خطاب سے مخصوص کردیا گیا انتھے۔ اور اگر فاضل مخاطب کی مراد وہ صفت کاملہ نفسیہ ہے جو کسی کے اس شان پر مبعوث ہونیسے پیدا ہوتی ہے اور درجہ مین مساواۃ کو مقتضی ہوتی ہے تو اس صفت اور اس درجہ کا حضرت امیر المومنین کیلئے حاصل ہونا محال نہین ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہین کہ ہمارے پیغمبر صلعم کا خاتم الانبیاء ہونا اس امر سے مانع ہے کہ کوئی اور شخص اس عنوان پر مبعوث ہوسکے اور نبی کا اطلاق اس پر شرعی حیثیت سے ہوسکے اور یہ اس سے زیادہ بعید اور قابل حیرت نہین ہے جو علماء و محدثین اہلسنت حضرت ابوبکر کے بارے مین روایت کرتے ہین کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا انا و ابوبکر کفرسی رھان مین اور ابوبکر اس طرح برابر ہین جسطرح گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آمین کہنا جب آپ اس شان سے میدان میں پہونچے تو نصاریٰ کا سردار عاقث انکی طرف دیکھکر اپنے لوگوں سے کہنے لگا یا معشر النصاری انی لاری وجوہا

برابر ہوتے تھے یا جو حضرت عمر کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلعم نے فرمایا لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے جو کتاب مشکوٰۃ میں جامع ترمذی سے منقول ہے (دیکھو مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ لاہور جلد ۴ صفحہ ۱۰۷) اور فاضل مخاطب نے آخر میں یہ جو کہا کہ یہ آیت خلافت حضرت علی کے منصوص ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے تو یہ بھی مہمل ہے اسلئے کہ جناب علامہ علیہ الرحمہ نے اس باب میں صرف ان مضامین کو نہیں ذکر کیا ہے جو خلافت حضرت علی پر نص ہوں بلکہ ممدوح کی عرض جیسا کہ پہلے تصریح کر چکے ہیں ان دلیلوں کا ذکر کرنا ہے جو حضرت علی کی امامت پر قائم اور موجود ہیں خواہ وہ خود اپنی ذات سے حضرت علی کی خلافت کو ثابت کریں خواہ اپنے شرائط و لوازم سے مثلاً عصمت۔ افضلیت۔ فضائل و کمالات کا اسطرح حضرت میں جمع ہونا جس سے دوسرے لوگ حضرت تک نہ پہونچ سکیں اور اس امر کو صاحب مواقف بھی جانتے تھے چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ شیعوں کیلئے اس اعتقاد میں کہ حضرت علی سب سے افضل تھے دو مسلک ہیں۔ ایک وہ جو اجمالی حیثیت سے حضرت کو سب سے افضل ثابت کرتا ہے اور اسکی کئی صورتیں ہیں ایک آیہ مباہلہ دوسری حدیث طیر الخ اور دوسرا مسلک وہ ہے جو تفصیلی طور پر حضرت کو سب سے افضل ثابت کرتا ہے اور وہ اسطرح کہ ایک شخص کا دوسرے سے افضل ہونا ان کمالات ہی کے سبب سے ہوتا ہے جو اس میں موجود ہوں اور معلوم ہے کہ تنہا حضرت علی کی ذات میں اس کثرت سے فضائل اکٹھے ہو گئے تھے جو کسی دوسرے شخص میں نہیں تھے بلکہ بعض میں کوئی کمال تھا اور بعض میں کوئی اور وہ کئی کمالات ہیں اول علم کہ حضرت تمام صحابہ میں اعلم تھے الخ"۔ ہاں اسکے بعد صاحب مواقف نے تکابرہ اور ہٹ دھرمی شروع کر دی ہے اور ان دونوں مسلکوں کا جواب یہ دیا ہے کہ بیشک یہ باتیں حضرت علی کی فضیلت تو ثابت کرتی ہیں مگر ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت سب سے افضل تھے اور سب سے افضل ہو کیونکر سکتے ہیں اسلئے کہ افضلیت کی وجہ کثرت ثواب اور خدا کی درگاہ میں مکرم ہونا ہے اور یہ بات اسی کو حاصل ہوگی جو خدا کی اطاعت سب سے زیادہ اور بہتر کریگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لو سألوا اللہ تعالیٰ ان یزیل جبلاً من مکانہ لازالہ فلا تباھلوا فتھلکوا اے عیسائیو میں ان چہروں کو دیکھتا ہوں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ اس پہاڑ کو اسکی جگہ سے ہٹا دے تو یقیناً خدا اسے ہٹا دیگا ہرگز مباہلہ نہ کرو ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے تب انھوں نے اطاعت قبول کی اور جزیہ پر صلح کر لی تب آنحضرت صلعم نے فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ

اور اس میں کمال درجہ اخلاص برتیگا اور دین اسلام کی مدد کریگا۔ تو صحابہ کرام کے
ان حالات سے جو دین اسلام کی تقویۃ و خدمۃ کے متعلق کتب سیرۃ میں ملتے ہیں واضح
ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر جب اسلام لائے تو دوسروں کو خدا اور دین حق کی طرف
دعوت دینے میں مشغول ہوئے جس سے بکثرت لوگ آپکے ہاتھ پر اسلام لائے مثل
حضرت عثمان بن عفان۔ طلحہ بن عبد اللہ۔ زبیر۔ سعد بن ابی وقاص۔ عثمان بن مظعون وغیرہ
کے جس سے اسلام مضبوط ہوگیا اور آپ برابر کفار سے لڑتے اور دین الٰہی کے بلند
کرنے میں مشغول رہے۔ حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات
پر بھی۔ اور اسکو بھی سمجھ رکھو کہ افضلیت سے کہ مسئلہ میں جزم اور یقین کو کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ
فضیلت جسکا معنے سب سے زیادہ ثواب کا مستحق ہوا ہے اسکا طے کرنا مستقلاً عقل
کا کام نہیں ہے نہ وہ کر سکتی ہے بلکہ اسکا تعلق نقل (قرآن مجید اور احادیث) سے ہی
اور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس سے کسی عمل کا تعلق ہوتا کہ اس میں گمان کافی ہو جائے
جو عموماً عملی احکام میں کافی ہوا کرتا ہے بلکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے جس میں یقین کا حاصل ہونا
ضروری ہے۔ اور وہ دلیلیں جو بطور نص ذکر کیگئیں ان سے یقین نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ
منصف شخص پر مخفی نہیں ہے لیکن یہ سب حدیثیں یا تو احاد ہیں یا ایسی ہیں جنکی دلالت ظنی ہے
علاوہ اسکے انکے مقابل بھی ایسی ہی دلیلیں ہیں جو ان دلیلوں کی معارض ہیں اور زیادہ ثواب
حاصل ہونے کی خصوصیت سے نہ تو یقینی طور پر درجہ کی زیادتی ہوتی ہے نہ گمان
کے طور پر کیونکہ تم کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ثواب صرف خدا کا فضل ہے اور خدا کو اختیار
ہے کہ جو بندہ بہت مطیع و فرمانبردار ہو اسکو وہ کوئی ثواب نہ دے اور جو نافرمان ہو
اس کو کثرت سے ثواب مرحمت فرمائے اور کسی شخص کی امامت کا ثبوت اگرچہ یقینی ہو
لیکن وہ اس شخص کے یقیناً افضل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ زیادہ سے زیادہ جو ہے اسکی
افضلیت کا گمان ہو سکتا ہے اور یہ واضح بات ہے کیونکہ ہمیں تو اسی کا یقین نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مباہلہ کر بیٹھتے تو بندروں اور سوروں کی صورت پر مسخ ہو جاتے اور یہ میدان
آپلوگوں کیلئے آگ بن جاتا اور خدا نجران اور اسکے باشندوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا یہانتک کہ
درختوں پر پرندے بھی نہیں بچتے لہذا یہ آنحضرت صلعم کی نبوت اور اہلبیت کی افضلیت کی دلیل ہے۔

ہے کہ افضل کے رہتے ہوئے مفضول کی امامت باطل ہے (یعنی ہوسکتا ہے کہ افضل
کو امامت کا عہدہ نہ ملے اور مفضول کو ملے) لیکن ہم بزرگوں کو دیکھتے ہیں کہ انکا اعتقاد تھا
سب سے افضل حضرت ابوبکر تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی اور
ان لوگوں کے بارے میں جو حسن ظن ہمکو حاصل ہے وہ ہم سے کہتا ہے کہ اگر ان لوگوں
نے حضرت ابوبکر کو پھر حضرت عمر کو سب سے افضل نہیں پایا ہوتا تو وہ یہ اعتقاد
نہیں رکھتے لہذا اس اعتقاد میں ہم پر بھی واجب ہے کہ انکی پیروی کریں اور واقعا جو
امر حق ہے اسکو خدا کے سپرد کر دیں۔ اور علامہ آمدی نے کہا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے
سے افضل کہنے کا مطلب کبھی یہ ہوتا ہے کہ یا تو پہلے شخص میں کوئی فضیلت ایسی ہے
جو دوسرے میں بالکل ہی نہیں ہے جیسے ایک شخص عالم ہو اور دوسرا جاہل۔ یا پہلے
شخص میں وہ فضیلت دوسرے شخص سے زیادہ ہے جیسے پہلے شخص کا علم دوسرے
شخص کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن صحابہ کرام کے درمیان اس قسم کی افضلیت کا طے
کرنا بھی یقینی نہیں ہوسکتا کیونکہ کوئی فضیلت ایسی نکلے گی ہی نہیں جو صرف کسی ایک صحابی
میں خاصکر پائی جائے اور دوسرے صحابی اس سے بالکل کورے ہوں اور اگر ہم تسلیم
بھی کر لیں کہ کسی ایک صحابی میں ایسی صفت ہو جو دوسرے میں نہ ہو تو دوسرے صحابی میں
بھی کوئی ایسی صفت نکل سکتی ہے جو اس پہلے صحابی میں نہ ہو۔ رہی یہ صورت کہ جس شخص
میں فضائل زیادہ ہونگے اسکو افضل سمجھا جائیگا تو اس طرح بھی کسی کو ترجیح نہیں حاصل
ہوسکتی کیونکہ ہوسکتا ہے کسی شخص کی ایک ہی فضیلت کا درجہ دوسروں کی بکثرت فضیلتوں
سے بڑھ جائے خواہ اس سبب سے کہ اس ایک فضیلت کا شرف اور درجہ فی نفسہا
زیادہ ہو خواہ اس سبب سے کہ اس فضیلت کی مقدار اس شخص میں زیادہ ہو لہذا اس
معنے سے بھی کسی شخص کے دوسرے سے افضل ہونے کا یقین نہیں حاصل ہوسکتا
ہے انتہے۔ اور علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں کہا ہے "ہم نے دونوں
طرف کی دلیلوں کو ایک دوسرے کی مخالف پایا ہے اور اس مسئلہ کو ان امور سے
نہیں سمجھتے ہیں جن سے ہمارے اعمال کی کسی چیز کا تعلق ہو یا جسمیں توقف کرنے سے
کسی واجبی کام میں خلل پیدا ہوتا ہو اور سابق بزرگان دین حضرت عثمان کو حضرت
علی سے افضل کہنے میں توقف کرتے تھے کیونکہ ان لوگوں نے اہلسنت والجماعۃ

کی علامت صرف یہ قرار دی تھی کہ شیخین (ابو بکر و عمر) کو افضل کہا جائے اور دونوں داماد دل (حضرت عثمان و حضرت علی) سے محبت رکھی جائے اور انصاف یہ ہے کہ اگر افضل ہونے کا مطلب یہ ہو کہ اسکا ثواب سب سے زیادہ ہے تو اسمیں توقف کرنے کی وجہ ہے اور اگر افضل ہونے کا مطلب یہ ہو کہ جن امور کو صاحبان عقل فضائل سمجھتے ہیں اُن امور کی زیادتی ہو تو اب توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" (مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۹)۔

ہم (شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری) عرض کرتے ہیں کہ علماء اہلسنت کے ان کل اقوال میں بعض باتیں قابل تامل ہیں چنانچہ صاحب مواقف نے جو کہا ہے کہ "بیشک یہ باتیں حضرت علی کی فضیلت تو ثابت کرتی ہیں الخ"۔ تو کسی صاحب عقل و تمیز پر یہ مخفی نہیں ہے کہ کرامت اور ثواب جو عبادۃ خدا کے عوض حاصل ہوتا ہے فضائل اور کمالات سے علیٰحدہ کوئی چیز نہیں ہے اور یہ طے ہو چکا ہے کہ کل فضائل و کمالات حضرت علی میں سب سے زیادہ پائے جاتے تھے اور بعض فضائل و کمالات تو حضرت ہی کے لئے مخصوص تھے دوسروں میں ذرہ برابر نہیں پائے گئے پھر اسکا کوئی مطلب ہی نہیں ہے کہ فضائل و کمالات تو حضرت علی ہی میں سب سے زیادہ ہوں مگر عزت و کرامت اور ثواب میں دوسرا شخص آپ سے بڑھ جائے یا برابر ہو جائے۔ اور یہ جو کہا کہ "حضرت ابو بکر جب اسلام لائے الخ"۔ تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ ہجرت جناب رسالتمآب صلعم سے پہلے جسقدر مسلمان ہوئے انکی تعداد چالیس سے زیادہ نہیں تھی جس سے اکثر لوگ خود حضرت رسولخدا صلعم کی دعوت پر اسلام لائے۔ اور اگر فرض کرلیں کہ طلحہ و زبیر وغیرہ پانچوں حضرات حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر ہی مشرف باسلام ہوئے تھے تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ وہ "دوسروں کو خدا اور دین حق کی طرف دعوت کرنے میں مشغول ہوئے"۔ کیونکہ یہ جملہ تو اس موقع پر بولتے ہیں جب کسی شخص کی دعوت پر لوگوں کی بہت سی جماعتیں اسلام لاتی ہیں نہ کہ صرف پانچ یا چھ کے اسلام لانے پر یہ فخر کیا جائے بلکہ اگر کوئی اسکی تصریح کریگا تو اسپر مضحکہ کیا جائیگا۔ باوجود اسکے اگر ہم یہ دعویٰ تسلیم کرلیں تو حضرت ابو بکر[1] کے مقابلہ میں حضرت علی کو دیکھئے کہ عرب و عجم کے ہزاروں

[1] اگرچہ ان دونوں بزرگوں کا مقابلہ دل کو پسند نہیں ۱۲ مترجم

شخصوں نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا منجملہ انکے اہل یمن کا قبیلہ ہمدان ہی
جو سب کا سب حضرت ہی سے مسلمان ہوا چنانچہ روایت میں ہے کہ جب حضرت
علی کی دعوت پر قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر حضرت رسولخدا صلعم کو ملی تو آپ
نہایت درجہ خوش ہوئے اور خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑے اور بار بار فرمایا
السّلام علی ھمدان السّلام علی ھمدان ۔ ہمدان پر سلامتی ہو ہمدان پر سلامتی ہو سلہ اور یہ جو
کہا کہ "آپ برابر کفار سے لڑنے اور دین الٰہی کے بلند کرنے میں مشغول رہے"، تو یہ محض دعوی
ہی دعوی ہے جسپر کوئی دلیل نہیں کیونکہ لڑنا اسکو کہتے ہیں کہ طرفین ایک دوسرے کا مقابلہ
کریں اور حضرت ابوبکر کی حالت ہجرت سے پہلے تو یہ تھی کہ آپکو کفار رسی سے باندھ ڈالتے آپکو
مارتے چپت لگاتے آپکی ڈاڑھی نوچتے چنانچہ اسکی تفصیل آ چکی ہے اور ہجرت کے بعد آپکو
ان مصائب سے نجات تو ملگئی لیکن آنحضرت کے غزوات سے کسی میں ایک شخص سے بھی
تو آپ نے جنگ نہیں کی نہ کسی کے مقابلہ پر نکلے بلکہ آپکی معرکہ آرائی یہ ہوتی تھی کہ میدان جنگ
کو چھوڑ کر وہاں سے علحدہ ہو جاتے تھے ۔ ذرہ ہم بھی تو سنیں آپ کس کافر سے لڑے اور کس
دشمن دین سے مقابلہ کیا !۔

اور یہ جو کہا کہ "افضلیت کے مسئلہ میں جزم اور یقین کو کوئی دخل نہیں ہے"، تو یہ بھی صحیح نہیں
جسکی وجہ پہلے مذکور ہو چکی اور اگر ہم اسکو مان بھی لیں تو آپکے مقصود کے خلاف ہی کیونکہ کسی
عاقل سے کیونکر اسکی امید ہو سکتی ہے کہ جس شخص میں ان صفات کاملہ کا مجموعہ ہو اوسکو
وہ امامت کا اہل اور سزاوار نہ سمجھے صرف اس احتمال پر کہ ہو سکتا ہے درحقیقت اس شخص کا
غیر اس سے افضل ہو اسلئے کہ ظاہر ہے ہر عاقل ایسی صورت میں یہی کہیگا کہ اسوقت ہماری
نظر میں یہی شخص (جسمیں یہ فضائل و کمالات جمع ہیں) افضل ہے اور امامت کیلئے سب سے
بہتر اور حقدار ہے اور اسوقت تک رہیگا جب تک دوسرا شخص اس سے بہتر نہ ثابت
ہو جائے اور اسکی دلیل واضح ہے اسلئے کہ کوئی شخص مثلاً یہ نہیں کہ سکتا ہے کہ جس شخص
کا علم و فضل میں سب سے بہتر ہونا معلوم ہوا اس سے تو علم حاصل نہ کیا جاے اور جس
کی جہالت یا علم کا حال کچھ نہ معلوم ہو اس سے اسکی امید رکھی جاے یہ ایک عقلی بات ہی
جسکو ہر سمجھدار تسلیم کریگا علاوہ برین قرآن مجید اور احادیث نبوی صلعم سے بھی اسکی تائید

سلہ دیکھو استیعاب مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ و ۱۲۰ ۔

ہوتی ہے چنانچہ پارہ ۱۱ رکوع ۹ میں خدا فرماتا ہے افمن یہدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یہدی الا ان یہدی فما لکم کیف تحکمون۔ یعنی بھلا جو شخص حق کا راستہ دکھائے اسکی پیروی کرنی چاہئے یا اسکی کہ جب تک کوئی رستہ نہ بتائے وہ خود ہی راہ نہ پائے تو تمھیں کیا ہوا ہے اور تم کس طرح کا انصاف کرتے ہو جس کا مطلب یہی ہوا کہ خدا دریافت فرماتا ہے کیا وہ شخص جو صاحب علم وہدایت ہے اسکا سزاوار ہے کہ اس سے خلق خدا ہدایت حاصل کرے اور اسکی ہدایت وعلم کے انوار سے حق کا رستہ دیکھے یا وہ شخص جسکو خود ہی راہ ہدایت نہیں معلوم ہے اور وہ جب تک دوسروں سے علم وہدایت حاصل نہ کرلے اسوقت تک خود ہی جاہل اور بے راہ رہے۔ تو اے عقل والو تم کس قسم کا انصاف اور فیصلہ کرتے ہو۔ اسکا مقصود بھی یہی ہوا کہ معلوم ہے عقل اسی امر کا فیصلہ کرتی ہے اور کریگی کہ پہلا ہی شخص زیادہ حقدار اور سزاوار اس امر کا ہے کہ خلق اسکی متابعت کرے اور اسکی ہدایت پر چلے اور اسکا پیرو بنے۔ اور اسکے خلاف فیصلہ کرنا صرف ہٹ دھرمی اور عناد ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس سے کسی عمل کا تعلق ہو" تو یہ بھی عجیب بات ہے کیونکہ اس مسئلہ سے ہمارے اعمال کا تعلق ہونا ایسا ضروری ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا یہی مسئلہ تو انسان کو گمراہی اور جہالت میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے وہ مفضول کو بہتر سمجھنے اور اوسکو مقدم خیال کرنے لگتا ہے اور جو شخص واقعا افضل اور مقدم ہوتا ہے اسکو موخر کر دیتا ہے اور ایسا کرنا اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن اسکا درجہ فسق سے تو کمتر نہیں ہوگا کیونکہ خدا پارہ ۱۵ رکوع ۸ میں فرماتا ہے ومن کان فی ہذہ اعمی فہو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا۔ یعنی جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور رستے سے بہت زیادہ گمراہ ہے اس آیت میں اندھے پن کی تفسیر مفسرین نے راہ حق کے اندھے پن اور ناواقفیت سے کی ہے بہرکیف کیونکر دعوی کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس سے کسی عمل کا تعلق ہو حالانکہ شیعوں اور سنیوں میں اعمال کی مخالفت زیادہ تر اسی مسئلہ سے متعلق ہے مثلاً بعض لوگوں کا بعض پر لعنت کرنا بھی ایک عمل ہے جسکا تعلق اسی مسئلہ سے ہے پس اس صورت میں اس مسئلہ کی تحقیق اور اسمیں یقین حاصل کرنا واجب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کون ذات ایسی ہے جسکی پیروی کرنا واجب ہے اور کسکی واجب نہیں ہے

تاکہ وہ غلط راہ اختیار کر کے غضب خدا کا مستحق نہ بنے۔ اور یہ جو کہا ہے "انکے مقابل ایسی دلیلیں بھی ہیں جو ان کی معارض ہیں"، تو یہ بالکل بے بنیاد بات ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ کی امامت و خلافت بلا فصل کے متعلق جس قدر دلیلیں اور نصوص وارد ہوئے ہیں انپر فریقین (شیعہ و سنی دونوں) کا اتفاق ہے برخلاف ان دلیلوں کے جو خلفائے ثلثہ کی شان میں وارد ہیں۔ ہاں خلفائے ثلثہ کے جو فضائل ہیں انکے مقابلہ میں انکے مطاعن اور انپر اعتراضات بھی ہیں اور انھیں فضائل و مطاعن میں تعارض ہے جسکو دلچسپی سے سمجھنا چاہئے۔ اور یہ جو کہا کہ "زیادہ ثواب حاصل ہونے کی خصوصیت سے الخ"، تو اسکا جواب پہلے ہی مسئلہ حسن و قبح عقلی کے بیان میں گزر چکا (کہ یہ خدا کی عدالت کے خلاف ہے اور اسکا ظلم ثابت کرتا ہے کہ جو بندہ بہت مطیع و فرمانبردار ہو اسکو خدا کوئی ثواب نہ دے اور جو نافرمان ہو اس کو کثرت سے ثواب مرحمت فرمائے) اور یہ جو کہا "کسی شخص کی امامت کا ثبوت الخ"، تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جس صورت میں فاضل کے رہتے ہوئے مفضول کی امامت جائز نہیں سمجھی جائیگی جیساکہ عقل کا فیصلہ بھی ہے اس صورت میں کسی شخص کے خلافت کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہوگا کہ وہ شخص افضل ہو لہذا کسی کے افضل ہونے کا گمان یقیناً اس امر کو مستلزم ہے کہ اسکے احق بخلافت ہونے کا گمان بھی حاصل ہو۔ اور یہ جو کہا کہ "اسی کا یقین نہیں ہے کہ افضل کے رہتے ہوئے الخ"، تو یہ صریح مکابرہ ہے جسکو عقل سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتی جسکی وجہ محض مذہبی تعصب ہے کہ چونکہ آپکے بزرگوں نے مسئلہ خلافت و امامت میں ایسا ہی کیا کہ افضل کے رہتے ہوئے اسکو چھوڑکر مفضول کو خلیفہ مان لیا لہذا آپ بھی وہی کہنے پر مجبور ہوتے ہیں ورنہ عقل تو یہی کہتی ہے کہ افضل ہی کو خلیفہ ہونا چاہئے اور یہ جو کہا کہ "ہم بزرگوں کو دیکھتے ہیں الخ"، تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان بزرگوں ہی کا مذہب حق یا باطل پر ہونا تو تحقیق طلب اور اسی میں نزاع ہے کہ انکی پیروی ترک کرنی چاہئے یا اسی پر باقی رہنا مناسب ہے کیونکہ آنکھ بند کر کے بزرگوں کی اندھی تقلید تو نہایت مذموم ہے جو لوگ مسلمان ہوئے اُنکے بزرگ کافر تھے پھر کیا ان لوگوں کو اپنے بزرگوں ہی کی پیروی کر کے کافر رہنا مناسب تھا یا عقل کیطرف رجوع کر کے مذہب باطل کو ترک اور صراط مستقیم کو اختیار کرنا ضروری تھا؟ بزرگوں کی

اندھی تقلید کو تو خدا نے قرآن مجید میں بہت برا کہا ہے چنانچہ پارہ ۲۵ رکوع ۸ میں کفار عرب کے اس قول کو برائی کے طور پر ذکر فرماتا ہے انا وجدنا اباءنا علی امة وانا علی اثارھم مقتدون یعنی ہم نے اپنے بڑوں کو ایک مذہب پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم انہیں کے پیچھے چلتے ہیں انتہے۔ اور ان لوگوں کے بارے میں جو حسن ظن انکو حاصل ہوا ہے وہ ناسمجھی اور کم عقلی کی وجہ سے ہے اور یہ ظن وہی ہے جسکی مذمت قرآن مجید پارہ ۱۱ رکوع ۹ میں یوں وارد ہوئی ہے وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا یعنی انہیں کے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ حق کے مقابلہ میں ظن کچھ بھی کار آمد نہیں ہو سکتا۔ اور پارہ ۲۶ رکوع ۱۴ میں فرماتا ہے یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم اے اہل ایمان بہت ظن کرنے سے احتراز کرو کہ بعض ظن گناہ ہے۔ علاوہ بریں صرف بزرگوں کے ساتھ حسن ظن ہونے سے انکی پیروی کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اور نہ انکی متابعت کو واجب کرتا ہے جو واضح امر ہے مختصر یہ کہ حضرات اہلسنت نے افضلیت کے مسئلہ کو خلافت کی ترتیب پر قائم کیا ہے کہ جو خلیفہ سب سے پہلے ہو گیا اسکو سب سے افضل سمجھا اور اسی طرح یکے بعد دیگرے اعتقاد رکھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل بے جوڑ بات ہے کہ چونکہ فلاں شخص اتفاق سے خلیفہ ہو گیا لہذا وہ افضل ہے یہ بات کسی عقل میں آسکتی ہے! اور اس میں کوئی نفع بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین سے قبل پچاس شخصوں کو لوگوں نے خلیفہ بنا لیا ہوتا تو اپنے اس اصول پر یہ حضرات ان پچاسوں خلیفوں کو بھی حضرت امیر المومنین ؑ سے افضل کہتے اور ان سب کو حضرت پر ترجیح دیتے۔ اور خلافت کی ظاہری اور صوری ترتیب سے مرتبہ وفضیلت کی ترتیب کیونکر صحیح ہو سکتی ہے اسلئے کہ ان حضرات کو فضائل وکمالات سے محروم رہنے کی وجہ سے حضرت علی علیہ السّلام سے وہی نسبت ہے جو صفروں کو عدد سے نسبت ہوتی ہے لہذا ان لوگوں کا حضرت علی سے پہلے خلیفہ بننا حضرت علی ہی کا درجہ بڑھاتا اور آپکے افضلیت واکملیت ہی کا اظہار کرتا ہے (اسطرح کہ حضرت علی مثلاً ۱ کی عدد تھے اور خلفاء ثلثہ صفروں کی طرح جو حضرت علی سے پہلے ہوئے لہذا حضرت علی کے عدد ۱ کے پہلے تین صفر ہوئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی ۱ سے

۱۰۰۰ ایک ہزار ہوگئے اجیسا کہ ایک فارسی شاعر نے کیا خوب اس مضمون کو نظم کر دیا ہے

از رتبہ صوری خلافت مقصود — جز غرض کمال اسد اللہ نبود
گر گشت رقم سہ صفر پیش از الف — پیدا است کہ در رتبہ کمال کہ فزود یعنی حضرت علی جو

ظاہری طور پر چوتھے خلیفہ ہوئے اس سے سوا حضرت اسد اللہ کا کمال ظاہر ہونے کے اور کچھ بھی مقصود نہیں تھا کیونکہ اگر الف سے پہلے تین صفر رکھ دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ کس کا درجہ بڑھے گا۔

اور حضرات علماء اہلسنت نے جو درحقیقت علم منطق سے ناواقف ہیں اور اسکے حرام ہونے کا فتوی دیتے ہیں حضرت امیر المومنین ؑ کو علم منطق کی چوتھی شکل سے تشبیہ دی ہے کیونکہ اس شکل کو علماء فن منطق نے شکل اول کی مخالفت کی وجہ سے اعتبار کے درجوں سے ساقط سمجھا ہے اور جمہور نے شکل اول کے بعد شکل ثانی کا مرتبہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ اشرف مقدمتین میں شکل اول کی موافقت کرتی ہے جو اس جگہ اہلبیت سے حق خلافت کو غصب کرنا تھا اور اسی وجہ سے ہمنے دونوں کا نام عمر بن رکھا ہے پھر ان لوگوں نے شکل ثالث کو معتبر سمجھا ہے کیونکہ یہ دوسرے مقدمہ میں شکل اول کی موافقت کرتی ہے جو یہاں پہلے دونوں بزرگوں کی شریعت کا رائج اور انکی سیرت کی پیروی کرنا تھا اور حضرت علی کو چوتھے مرتبہ میں رکھا کیونکہ حضرت کی طبیعت اول و دوم سے بالکل مخالف تھی (جسطرح شکل رابع شکل اول و دوم کے مخالف ہوتی ہے) اور یہی وجہ تھی کہ جب قصہ شوری میں عبد الرحمن بن عوف نے حضرت سے کہا کہ آپ ہاتھ پھیلائیے میں آپکی بیعت اس شرط پر کروں کہ آپ سیرۂ شیخین پر عمل کرینگے تو حضرت نے انکار کر دیا اور فرمایا نہیں میں تو کتاب خدا و سنت رسول صلعم پر ہی عمل کرونگا جس کے سنتے ہی عبد الرحمن بن عوف نے فوراً آپکو چھوڑ دیا اور اسی شرط پر حضرت عثمان کی بیعت کر کے انکو خلیفہ سوم بنا دیا اور انھوں نے بھی اس شرط کو منظور کر لیا اور علامہ آمدی نے جو کہا کہ کوئی فضیلت ایسی نکلیگی ہی نہیں الخ۔ اس میں بھی کلام ہے کیونکہ جب کوئی فضیلت کسی شخص سے مخصوص فرض کرینگے تو اسمیں دوسرے کی شرکت ممکن کیونکر ہوگی اسلئے کہ مخصوص کا تو معنے یہی ہے کہ صرف اسی میں پائی جائے دوسرے میں نہ پائی جائے مگر یہ کہ ان فضائل و کمالات کی اصل نوعوں میں شرکت مراد لی جائے لیکن یہ شرکت

ویسی ہی ہوگی جیسے کسی بچہ کے بارے میں دعوے کیا جائے کہ تحصیل علم کا مادہ رکھنے میں یہ متبحر اور علامہ حضرات کا شریک ہے یا میزان منشعب پڑھنے والے کو کہا جائے کہ صفت علم میں یہ بڑے بڑے مجتہدین کا شریک ہے یا کہا جائے کہ جس طرح عمرو بن عبدود کو حضرت علی نے اپنی شجاعت سے قتل کیا اسی طرح فلاں شخص نے چوہیا کو قتل کیا لہذا صفت شجاعت میں یہ شخص حضرت علی کا شریک ہے یا یہ کہا جائے کہ جس طرح حضرت علی نے تنہا در خیبر اکھاڑ دیا اسی طرح فلاں شخص نے اپنے کاٹھ کا در اکھاڑ دیا لہذا قوت میں یہ شخص حضرت علی کا شریک ہے تو اس قسم کی شرکت کا دعوی جس قدر مہمل اور قابل مضحکہ اور ایسا شخص جس درجہ بے عقل اور بے انصاف قرار پائیگا وہ ظاہر ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "ہوسکتا ہے کسی شخص کی ایک ہی فضیلت کا درجہ دوسروں کی بکثرت فضیلتوں سے بڑھ جائے" الخ تو یہ بھی مہمل ہے جسکی وجہ پہلے مذکور ہوچکی کہ ہمیں امام معین کرنے کے لئے صرف اُس شخص کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے جس میں وہ تمام فضائل اور کمالات پائے جاتے ہوں جو امامت اور دینی ریاست کے شرائط ہیں اور کوئی صاحب عقل اس احتمال کی طرف ملتفت بھی نہیں ہوسکتا کہ "شاید کوئی دوسرا شخص جس کے فضائل سے کوئی بات ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہو خدا کی نظروں میں یا فی نفس الامر اس جامع فضائل و کمالات شخص سے افضل نکل آئے"۔ بلکہ اگر ایسے خیال خام کا لحاظ کیا جائے تو سر دار کے انتخاب اور امام کے معین کرنے کا کام ہی رک جائے کیونکہ پھر تو ہر جولاہے۔ حجام۔ بازاری یا کسی پہاڑ پر بیٹھے یا کسی غار میں چھپے ہوئے شخص کے متعلق یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اگرچہ اسکی کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ شخص فی نفس الامر یا خدا کی نظروں میں دنیا بھر کے علماء۔ فقہاء۔ محدثین۔ سے جنکے فضائل و کمالات سے بچہ بچہ واقف ہے افضل اور بہتر ہو لہذا امام و رئیس کے مقرر کرنے کی راہ ہی بند ہو جائیگی۔ علامہ آمدی کے مقلدین جو انکی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اڑتے نظر آتے ہیں ذرہ ہمیں بتائیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ تجویز کیا انھوں نے موصوف میں تخیال اپنے کچھ ظاہری فضائل و کمالات پاکر آپکا انتخاب کیا تھا یا صرف اس احتمال پر کہ شائد انہیں باطنی طور پر ایسے فضائل و کمالات ہوں جن سے یہ خدا کی نظروں میں سب سے افضل ہو

یا یہ بھی نہیں تھا صرف بحث و اتفاق یا محض اپنی پسند اور مرضی سے آپکو خلیفہ تسلیم کر لیا اور اس امر کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ آپ میں ظاہری یا باطنی فضائل سے کوئی صفت بھی پائی جاتی ہے یا نہیں بلکہ آپکے نزدیک حضرت ابو بکر کا غلام استحقاق خلافت میں حضرت ابو بکر کے برابر تھا؟ ظاہر ہے کہ ان تینوں صورتوں سے آخری صورت تو حضرت ابو بکر کی جلالت قدر کے بالکل خلاف اور انکی سخت توہین کرنے والی ہے۔ اور دوسری صورت گویا محال ہے لہذا پہلی ہی صورت ماننی پڑیگی کہ حضرت ابو بکر میں کچھ فرضی فضائل ہی پاکر آپکے ماننے والوں نے خلیفہ بنایا اگرچہ وہ فرضی فضیلت صرف یہ ہو کہ یہ بوڑھے ہیں یا یہ کہ خلافت کو اسکے اصلی مستحقین سے علحدہ کر لینے میں پوری پوری کوشش کرینگے یا یہ کہ ان سے ہملوگوں کو دنیوی منافع زیادہ حاصل ہونگے یا یہ کہ یہ ہملوگوں کی رائے و مشورہ ہی پر عمل کرینگے برخلاف حضرت علی کے جو احکام خدا اور رسول کے مقابلہ میں کسی کی کچھ سننے والے نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی فضیلت ہی کی وجہ سے کوئی خلیفہ یا سردار بنایا جاتا ہے لہذا حقیقی خلیفہ وہی ہوگا جسمیں سب سے زیادہ فضائل و کمالات ہوں اور معلوم ہے کہ جس کثرت سے فضائل و کمالات حضرت علی میں پائے گئے کسی کو کبھی بھی نہیں حاصل ہوئے لہذا آپ ہی سب سے زیادہ مستحق خلافت بھی ہوے اور آیندہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت ہی میں سب سے زیادہ فضائل و کمالات تھے۔

رہے علامہ تفتازانی شارح عقائد تو انکے اکثر مقدمات اس تقریر سے ملتے جلتے ہیں جسکو ہمنے صاحب مواقف کے کلام سے نقل کیا اور اسکا جواب دیا ہے ہاں آپ کی نئی بات صرف آخری فیصلہ ہے جسمیں فرماتے ہیں "انصاف یہ ہے الخ"، اور اسکا جواب یہ ہے کہ وہ ثواب جسکے حاصل کرنے کی وجہ سے لوگ افضل ہوتے ہیں اگر خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ہو جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی سے بھی معلوم ہوتا ہے اور جسکو ہمنے پہلے بیان کر دیا ہے تو کوئی شک نہیں کہ جس شخص کی اطاعت زیادہ ہوگی اُسی کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ اب جو شخص صحابہ کے حالات میں غور و فکر سے کام لیگا اسکو بدیہی طور پر معلوم ہو جائیگا کہ حضرت علی کی اطاعت دوسرے حضرات سے ہزاروں مرتبہ بڑھی ہوئی تھی اسلئے کہ حضرت نے اپنی تمام عمر خدا کی اطاعت میں گزاری اور آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا برخلاف آپکے دوسروں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ بتوں کی پرستش

میں صرف کرنے کے بعد خدائے یکتا کو پہچانا اور اسکو سجدہ کیا اور اسلام لانے کے بعد بھی ان سے بکثرت فسق وفجور ہوتے رہے جیساکہ ابوسعید البنلی رحمہ اللہ نے اس شعر میں نظم کیا ہی

عبد الالٰہ وغیرہ من جہلہ ما ٭ زال منعکفا علی اصنامہ

یعنی حضرت علی برابر خدا ہی کی عبادت کرتے رہے اور آپکے غیر لوگ اپنی جہالت سے برابر اپنے بتوں کی پرستش پر اڑے رہے۔

اور اگر آپکا ثواب اطاعۃ وفرمانبرداری سے نہ ہو تو وہ درحقیقت ثواب ہی نہیں ہی اور وہ تعظیم وتفضیل پر دلالت بھی نہیں کریگا کیونکہ اسکا اطاعۃ وفرمانبرداری سے ہونا ہی ثواب اور تفضیل میں فرق کرتا ہے تو اس صورت میں بھی اس مسئلہ میں توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اسکو خوب غور سے سمجھو۔

قول علامہ الرحمہ ساتویں سورہ بقرہ کی آیت ۳۰ ہے جسمیں خدا ارشاد فرماتا ہے فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔ یعنی پھر حضرت آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے اور اپنے قصور کی معافی مانگی تو خدا نے انکا قصور معاف کردیا وہ بیشک بڑا معاف کرنے والا اور صاحب رحم ہے۔ اس آیت کے بارے میں جمہور نے حضرت ابن عباس رضی سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا وہ کلمات کیا تھے جن سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت نے فرمایا یہ تھے سالت بحق محمد وعلی وفاطمہ والحسن والحسین الا تبت علی۔ یعنی حضرت آدم نے عرض کی اے خدا میں تجھ کو حضرت محمد وعلی وفاطمہ وحسن وحسین کے حق کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ میرے قصور کو معاف اور میری توبہ کو قبول کرے تو خدا نے آپکی توبہ قبول کرلی۔

قول البطال مفسرین نے ان کلمات کی تعیین میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ وہ تسبیح وتہلیل وتحمید خداوند عالم تھے بعضوں نے کہا وہ مناسک حج تھے جن سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی اور بعضوں نے کہا وہ کلمات وہ دس خصلتیں تھیں جنکو فطرۃ کی خصلتیں کہتے ہیں حضرت آدم کو حکم ہوا کہ ان پر عمل کریں تاکہ خدا انکی توبہ قبول کرلے۔ اور اگر ہم اس مضمون کو تسلیم بھی کرلیں جسکو علامہ نے جمہور سے روایت کیا ہے (اگرچہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ جمہور کون ہیں) جب بھی

اس روایت سے صرف حضرت علی کی کامل فضیلت ثابت ہوتی ہے جسکو ہم بھی مانتے اور جانتے ہیں کہ حضرات آئمہ طاہرین علیہم سے توسل کرنا قبول دعا کے بہترین ذریعوں اور عظیم ترین وسیلوں سے ہے لیکن اس روایت سے حضرت علی کی امامت تو نہیں ثابت ہوتی کیونکہ یہ مضمون اسپر نص نہیں ہے لہذا آپ نے جس امر کا دعوی کیا تھا دلیل دیتے وقت اس سے خارج ہوگئے اور لگے حضرت علی کی فضائل کو قرآن مجید سے بیان کرنے جو سب مسلم ہیں اور ہمیں بھی معلوم ہیں مگر ان سے حضرت علی کی خلافت منصوصہ کیونکر ثابت ہوئی۔

قول احقاق جمہور اہلسنت سے بعض مفسرین[۱] کا شیعوں کے موافق یہ کہنا کہ یہ آیہ یا اس قسم کی اور دوسری آیت حضرت علی کی شان میں ہے شیعوں کے دعوے کو کل اہلسنت پر ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جسکی وجہ پہلے بیان ہو چکی کیونکہ جن مفسرین نے اس روایت کو اپنی تفسیروں میں لکھا ہے جب کل اہلسنت ان کو اپنا عالم تسلیم کرتے ہیں تو پھر انھیں اس مضمون کے ماننے میں عذر کیا ہو سکتا ہے اور اسی نکتہ کیطرف اشارہ کرنے اور مدعاے اختصار کو ہاتھ سے نہ چھوڑنے کے لئے جناب علامہ علیہ الرحمہ اکثر جمہور کی روایت کا حوالہ دیدینا کافی سمجھتے ہیں اور راوی کا نام بیان یا کتاب کی تصریح کرنا ضروری نہیں خیال فرماتے رہا اس آیت کی تفسیر میں مناسک حج وغیرہ کا مراد ہونا تو اولا مناسک حج کو کلمات سے کوئی مناسبت اور ارتباط نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہاتھ پاؤں کے اعمال ہیں انپر کلمات کا لفظ واضح طور پر صادق نہیں آتا دوسرے یہ کہ یہ اقوال مشہور تفسیروں

---

[۱] حضرات اہلسنت کی سب سے بڑی اور معتمد ترین تفسیر درمنثور علامہ جلال الدین سیوطی کی ہے اس کی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۶۰ میں ہے اخرج ابن النجار عن ابن عباس قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکلمات التی تلقاھا آدم من ربہ فتاب علیہ قال سال بحق محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین الا تبت علی فتاب علیہ یعنی ابن النجار نے اخراج کیا ہے ابن عباس سے کہ انھوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے ان کلمات کو دریافت کیا جنکو حضرت آدم نے اپنے پروردگار سے سیکھا جس پر اسنے آپ کی توبہ قبول کرلی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت آدم نے محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین کے حق کا واسطہ دیکر توبہ کی تو خدا نے انکی توبہ قبول کرلی ۱۲

مین مذکور بھی نہین ہین اور شاید فاضل مخاطب نے اس مقام پر بھی حرف الکلم عن مواضعہا (کلام کو اس کی جگھون سے پھیر دیا یعنی اس مین تحریف کر دی) جو ان کی عادت ہے۔
کیونکہ مفسرین نے جن مین صاحب کشاف[1] بھی ہین ان دونون قولون (یعنی کلمات سے مراد مناسک حج یا خصال عشرہ ہونے) کو سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۴ واذا ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن الآیہ (جب خدا نے چند باتون مین حضرت ابراہیم کی آزمائش کی تو اُنھون نے ان کو تمام کیا) کی تفسیر مین ذکر کیا ہے[2] شاید فاضل مخاطب کو اس وجہ سے دھوکہ ہوا کہ اُنھون نے دونون آیتون مین صرف لفظ "کلمات" کو دیکھ لیا لہذا اِس آیت کی تفسیر کو اُس آیت کی تفسیر سمجھ لی اور اپنی کتاب مین لاپروائی سے لکھدی اور تحقیق و غور و تامل سے کام نہ لیا اور نہ یقین حاصل کرنے کی کوشش کی حالانکہ یہ دینی امر ہے جس مین انسان کو کامل احتیاط کرنی چاہئے اور یہ جو فاضل مخاطب نے کہا کہ "علامہ جس امر کا دعوے کرتے ہین دلیل دیتے وقت اس سے خارج ہو جاتے ہین" تو یہ بھی زبردستی کی بات ہے کیونکہ ہم نے پہلے دعوے کے عام ہونے کے بیان مین صحیح لکھدیا ہے جو اس پر شاہد ہے کہ فاضل مخاطب سچائی کی راہ سے علیحدہ ہو گئے ہین یا انتہائے حیرت و پریشانی مین آپ بحث کا عنوان ہی بھول گئے کیونکہ صرف اس امر سے کہ خدا حضرت علیؑ کا ذکر خیر قرآن مجید

---

[1] چنانچہ تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۳۲ اور تفسیر در منثور جلد اول صفحہ ۱۱۱ وغیرہ مین یہی اقوال ہین ۱۲ مترجم۔

[2] جناب علامہ ممدوح علیہ الرحمہ نے منہاج الکرامہ مین بھی فرمایا ہے کہ امامت حضرت علی پر دسوین آیت فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ ہے چنانچہ علامہ فقیہ ابن المغازلی شافعی نے اپنے اسناد سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا وہ کلمات کیا تھے جنکو حضرت آدم نے خدا سے حاصل کر کے دعا کی اور آپ کی توبہ قبول ہوئی تو فرمایا کہ حضرت آدم نے محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین کا واسطہ دیکر خدا سے دعا کی کہ ان کی توبہ قبول کیجائے تو خدا نے قبول کر لی اور یہ ایسی فضیلت امیر المومنینؑ ہے جو صحابہ مین سے کسی شخص مین بھی نہین پائی گئی اور اسمین حضرت علی حضرت رسولخدا صلعم کے برابر ہو گئے کہ جس طرح حضرت آدم نے رسولخدا صلعم کے توسل سے دعا کی اسیطرح جناب امیرؑ کے توسل سے بھی کی" ۱۲

مین زیادہ کرتا ہے اور آپ ہی کی حالت سے مثال دیتا ہے نہ ان لوگون کی حالت سے جن کو فاضل مخاطب حضرت علی کا ہمسر اور مد مقابل قرار دیتے ہین یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی خدا کے حبیب اور اس کی نظر رحمت کے منظور نظر ہین خدا نے ہمارے لئے حضرت علی کی ذات کو بطور مثل قرار دیا اور اپنی بقیہ مخلوق کو چھوڑ دیا کیونکہ اور کسی کو اس قابل نہین سمجھا بلکہ ہم تو کہتے ہین کہ حضرت علی کی صرف ایک ایسی فضیلت کا ذکر جو آپ ہی مین پائی گئی اور دوسرون مین نہین پائی گئی اس شرف مین حضرت علی کے سب سے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے لہذا حضرت علی اس فضیلت کی وجہ سے افضل اور دوسرے لوگ مفضول ہو جائین گے۔ اس کو خوب غور سے سمجھو۔

قول علامہ علیہ الرحمہ آٹھوین آیت خدا کا یہ کلام ہے انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی (آیت ۱۲۴ سورہ بقرہ پارہ ۱) یعنی اے ابراہیم مین تمکو لوگون کا پیشوا بناؤنگا۔ انھون نے کہا کہ اے خدا تو میری اولاد سے بھی امام بنائیگا۔ جمہور نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی دعا مجھ تک اور علی تک منتہی ہوئی ہے کہ ہم دونون سے کسی ایک شخص نے بھی کسی بت کا سجدہ کبھی نہین کیا لہذا خدا نے مجھے تو اپنا نبی اور علی کو میرا وصی قرار دیا انتھے۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت والجماعۃ کی کسی کتاب مین بھی نہین ہے اور نہ مفسرین سے کسی شخص نے اسکو ذکر کیا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حضرت علی حضرت رسول خدا صلعم کے وصی ہین اور وصی ہونے کا مطلب علم وحکمت مین حضرت کا وارث ہونا ہے تو یہ حضرت کی امامت پر نص نہین ہے جسکا دعوے علامہ حلی نے کیا ہے۔

قول احقاق تعجب ہے کہ فاضل مخاطب اس روایت کے کتب اہلسنت مین ہونے سے انکار کرتے ہین حالانکہ اس کو علامہ اہلسنت امام ابن المغازلی شافعی نے کتاب المناقب مین اپنی اس اسناد سے جو عبداللہ بن مسعود تک پہونچتی ہے روایت کی ہے لہذا اس سے انکار کرنا اور اس

انکار پر اصرار کرنا محض دشمنی اور زبردستی ہے اور اس روایت مین دعوت سے مراد حضرت ابراہیم کی دعا اور آپ کا خدا سے امامت کو اپنی اولاد کیلئے طلب کرنا ہے تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ وصی ہونے کا مطلب صرف وارث علم وحکمت ہونا نہین ہے بلکہ لوگون کا امام ہونا ہے اور اسلام سے پہلے کافر رہنا اور بت پرستی کرنا اسلام کے بعد بھی امام بننے سے روکدیتا ہے جسکو ہم نے پہلے تفصیل سے ذکر کیا ہے لہذا خلفائے ثلثہ کی امامت تو تشریف لیگئی کیونکہ یہ حضرات اسلام سے پہلے کافر اور بت پرست رہ چکے تھے تو وہ کسی طرح مسلمانون کے امام اور خلیفہ نہین ہوسکتے ہین۔ اس طرح یہ آیت حضرت علی کی امامت پر نص ہوگئی نہ صرف علم وحکمت مین وارث نبی ہونے پر۔ یہان اگر کوئی شخص کہے کہ اس روایت سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ خلفائے ثلثہ کی امامت باطل تھی اسلئے کہ جسطرح حضرت ابراہیم کی دعا کے حضرت رسولخدا صلعم تک منتہی ہونیکا مطلب یہ نہین ہے کہ حضرت کے قبل بھی کوئی نبی نہین تھا اسی طرح حضرت علی تک اس دعا کے منتہی ہونیکا مطلب یہ نہین ہوسکتا ہے کہ حضرت علی کے قبل کوئی امام نہین تھا۔ بلکہ روایت کا انکا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس امام کیلئے جس تک یہ دعا منتہی ہو واجب ہے کہ کسی بت کو کبھی سجدہ نہین کیا ہو تو اس سے یہ نہین لازم آتا کہ جس شخص تک دعا منتہی ہوتی ہے اس سے قبل جو امام ہو اس نے بھی کبھی بت کو سجدہ نہین کیا ہو۔ مختصر یہ کہ جس شخص تک یہ دعا منتہی ہوتی ہے اسکے لئے تو ضروری ہے کہ کبھی بت کو سجدہ نہین کیا ہو مگر اسکے قبل جو امام ہو اسکے لئے یہ ضروری نہین ہے۔ تو اس شخص کے جواب مین ہم کہینگے کہ حضرت رسولخدا صلعم کا قول انتھت الدعوۃ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا مجھ تک اور علی تک منتہی ہوئی بصیغہ ماضی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جسوقت آنحضرت صلعم نے یہ قول ارشاد فرمایا اسوقت وہ دعا منتہی ہوچکی تھی لہذا حضرت علی کے سوا کسی شخص کا آپ سے پہلے امام ہونا حضرت کے اس قول کے خلاف ہوجایگا ہان اگر آنحضرت صلعم یون فرماتے کہ عنقریب دعائے ابراہیم منتہی ہوگی الخ تو اس احتمال کی کچھ گنجائش ہوسکتی تھی مگر چونکہ ایسا نہین ہے لہذا یہ احتمال بھی نہین ہوسکتا پس حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ تک اس دعا کے منتہی ہونیکا فرق ظاہر ہوگیا۔

یہان کوئی شخص یہ نہین کہہ سکتا کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو لازم آئیگا کہ باقی ائمہ طاہرین امام
نہ ہون اسلیے کہ ہم کہینگے یہ ضروری نہین ہے کیونکہ انتہا کا معنے یہان صرف پہونچنا
ہو نہ ختم ہونا تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کی دعا حضرت علی تک پہونچی نہ یہ کہ
حضرت علی تک ختم ہو گئی اور اسی جواب مین اس خیال کے رد کی گنجائش بھی ہے جو
اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ اس روایت کا صحیح نہ ہونا ہمارے لیے مضر نہین ہی
کیونکہ ہم شیعون کی غرض تو اہلسنت پر اس امر کو ثابت کرنا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر
و عثمان امام نہین تھے جو اس آیت سے اچھی طرح ثابت اور متحقق ہو گئی تو اسکو خوب
غور سے سمجھو۔ اور اس روایت سے ملتی جلتی وہ روایت بھی ہے جسکو علامہ عبداللہ
بن احمد النسفی حنفی نے اپنی کتاب تفسیر مدارک التنزیل مین (پارہ ۲۸ سورۃ مجادلہ
کی بارہوین) آیت نجوی یا ایہا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین
یدی نجویکم صدقۃ یعنی اے ایمان والو جب تم رسولؐ سے کوئی راز کی
بات کہنی چاہو تو بات کہنے سے پہلے کچھ خیرات دیدیا کرو کی تفسیر مین[1] حضرت
امیر المومنین علیؑ سے نقل کی ہے کہ قال علی رضی اللہ عنہ ہذہ آیۃ من
کتاب اللہ ما عمل بہا احد قبلی ولا یعمل بہا احد بعدی کان لی دینار
فصرفتہ فکنت اذا ناجیتہ تصدقت بدرہم وسالت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عشر مسائل فاجابنی عنہا قلت یا رسول اللہ ما الوفاء قال التوحید
وشہادۃ ان لا الہ الا اللہ قلت وما الفساد قال الکفر والشرک باللہ قلت
وما الحق قال الاسلام والقرآن والولایۃ اذا انتہت الیک انتہیٰ یعنی حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتاب خدا کی یہ آیت نجوی وہ آیت ہے جس پر نہ مجھ سے
قبل کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا میرے پاس ایک دینار تھا
مین نے اس کا خردہ کر کے درہم کر لئے پھر جب حضرت صلعم سے کوئی راز
کی بات کرتا تو ایک درہم صدقہ دیدیتا اور حضرت رسولخدا صلعم سے مین نے
دس مسئلہ پوچھے جن سب کا حضرت نے جواب دیا مین نے عرض کی یا رسول اللہ
وفا کیا ہے فرمایا توحید اور شہادۃ لا الہ الا اللہ مین نے پوچھا فساد کیا ہے

[1] تفسیر مدارک برحاشیہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۴۴ ۱۲

فرمایا کفر اور شرک مین نے پوچھا حق کیا ہے فرمایا اسلام اور قرآن اور ولایت جب تم تک پہونچے
اور ہم کہتے ہین کہ محققین کے نزدیک مفہوم شرط حجت ہے پس یہان وہ اس امر پر دلالت
کریگا کہ امامت اور ولایت انتہار کے پہلے باطل ہے لہذا امامت مین جو لوگ
حضرت علی سے مقدم ہوئے ان کی امامت کا باطل ہونا واضح اور یقینی ہو گیا
جیسا کہ پوشیدہ نہین ہے ۔

قول علامہ علیہ الرحمہ نوین آیت خدا کا یہ قول ہے ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سیجعل
لھم الرحمن ودا (پارہ ۱۶ سورہ مریم آیۃ ۹۶) یعنی جو لوگ ایمان
لائے اور انھون نے عمل نیک کئے خدا ان کی محبت مومنین کے دل مین پیدا
کردیگا ۔ جمہور نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت
امیر المومنین علیؑ کی شان مین نازل ہوئی ہے اور ودّ سے مراد وہ محبت حضرت
علی ہے جو مومنین کے دلون مین جاگزین ہے ۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت کی تفسیرون مین نہین ہے اور اگر صحیح ہو تو اس
سے صرف حضرت علی کی محبت کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے
جو باتفاق فریقین واجب ہے کسی کو اس مین عذر نہین مگر اس سے حضرت علی کی
امامت پر نص نہین ثابت ہوتی حالانکہ آپ کا مقصود یہی ہے ۔

قول احقاق تعجب ہے کہ فاضل مخاطب اہلسنت کی تفسیرون مین اس روایت
کے ہونے سے انکار کرتے ہین حالانکہ تفسیر فخر الدین[۱] و تفسیر نیشاپوری[۲] مین
نیز علامہ ابن حجر مکی کی مشہور کتاب صواعق[۳] محرقہ مین یہ روایت موجود ہے بلکہ اس مین تو
وہ مضمون بھی ہے جس سے حضرات اہلبیت کے دشمن جو خصوصاً حضرت علی سے کے

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۱ ۱۲۰۸ ۲؎ تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۶ صفحہ ۴۴ ۱۲۰۷ ۳؎ ۱۳
مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۳ اور تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۸۷ مین اس مضمون کی بکثرت حدیثین نقل کی ہین
چنانچہ لکھتے ہین کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ دعا کرو اے خدا میرے لئے عہد خلافت قرار دے اور میرے لئے
اپنے یہان محبت قرار دے اور مومنین کے دلون مین بھی میری محبت پیدا کر دے تو خدا نے یہ دعا قبول کی اور یہ
آیت نازل فرمائی ان الذین اٰمنوا الآیۃ بلکہ دوسری روایت مین ہے کہ حضرت علی نے حضرت رسولخدا صلعم سے دریافت
کیا کہ خدا کے قول سیجعل لھم الرحمن ودا کا کیا مطلب ہے تو آنحضرت صلعم نے ارشاد

فضائل سے خوب جلتے ہین اور چراغ پا ہونگے وہ مضمون یہ ہے کہ صحیح روایت مین وارد ہوا ہے کہ حضرت عباس نے حضرت رسولخدا صلعم سے شکایت کی کہ یا حضرت جب قریش ہم بنی ہاشم اور اہلبیت کو دیکھتے ہاین تو ان کے چہرے خشک ہو جاتے اور جو بات وہ کرتے رہتے ہین اس سے خاموش ہو جاتے ہاین - یہ سنکر حضرت رسولخدا صلعم نہایت درجہ غضبناک ہوے جس سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ کی پیشانی پر پسینہ بہنے لگا پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت مین میری جان ہے کسی شخص کے دل مین ایمان داخل ہی نہین ہو گا جب تک وہ تم اہلبیت کو خدا اور اسکے رسول کے لئے دوست نہ رکھیگا اور ایک صحیح روایت مین یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان لوگون کا کیا انجام ہو گا جو آپس مین باتین کرتے رہتے ہین مگر جب ہمارے اہلبیت سے کسی شخص کو دیکھتے ہاین تو اپنی بات روک لیتے اور خاموش ہو جاتے ہاین خدا کی قسم کسی شخص کے دل مین اُسوقت تک ایمان داخل نہین ہو گا جب تک وہ ہمارے اہلبیت کو خدا کیلئے اور اس قرابت کی وجہ سے جو ان کو مجھ سے حاصل ہے دوست نہین رکھیگا انتہے - رہا فاضل مخاطب کا یہ قول " اس سے امامت کی نص نہین ثابت ہوتی " تو اسکا جواب یہ ہے کہ جس بزرگ کی محبت کو خدا مومنین کے دلون مین پیدا کریگا اور جسکو وہ مقام امتنان (احسان رکھنے کی جگہ) مین ذکر فرماتا ہے ضروری ہے کہ وہ بزرگ معصوم ہو اور جب حضرت علی کا معصوم ہونا ثابت ہو گیا تو پھر حضرت کی خلافت بلافصل بھی ثابت ہو گئی کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو حضرات ظاہری خلیفہ ہوئے وہ معصوم نہین تھے تو معصوم نبی کا خلیفہ بھی معصوم ہی ہونا چاہیئے -

قول علامہ اعلی اللہ مقامہ دسوین آیت خدا کا یہ قول ہے انما انت منذر ولکل قوم ھاد (پارہ ۱۳ سورہ رعد آیت ۷) یعنی اے محمد تم تو ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کیلئے ایک رہنما ہوا کرتا ہے - جمہور نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا مین ڈرانے والا ہون اور علی ہادی ہاین پھر حضرت

فرمایا کہ یہ محبت جو مومنین اور ملائکہ مقربین کے دلون مین تمہاری ہو گی اسطرح اور بہت کثرت سے روائتین ہاین ۱۲

علی سے فرمایا اے علی تم ہی سے ہدایت چاہنے والے ہدایت پائینگے۔

قول ابطال یہ روایت اہلسنت کی کتب تفسیر مین نہین ہے لیکن اگر صحیح بھی ہو تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ حضرت علی ہادی ہین اور یہ مسلم ہے اسی طرح کل اصحاب حضرت رسولخدا صلعم ہدایت کرنے والے ہین کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم یعنی میرے اصحاب سب مثل ستارون کے ہین تم لوگ انمین سے جس کی بھی اقتدا کرلوگے ہدایت پاجاؤگے لیکن پہلی روایت سے حضرت علی کی امامت پر نص تو نہین ثابت ہوتی حالانکہ آپ کا مقصود یہی ہے۔

قول احقاق تعجب ہے کہ فاضل مخاطب اس روایت سے انکار کرتے ہین حالانکہ امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر مین یہ روایت موجود ہے اور زیادہ تفصیل ہے چنانچہ وہ فرماتے ہین" لوگون نے اس آیت کی تفسیر مین کئی قول ذکر کئے ہین تیسرا قول یہ ہے کہ ڈرانے والے حضرت رسولخدا صلعم اور ہدایت کرنے والے حضرت علی ہین حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھا اور فرمایا مین ڈرانے والا ہون اور حضرت علی کے شانہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم ہدایت کرنے والے ہو اے علی میرے بعد ہدایت چاہنے والے تم ہی سے ہدایت پائینگے" انتہے [1] اور علامہ ابن عقدہ نے اس آیہ کی تفسیر نیز اُن آیات کے بارے مین جو حضرت علی کی شان مین نازل ہوئی ہین ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور اس روایت کو علامہ ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر مین حضرت ابن عباس کی اسناد سے ذکر کیا ہے جو بعینہ وہی ہے جسکو امام رازی نے اپنی تفسیر مین لکھا ہے اور ثعلبی نے اس روایت کو حضرت علی کی اسناد سے بھی ذکر کیا ہے جسمین حضرت علی نے فرمایا کہ ڈرانے والے تو حضرت رسولخدا صلعم ہین اور ہدایت کرنیوالا ایک شخص بنی ہاشم سے ہے جس سے

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۷ اور تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۴۵ مین بھی اس مضمون کی متعدد حدیثین موجود ہین بلکہ تفسیر ثعلبی کی دونون روایتین بھی اس صفحہ مین موجود ہین لہذا جن حضرات کو تفسیر ثعلبی کا قلمی نسخہ نہ ملے وہ ان روایات کو اسی تفسیر درمنثور مین دیکھ لین ۱۲

حضرت نے اپنے نفس کو مراد لیا۔ پس اتنے شواہد کے ہوتے ہوئے فاضل مخاطب کا اس سے انکار کرنا کسدرجہ حیرت خیز ہے۔ رہا آپ کا یہ کلام کہ "اگر صحیح بھی ہو الخ" تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب صرف نفس ہدایت سے متعلق نہین ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ کمال ہدایت صرف حضرت علی سے مخصوص ہے بلکہ یہ بھی کہ آنحضرت محمد مصطفے صلعم کی ہدایت صرف حضرت علی کی ذات مین منحصر ہے مختصر یہ کہ اس آیت سے حضرت علی کی بڑی منزلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ حضرت رسولخدا صلعم کے برابر ذکر کئے گئے یعنی حضرت رسولخدا صلعم ڈرانے والے اور حضرت علی ہدایت کرنیوالے کا ذکر ایک ہی آیت مین ہوا اور پھر ہدایت کا انحصار بھی حضرت علی کی ذات مین ہوا تو ان سب سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کا درجہ کل اُن لوگون سے بڑھا ہوا تھا جنھون نے خلافت کو حضرت سے نکال لیا اور یہ کہ حضرت علی ہی خلافت بلافصل کے سب سے زیادہ حقدار اور سزاوار تھے کیونکہ مطلق ہدایت کا حضرت کی ذات مین منحصر ہونا اسکو مقتضی ہے کہ حضرت کل اوقات مین ہدایت کرنیوالے تھے اور یہ امر حضرت علی کیلئے ثابت ہوگیا کیونکہ خدا نے اسکو مجمل طور پر اور حضرت رسولخدا صلعم نے تفصیل سے بیان فرما دیا۔ رہی حدیث اصحاب کالنجوم تو اسکے موضوع اور باطل ہونے کے آثار بالکل واضح ہین کیونکہ یہ قول تین صورتون سے خالی نہین ہوسکتا۔ یا حضرت رسولخدا صلعم نے اس حدیث کو اپنے صحابہ اور غیر صحابہ دونون سے فرمایا ہو یا صرف صحابہ سے فرمایا ہو یا صرف غیر صحابہ سے فرمایا ہو۔ اگر پہلی صورت ہے یعنی حضرت نے اسکو اپنے صحابہ اور غیر صحابہ دونون سے فرمایا تھا یا دوسری صورت ہے یعنی حضرت نے اسکو صرف اپنے صحابہ سے فرمایا تھا تو ہم دریافت کرینگے کسی سمجھدار شخص کی زبان سے یہ کلام نکل سکتا ہے؟ چہ جائیکہ حضرت رسولخدا صلعم ایسا فصیح اور محکم کلام کرنے والا بزرگ یہ ارشاد فرمائے کیونکہ جب مخاطب صحابہ ہی تھے تو انھین سے حضرت یہ کیونکر فرماتے کہ میرے اصحاب مثل ستارون کے ہین ان سے تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے کیونکہ جس کی پیروی کیجاتی ہے وہ دوسرا ہوتا ہے اور پیروی کرنیوالا دوسرا ہوتا ہے برخلاف اس کے یہان صحابہ ہی سے خطاب بھی ہے اور انھین کی پیروی کا حکم بھی جس کا عقل مین آنا ہی دشوار ہے۔ اب رہا ہی تیسری صورت کہ حضرت

نے یہ حدیث صحابہ سے نہ فرمائی ہو بلکہ غیر صحابہ سے ارشاد فرمایا ہو کہ تم لوگ سن رکھو
"میرے اصحاب مثل ستارون کے ہین الخ" تو ہم پوچھینگے آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ
آنحضرت صلعم نے اس کو صرف غیر صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا یعنی کیا دلیل ہے اس پر
کہ اس حدیث کے مخاطب غیر صحابہ تھے۔ اگر اس کے متعلق بھی کوئی حدیث آنحضرت
صلعم کی ہو کہ "حدیث نجوم کو مین نے صرف غیر صحابہ سے کہا ہے" تو اس حدیث
کا پتہ بتائے۔ اور اگر آپ اپنی رائے اور قیاس سے یہ تجویز کرتے ہین کہ حضرت
صلعم نے اس حدیث کو غیر صحابہ سے فرمایا ہوگا تو یہ بھی مفید نہین ہوسکتا کیونکہ
اس حدیث کے جس قدر راوی ہین وہ تو صحابہ ہی ہین بلکہ اس حدیث کو خاص
حضرت عمر نے روایت کیا ہے پھر اگر آنحضرت صلعم نے اسکو غیر صحابہ سے فرمایا
ہوتا تو ان غیر صحابہ نے اس کی روایت بھی کی ہوتی (حالانکہ کوئی غیر صحابی اس کا
راوی نہین ہے) یا صحابہ ہی نے اس حدیث کو ذکر کرکے کہا ہوتا یا صرف حضرت
عمر نے فرمایا ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے صحابہ کے علاوہ جس قدر مسلمان تھے
اُن سب کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا کہ تم لوگ سن رکھو میرے اصحاب مثل
ستارون کے ہین الخ۔ مگر حضرات اہلسنت کی کسی کتاب مین کوئی حدیث یا دلیل
ایسی نہین ہے جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلعم نے اس حدیث کو خاص کر
غیر صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا لہذا اس کی تخصیص کا دعوے کرنا یقیناً باطل ہے
یہ تو الفاظ سے اس حدیث کے موضوع اور باطل نیز مہمل و غیر معقول ہونے کی
تقریر تھی اب علمائے اہلسنت کی تحقیق سے اس پردہ کو اٹھاتے ہیں۔ علامہ قاضی
عیاض مالکی کی کتاب الشفاء کے شارح نے (کہ وہ بھی علامہ اہلسنت ہی ہین)
لکھا ہے جاننا چاہیئے کہ حدیث اصحابی کالنجوم کو دارقطنی نے الفضائل مین اور ابن
عبدالبر نے العلم مین اپنے طریق سے حدیث جابر سے نقل کیا ہے اور کہا ہے
کہ اس حدیث کی یہ اسناد ایسی ہے جو حجت نہین ہوسکتی کیونکہ اسکے راویون
مین حارث بن غصین ایک مجہول (نامعلوم) شخص ہے اور علامہ عبد بن حمید
نے اسکو اپنی مسند مین روایت عبدالرحیم بن زید سے اور اس نے اپنے باپ
سے اور اس نے مسیب سے اور اس نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے

جس کے بارے مین امام بزار نے کہا ہے کہ یہ حدیث مہمل اور غلط ہے۔ اور علامہ ابن عدی نے الکامل مین اسکو روایت حمزہ بن ابی حمزہ نصیبی سے اور اُسنے نافع سے اور اس نے حضرت عمر سے روایت کی ہے مگر اسمین بایہم اقتدیتم (جسکی بھی تم پیروی کروگے) کے عوض بایہما اخذتم (جس سے بھی تم لوگے) ہے اور اس روایت کی اسناد بھی حمزہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ حمزہ مشہور جھوٹا تھا اور امام بیہقی نے اس حدیث کو المدخل مین حضرت ابن عباس کی حدیث سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا متن تو مشہور ہے مگر اس کی اسنادین ضعیف ہین جس کی کوئی اسناد اس باب مین ثابت نہین ہوئی اور علامہ ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی بنائی ہوئی اور باطل محض ہے اور حافظ زین الدین عراقی نے کہا ہے کہ مصنف کو مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو بطور حتم و جزم (یعنی یقین) کے نہ ذکر کرتا کیونکہ علماء حدیث کی نظرون مین یہ حدیث جس درجہ غلط ہے اس کو وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے شارح کتاب الشفا کا کلام تمام ہوا جو حضرات اہلسنت کی تشفی کے لئے کافی ہے اور اس حدیث کے قطعی غلط اور موضوع و باطل ہونے پر دلیل مستحکم ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہین رہتی۔ اور اگر ہم فرض بھی کرلین (مثل فرض محال کے) کہ یہ حدیث صحیح ہے جب بھی مطلقًا یہ درست نہین ہو سکتی کیونکہ صحابہ رسول صلعم ہی مین تو ناکثین و قاسطین و مارقین بھی تھے (یعنی وہ صحابہ جو جنگ جمل اور جنگ صفین اور جنگ نہروان مین حضرت امیر المومنینؑ سے لڑے) اور ایسے صحابہ اور ان کے پیروؤن کی مذمت مین جس قدر حدیثین وارد ہین ان سے بھی سب واقف ہین تو ان کی پیروی سے ہدایت کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ وہ تو موجب گمراہی تھے۔ اور اگر حضرات اہلسنت ان صحابہ کی پیروی بھی موجب ہدایت کہین تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ دین سے خارج ہو گئے ان کی پیروی بھی باعث ہدایت ہے اور جو دین مین داخل اور باقی رہے ان کی پیروی بھی موجب ہدایت ہے جو بالکل اجتماع ضدین ہے۔ نیز حضرت عثمان صحابی کو حضرت رسولخدا صلعم کے صحابہ ہی نے قتل کیا تو جن لوگون نے قاتلین حضرت عثمان کی پیروی کی اُنکے

بارے مین کیا کہا جائیگا اس پیروی سے انھون نے بھی ہدایت پائی یا نہین؟ اگر کہئے کہ ہدایت پائی تو چشم ما روشن و دل ما شاد لیکن یہ بھی تو ارشاد ہو کہ جن صحابہ نے اسوقت حضرت عثمان کیطرف داری کرکے ان کو بچانا چاہا ان صحابہ کی پیروی کرنیوالے بھی ہدایت یافتہ ہوئے۔ غرض حضرت عثمان کے قتل کرنیوالون کی پیروی مین بھی ہدایت ہے اور ان کے بچانے والون کی پیروی بھی ہدایت ہے سبحان اللہ کیسی خوبصورت حدیث ہے جسکے طاق مین بھی ہدایت اور جفت مین بھی ہدایت۔ مختصر یہ کہ اگر اصحابی سے کل اصحاب رسول مراد ہون تو اس کثرت سے عقلی خرابیان اور اعتراضات پیدا ہوتے ہین جنکی کوئی حد ہی نہین لہذا ماننا پڑیگا کہ اصحاب سے مراد صرف وہ نیکوکار افاضل صحابہ ہین جو اوصاف علم وکمال سے اچھی طرح آراستہ تھے کیونکہ درحقیقت وہی حضرات ستارے کیطرح ایسے ہین جن سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی تخصیص کے مثل علامہ ابن حجر مکی نے بھی اپنی کتاب صواعق محرقہ[1] مین تصریح کی ہے اس روایت کی توجیہ مین جو آنحضرت صلعم نے اپنے اہلبیت کے بارے مین فرمائی ہے کہ النجوم امان لاھل السماء و اھل بیتی امان لامتی یعنی آسمان والون کیلئے ستارے امان ہین اور میری امت کیلئے میرے اہلبیت امان ہین۔ غرض اگر اس حدیث مین خاص اصحاب نہ مراد لئے جائینگے تو بہت کثرت سے عقلی خرابیان پیدا ہونگی جنکے بعض کی طرف ہم نے یہان اشارہ کیا اور بعض کو ابتداء کتاب مین ذکر کرچکے ہین۔ اسی وجہ سے کسی شاعر نے فارسی مین کیا خوب شعر کہا ہے ؎ صحابہ گرچہ جملہ کالنجوم اند + ولے بعض کواکب نحس و شوم اند یعنی صحابہ اگرچہ سب مثل ستارون کے ہین مگر یہ بھی تو معلوم ہے کہ بعض ستارے نحس اور شوم ہوتے ہین (تو اسی طرح بعض صحابہ بھی نحس اور شوم ہین لہذا ہر صحابی کی پیروی مین سعادت نہین ہوگی بلکہ صرف انھین صحابہ کی پیروی مین جو علم وکمال

[1] صواعق محرقہ باب اول فصل اول بحث آیات کی ساتوین آیت کی تفصیل مین یہ قول مرقوم ہے نسخہ مطبوعہ مصر صفحہ ۹۱-۱۲

مین افضل ہین)۔ غرض فاضل مخاطب کو انصاف سے غور کرنا چاہیئے کہ امت حضرت رسولخدا صلعم کی ہدایت ان بزرگون سے ہوسکتی ہے جو لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح صحیح بخاری مین لکھا ہے اور ہم اس کو پہلے نقل کر چکے ہین اور جو فرماتے تھے سلونی عما دون العرش عرش کے نیچے کی کل بات ہم سے پوچھ لو اور اسی قسم کی دوسری باتین جو ان حضرات کے انتہاے علم و کمال پر دلادت کرتی ہین یا ان لوگون کی پیروی سے ہو سکتی ہے جو قرآن مجید کے بعض الفاظ مثلا کلالہ یا ابّ کا معنے تک نہ سمجھ سکتے ہون یا جو اس امر کا اقرار کرتے ہون کہ پردہ نشین تک علم و فقہ مین ان سے بڑھی ہوئی ہین یا جو ستر ستر مرتبہ تک کہہ چکے ہون لولا علی لھلک عمر اگر حضرت علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا تھا۔ ھذہ معضلۃ ولا ابا حسن لھا اور یہ ایسا مشکل مسئلہ پیش آگیا مگر افسوس اس کے بتانے کیلئے اسوقت ابو الحسن ہمارے پاس نہین ہین۔ تو بتایئے خدا کا یہ قول افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون (جسکا ترجمہ چند سطرین اوپر گزر چکا ہے) کس قدر سچا ہے۔

تکمیل جمیل اب اس بات کا جان لینا بھی مناسب ہے کہ جب کوئی حدیث ایسی ملے جو حضرات اہلسنت کے طریقہ سے مروی ہو اور وہ حضرت علیؑ کے افضل ہونے یا کسی فضیلت کے خاص حضرت ہی مین پائے جانے پر دلالت کرے پھر انھین اہلسنت کے طریقہ سے روایت کی ہوئی دوسری حدیث ملے جو حضرت علی کے سوا کسی اور شخص کے افضل ہونے یا کسی فضیلت سے اس شخص کے مخصوص ہونے پر دلالت کرے یا یہ بتائے کہ کوئی دوسرا شخص اس فضیلت مین حضرت علی کا شریک ہے تو ایسے موقع پر عقل سلیم یہی حکم کریگی کہ پہلی حدیث تو صحیح ہے اور دوسری غلط ہے جسکو ہمارے والد شریف اعلی اللہ مقامہ نے اپنے بعض تعلیقات مین توضیح سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ کسی سمجھدار اور صاحب عقل شخص پر مخفی نہین رہ سکتا کہ ایک وقت مین دو نقیضون کا جمع ہونا بھی محال ہے اور دونون کا رفع ہوجانا بھی محال ہے لہذا دو نقیضون سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے

(یہ علم منطق کا ایک مشہور مسئلہ ہے جسکے ماننے میں کوئی انکار نہیں کر سکتا) اب ہم کہتے ہیں کہ بکثرت اُن حدیثوں میں جو جمہور اہلسنت کی معتمد کتابوں میں موجود ہیں اور حضرات اہلسنت ان حدیثوں کو معتبر بھی سمجھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ سب صحیح ہیں ہم دو قسم کی ایسی حدیثیں بھی پاتے ہیں جنکو ایک ہی شخص نے نقل کیا ہے ان دونوں سے ایک حدیث تو واضح اور صریح طریقہ سے بتاتی ہے کہ مولا نا حضرت امیر المومنین ؑ سب سے افضل ہیں اور دوسری حدیث اسکے خلاف بتاتی ہے کہ دوسرا شخص افضل ہے تو ایک ہی شخص دونوں حدیثوں کے نقل کرنے میں سچا نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں میں تناقض ہے (یعنی دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں) اور دونوں کے نقل کرنے میں وہ جھوٹا بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ پھر ارتفاع نقیضین ہوگا جو محال ہے اور دونوں کا چھوڑ دینا اصول کے مخالف ہے تو خواہ وہ شخص ایک حدیث کے نقل کرنے میں سچا اور دوسری کے نقل کرنے میں جھوٹا ہوگا اب تحقیق کرنی چاہیے وہ کس حدیث کے بیان کرنے میں سچا اور کس کے بیان کرنے میں جھوٹا ہے اگر یہ کہا جائے کہ وہ شخص افضلیت حضرت امیر المومنین والی حدیث روایت کرنے میں جھوٹا اور اسکے خلاف والی حدیث کے بیان کرنے میں سچا ہے تو ہم اسکو تسلیم نہیں کرینگے کیونکہ جو شخص دو قسم کی روایت نقل کرے اور وہ ایک روایت میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو اسکی دوسری روایت بھی سچی نہیں ثابت ہوگی (کیونکہ جب وہ جھوٹ ہی بولتا ہے تو جسطرح ایک حدیث میں جھوٹ بولا دوسری میں بھی جھوٹا ہو سکتا ہے) ہاں وہ اس روایت میں سچا ہے جسکو حضرت علی کی افضلیت میں بیان کرتا ہے کیونکہ اسکی تائید حضرات معصومین اور معتمد و موثق صحابہ کبار کی بکثرت روایتوں سے ہوتی ہے جنکو ان حضرات نے حضرت علی کی افضلیت میں روایت کیا ہے یعنی حضرت امیر المومنین کی افضلیت والی حدیث نقل کرنے میں وہ شخص اپنی ذاتی وجہ سے تو سچا نہیں سمجھا جائیگا کیونکہ جب وہ ایک حدیث میں جھوٹا ثابت ہوگیا تو دوسری میں بھی جھوٹا ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اس افضلیت حضرت امیر المومنین والی حدیث کی تائید دوسرے بڑے بڑے اور نہایت موثق و منتخب صحابہ کبار کی روایت کردہ حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جو سب حضرت علی کی افضلیت ہی

بتاتی ہیں لہذا اُس شخص کی وہ روایت بھی سچی سمجھی جائیگی (اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص حج کرکے آئے اور کہے کہ میں نے مکہ معظمہ میں حجر اسود دیکھا ہے اور پھر کہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں حجر اسود دیکھا ہے تو چونکہ مدینہ منورہ میں حجر اسود کی خبر دینے سے وہ شخص جھوٹا ہو گیا لہذا ہو سکتا ہے کہ مکہ معظمہ میں حجر اسود ہونے کی خبر بیان کرنے میں بھی وہ جھوٹا ہو کیونکہ جو شخص ایک بات میں جھوٹ بولا وہ دوسری میں بھی بول سکتا ہی لیکن چونکہ مکہ معظمہ میں حجر اسود والی خبر کی تائید دوسرے معتمد اور موثق حاجیوں کے بیان سے بھی ہوتی ہے لہذا وہ شخص مکہ معظمہ میں حجر اسود ہونے کی خبر میں جھوٹا نہیں قرار پائیگا) اور خدا جسکو چاہتا ہے صراط مستقیم کی توفیق بخش دیتا ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ

گیارہویں کلام مجید کی یہ آیت وقفوھم انھم مسئولون (پارہ ۲۳ سورۂ والصافات آیہ ۲۴) یعنی ان لوگوں کو ٹھہراؤ کہ ان سے سوال کیا جائیگا جمہور نے حضرت ابن عباس اور ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ان لوگوں سے حضرت علی کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔

قول ابطال

یہ روایت اہلسنت کے یہاں نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو اس سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اولیاء اللہ سے ہیں یعنی آپ بھی ایک ولی ہیں اور ولی کا معنے محب مطیع (دوست فرمانبردار) ہے تو یہ حضرت کی امامت پر نص نہیں ہو سکتی۔

قول احقاق

فاضل مخاطب اپنی ناواقفیت یا تعصب سے اس حدیث کے وجود سے انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ روایت حضرات اہلسنت کی معتمد علیہ کتابوں میں موجود ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ باب ۱۱ فصل اول[1] میں یہ روایت بجنسہا منقول ہے جسکا ترجمہ یہ ہے "چوتھی آیت خدا کا قول وقفوھم انھم مسئولون ہے

[1] مطبوعہ مصر صفحہ ۸۹ اسکے بعد علامہ ممدوح نے بہت سی حدیثیں حضرات اہلبیت اور خصوصاً حضرت امیر المومنین کی محبت کے واجب اور انکی دشمنی کے علامت بغض و نفاق ہونے کی نقل کی ہیں حالانکہ یہ کتاب صواعق محرقہ شیعوں کی رد میں لکھی گئی ہے ۱۲

چنانچہ دیلمی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا بروز قیامت فرمائیگا ان لوگوں کو ٹھہراؤ ان سے علی کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جائیگا اور گویا علامہ واحدی کی مراد یہی ہے جو انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قول خدا وقفوھم انھم مسئولون کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ انلوگوں سے حضرت علی اور اہلبیت کی ولایت کا سوال کیا جائیگا اسلئے کہ خدا نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ خلق خدا کو مطلع کر دیں کہ حضرت ان لوگوں سے تبلیغ رسالت پر سوا اپنے اہلبیت کی محبت کے اور کوئی اجر نہیں چاہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں سے سوال کیا جائیگا کہ اہلبیت سے محبت کرنے کا جو حق تھا اور جیسی وصیت اس کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے ان لوگوں سے فرمائی تھی ویسی ہی محبت مسلمانوں نے ان حضرات سے کی۔ یا اس وصیت کو ضایع و برباد کر دیا۔ تاکہ ان سے قیامت میں اسکا مطالبہ ہو اور اسکی سزا دی جائے اسے تھے۔ اور فاضل مخاطب نے یہ جو کہا کہ "اگر ہو بھی" تو اسکا جواب یہ ہے کہ وہ امر اہم جو مثل الوہیت اور نبوت کے پوچھا جائیگا فقط محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ محبت ایسی اہم شئے نہیں ہے جسکے لئے مسلمانوں کو بروز قیامت روکا اور سوال کیا جائیگا اس اہمیت کا سوال اس ولایت کے بارے میں کیا جائیگا جس کا معنے امامت یعنی نبوت کی قایم مقامی ہے اسلئے کہ صرف محبت کوئی اعتقادی اصل نہیں قرار دی گئی ہے جسکے بارے میں اس روز سوال ہوگا بلکہ یہ تو اس اعتقاد کے لوازم سے ہے جو کسی شخص کی نبوت یا امامت کا ہوتا ہے (یعنی وہ محبت جو کسی شخص کو نبی یا امام ماننے کی وجہ سے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ البتہ اس قابل ہے کہ بروز قیامت اسکے لئے لوگ روکے اور سوال کئے جائیں ورنہ صرف معمولی محبت اسکی مستحق نہیں ہے کہ خدا اسکے سوال کیلئے یہ اہتمام کرے) لہذا یہی سوال حضرت علی کی امامت کی واضح دلیل اور یہ آیت آپکی خلافت پر قطعی نص ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ

بارہویں کلام مجید کی یہ آیت ولتعرفنھم فی لحن القول یعنی تم انھیں انکے انداز گفتگو ہی سے ضرور پہچان لوگے (پارہ ۲۶ سورہ محمد آیہ ۳۰) جمہور مفسرین نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا اسکا مطلب یہ ہے کہ تم ان لوگونکو علی کی دشمنی سے (جو انکے دلوں میں ہے) پہچان لوگے۔

قول ابطال

یہ روایت اہلسنت کی تفسیر میں نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو اس سے صرف

حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ آپ کے امامت کی نص۔

قول احقاق حافظ ابو بکر موسی بن مردویہ نے کتاب المناقب میں ان آیات کو ذکر کیا ہے جو حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہیں انھیں آیات میں اس آیت کو بھی لکھا ہے اور یہی تفسیر کی ہے[۱] اور یہ روایت کتاب کشف الغمہ میں بھی مذکور ہے[۲] اور اس آیت سے حضرت علی کی خلافت منصوصہ پر استدلال اس طرح سے ہے کہ وہ شخص جس کی عداوت و بغض کو خدا نفاق اور کفر کی دلیل قرار دے وہ سوائے یا امام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور کم از کم یہ تو ضرور ہی ماننا ہوگا کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد وہی کل مخلوق سے افضل ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ تیرہویں کلام مجید کی یہ آیت السابقون السابقون اولئک المقربون (پارہ ۲۷، سورہ واقعہ آیت ۱۱) یعنی جو آگے بڑھ جانے والے ہیں وہ آگے ہی بڑھنے والے تھے یہی لوگ خدا کے مقرب ہیں۔ جمہور نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس امت میں سب سے آگے بڑھنے والے علی بن ابی طالب ہیں۔

قول ابطال یہ حدیث اہلسنت کی روایت میں آئی تو ہے لیکن اس عبارت سے کہ امتوں کے سابقین تین ہیں مومن آل فرعون حبیب بن نجار اور علی ابن ابی طالب اور کوئی شک نہیں کہ حضرت علی اسلام میں سب سے آگے اور بڑی بزرگی اور ایسی فضیلتوں والے ہیں جو کسی پر مخفی نہیں رہ سکتیں لیکن یہ آیت حضرت علی کی امامت پر نص تو نہیں ہے حالانکہ آپکا مقصود یہی ہے۔

قول احقاق اس روایت کے آخر میں خصوصاً اسکے جسکو فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں آیہ مبارکہ وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ الایہ (پارہ ۲۴ سورہ مومن آیت ۲۸) کے بیان میں ذکر کیا ہے یہ مضمون بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان تینوں مومنوں میں علی سب سے افضل ہیں[۳] جسکو فاضل مخاطب نے اپنے تعصب سے حذف کر دیا تاکہ اسکے ذکر سے حضرت علی کا تمام امت اسلام سے افضل ہونا نہ ظاہر ہونے پائے اور یہی جناب علامہ علیہ الرحمہ کا مطلوب ہے۔

[۱] درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۶ مطبوعہ مصر [۲] صفحہ ۱ ۔ مطبوعہ ممبئی [۳] دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۵۶ اور تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۳

قول علامہ علیہ الرحمہ

چودھویں کلام مجید کی یہ آیت اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر وجاھد فی سبیل اللہ لا یستوٗن عند اللہ واللہ لا یھدی القوم الظالمین الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولٰئک ھم الفائزون یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنات لھم فیھا نعیم مقیم خالدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم

یعنی کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد حرام کی آبادی کو اس شخص کے مثل بنا دیا ہے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور خدا ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا ہے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت اختیار کی اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ خدا کے نزدیک درجہ میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی لوگ فائز ہونے والے ہیں ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جس میں انکی لئے دائمی عیش ہوگا اور یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہینگے بیشک خدا کے پاس تو بڑا اجر ہے (پارہ ۱۰ سورہ توبہ آیت ۱۹) جمہور نے جمع بین الصحاح الستہ میں روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے جب طلحہ بن شیبہ اور حضرت عباس باہم فخر کر رہے تھے اور طلحہ نے کہا میں تم سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوں میں خانہ کعبہ کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ اسکی کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور حضرت عباس نے کہا میں زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا اور اسکا انتظام کرتا ہوں (اسوقت حضرت علی بھی وہاں آگئے) تو حضرت نے فرمایا میں تم دونوں سے افضل ہوں کیونکہ میں سب سے پہلے خدا و رسول پر اسلام لایا اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں جہاد کیا اسپر خدا نے اس آیت کو نازل فرمایا تاکہ حضرت علی کی افضلیت ثابت ہو۔

قول ابطال

بیشک یہ روایت صحیح ہے اور جمہور اہلسنت نے اسکو روایت کیا ہے[۱] اور علماء نے اس آیت کو حضرت علی کے فضائل میں شمار کیا ہے اور فضائل حضرت تو لاتعد و لاتحصٰے ہیں اور اس کے متعلق شیعہ سنیوں میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے جیساکہ پہلے بیان کیا گیا لہذا حضرت کے فضائل پر دلیلیں قایم کرنے کی ضرورت نہیں ہے

[۱] یہ روایت بکثرت کتب اہلسنت میں موجود ہے مثلاً تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ وغیرہ ملاحظہ ہو۔

لیکن کلام تو اس میں ہے کہ حضرت علی کی امامت پر کیا نص ہے تو یہ آیت کسی طرح آپ کے مقصود پر دلالت نہیں کرتی۔

قول احقاق یہ آیت اپنی تفسیری روایت کے ساتھ حضرت علی کی افضلیت ثابت کرتی ہے جسکے بارے میں حضرات اہلسنت اختلاف کرتے ہیں جیسا کہ گزرا۔ تو اس آیت سے حضرت علی کی امامت اسطرح ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عباس اور طلحہ سے ہر شخص اس امر کا دعوے دار تھا کہ خانہ کعبہ کا حقدار وہی ہے پھر حضرت علی نے اُن دونوں کا دعوے رد کر دیا اور فرمایا کہ خانہ کعبہ کے حقدار حضرت ہیں نہ کوئی اور اور خدا نے بھی حضرت علی کے اس فیصلہ کی تصدیق کر دی لہذا حضرت علی ہی خانہ کعبہ کے سب سے زیادہ حقدار ہوئے جو تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ پس حضرت علی سب سے افضل بھی ہوئے اور اسوجہ سے امامت و خلافت کے مستحق بھی سب سے زیادہ آپ ہی ہوئے کیونکہ مشہور ہے اہل البیت ادری بمافی البیت گھر کا مالک ہی سب سے زیادہ جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے اسی طرح حضرت علی ہی اسلام اور اسکے قبلہ کے حالات سے سب سے زیادہ واقف تھے تو آپکے ہوتے کسی اور کو خلافت کب سزاوار ہو سکتی ہے۔

قول علامہ پندرھویں کلام مجید کی آیت مناجاۃ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ ذلک خیر لکم واطھر اے ایماندار جب پیغمبر سے کوئی بات کان میں کہنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو یہی تمہارے واسطے بہتر اور پاکیزہ بات ہے (پارہ ۲۸ سورہ المجادلہ آیت ۱۲) اس آیت کی تعمیل حضرت علی کے سوا کسی نے بھی نہیں کی ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت علی میں تین فضیلتیں ایسی تھیں جن سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو نہایت قیمتی اونٹوں سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی اول یہ کہ آپکی شادی حضرت فاطمہ علیہا السلام سے ہوئی دوسرے یہ کہ جنگ خیبر میں رسول اللہ نے حدیث رایت ارشاد فرمانے کے بعد وہ علم حضرت علی کو مرحمت فرمایا تیسرے یہ کہ آیہ نجویٰ آپ ہی کی شان میں نازل ہوئی۔

قول ابطال بیشک یہ روایت اہلسنت کے یہاں ہے اور یہ بھی ہے کہ آیہ نجوے پر حضرت علی کے سوا کسی نے بھی عمل نہیں کیا اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ فضیلت بھی حضرت علی کے ان فضائل سے ہے جنکے احاطہ اور بیان کرنے سے

آدمیوں کی زبانیں تھک گئیں اور عاجز ہو گئی ہیں لیکن اس سے حضرت کی امامت پر نص تو نہیں ثابت ہوتی۔

قول احقاق

علامہ علیہ الرحمہ نے اس آیہ سے حضرت علی کا کل امت سے افضل ہونا ثابت کیا ہے اور اس کا استدلال اس طرح ہے کہ اس آیت پر سب سے پہلے حضرت علی نے عمل کیا اور کل صحابہ پر اس فعل میں سبقت کی اور جب آپ اس پر عمل کر چکے تو اوروں کیلئے یہ آیت منسوخ ہو گئی لہذا اس آیت کا نازل ہونا اسی غرض سے تھا کہ حضرت علی کی افضلیت اور احکام خداوند عالم کے قبول اور ان پر عمل کرنے میں آپکی سبقت اور مستعدی ظاہر ہو اور یہ واضح ہو جائے کہ آپ سب صحابہ سے پہلے اسکی تعمیل پر آمادہ ہو گئے تو اسی وجہ سے حضرت سب صحابہ سے افضل بھی ہوئے جب ہی تو حضرت ابن عمر نے اس فضیلت کے حاصل کرنے کی تمنا کی۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرات اہلسنت جو دعوے کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بڑے مالدار تھے اور اپنا مال کثرت سے راہ خدا میں صرف فرماتے تھے وہ غلط اور باطل ہے اسلئے کہ جب حکم خدا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک درہم خرچ کرنے سے بھی بخل کیا اور حضرت رسول صلعم سے سرگوشی کرنے کیلئے یہ تک نہ صرف کر سکے اور اس مال کی محبت میں دس راتوں تک حضرت رسول کی صحبت سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت کی زیارت سے محرومی گوارا کر لی اور آپ کا کلام سننا ترک کر دیا جیساکہ علامہ اہلسنت ابن المرتضی نے اپنی تفسیر میں اور زمخشری نے تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے [1] یہانتک کہ اس محبت مال اور بخل پر خدا نے اپنا عتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا [2] تو پھر محال ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسقدر مال خرچ کیا ہو جسکی روایت حضرات اہلسنت بیان کرتے ہیں جو واضح امر ہے (کیونکہ جب حضرت ابوبکر نے خدا کے حکم سے ایک درہم صدقہ

لہ دیکھو تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۷۱ و تفسیر مدارک برحاشیہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۲۴۲ و شرح مشکوۃ وغیرہ۔ عہ پارہ ۲۸ کی پہلی سورۃ المجادلہ میں کئی مقام پر خدا نے صدقہ نہ دینے کے متعلق عتاب ظاہر فرمایا ہے چونکہ وہ سورہ چھوٹا ہے اور مترجم قرآن مجید بکثرت رائج ہے لہذا ہر شخص اس سورہ کا ترجمہ پڑھکر سمجھ سکتا ہے کہ خدا نے کس کس طرح عتاب نازل فرمایا ہے ۱۲ مترجم

دیگر آنحضرت صلعم کی بات سُننا گوارا نہیں کیا اور مال کی محبت میں خدا کا عتاب گوارا کیا تو پھر آپ کسی اور موقع پر اپنا کوئی مال کیونکر خرچ کر سکتے تھے آپکا دل پہلے بھی وہی تھا جو آیت نجوی کے نازل ہونے پر تھا اور مال کی محبت بھی وہی تھی جو آیت نجوی کے نازل ہونے پر بیان کی گئی)۔

لیکن قاضی عبد الجبار نے اس جگہ مکابرہ (ہٹ دھرمی) سے کام لیکر کہا ہے کہ اس آیت سے حضرت علی کا دوسرے صحابہ سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے صدقہ دیکر سرگوشی کرنے کا وقت اسقدر کم رہا ہو کہ سوا حضرت علی کے اور کسی صحابی کو اسپر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا ہو۔ مگر قاضی صاحب کے اس قول کا غلط ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ اصولیین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خدا کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بندے کو کسی کام کے کرنے کا حکم اسقدر تنگ وقت میں دے جسمیں وہ اس کام کو انجام ہی نہ دے سکے ہاں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا تکلیف مالایطاق دیتا ہے وہ جو چاہیں کہیں نیز قاضی صاحب کے اس احتمال کو وہ روایت بھی دفع کرتی ہے جسکو علامہ ابن المغازلی نے کتاب المناقب میں اور علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل [1] میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے جسپر نہ میرے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کسی نے کیا نہ کریگا جسکی تفصیل یہ ہے کہ میرے پاس ایک دینار تھا تو میں نے اسکا خردہ کر کے دس درہم لیلیئے پھر جب میں حضرت رسولخدا صلعم سے سرگوشی کرتا تو ایک درہم صدقہ دیدیتا پس اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ صدقہ دینے کا وقت وسیع تھا جب ہی تو حضرت یکے بعد دیگرے دس درہم تک صدقہ دیتے رہے۔ نیز اس احتمال کو وہ حدیث بھی دفع کرتی ہے جسکو حافظ ابو نعیم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے بغیر پہلے صدقہ دیئے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم سے کلام کرنا حرام کر دیا تھا تو دوسرے صحابہ نے بخل کیا اور حضرت سے کلام کرنے کے قبل صدقہ نہیں دیا مگر حضرت علیؑ نے صدقہ دیا اور آپکے سوا کسی مسلمان نے ایسا نہیں کیا نیز بعد کی آیت فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم (اگر تم ایسا نہ کر سکے اور خدا نے تمکو معاف کر دیا) بتاتی ہے کہ صحابہ اپنے

---

[1] تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ بمبئی صفحہ ۸۹۹

اس تقصیر اور بخل میں معذور بھی نہ تھے کیونکہ توبہ کا ذکر ہی کہتا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے حکم خدا کی تعمیل میں پہلوتہی کی اس سبب سے خدا کا عتاب انپر ہوا گو بعد میں خدا نے ان کو معاف بھی کیا ہو پس اگر صدقہ دینے کا وقت تنگ ہوتا جیسا کہ قاضی صاحب نے شبہہ پیدا کیا ہے تو خدا کا عتاب انپر نہ ہوتا نہ اسکے بعد توبہ کا بیان ہوتا جو گناہ ہی کیلئے ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابن عمر نے جو تمنا کی ہے کہ کاش انھوں نے بھی صدقہ دیکر حضرت رسولؐ سے سرگوشی کی ہوتی۔ یہی بتاتی ہے کہ صدقہ دینے کا موقع باقی تھا ورنہ بغیر امکان کے اس تمنا کی کیا صورت تھی۔ ہاں فخر الدین رازی نے ایک اور شگوفہ چھوڑا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں [51] "میں نے مانا کہ وقت اسقدر وسیع تھا کہ دوسرے صحابہ بھی چاہتے تو صدقہ دیکر حضرت سے سرگوشی کر سکتے تھے لیکن جو فقیر کوئی مال نہ رکھتا ہو اسکا دل ایسے کام کی طرف کیونکر متوجہ ہو سکتا ہے جسمیں خرچ کرنے کی شرط ہے اور جو مالدار ہوگا اسکا دل بھی دکھیگا لہذا اس عمل کے ترک کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جو چیز الفت اور انس کا سبب ہو اس چیز سے بہتر ہے جو وحشت کا سبب ہو۔ یہ بات بھی خیال کرنے کی ہے کہ صدقہ دینا اس وقت واجب تھا جب کوئی سرگوشی کرنی ہوتی لیکن خود سرگوشی کرنا تو واجب نہ تھا اور نہ مستحب تھا بلکہ اولی یہی تھا کہ سرگوشی کی ہی نہ جاتی جسکی وجہ ہم نے پہلے بیان کر دی ہے کہ سرگوشی سے حضرت رسول خدا صلعم کو اذیت ہوتی تھی اور آپ اس سے گھبراتے تھے۔" فخر الدین رازی کا کلام تمام ہوا مگر اسکا جواب فاضل نیشاپوری نے خوب دیا ہے وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں [52] کہ فخر الدین رازی کا یہ کلام تعصب سے خالی نہیں ہو سکتا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہر موقع پر حضرت علی کو مفضول (فضیلت میں دوسروں سے کم) ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور کیوں نہ ہم مانیں کہ حضرت علی کو بعض فضائل ایسے حاصل تھے جو دوسرے اکابر صحابہ کو کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکے جیسا کہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت علی میں تین فضیلتیں ایسی تھیں جن سے اگر ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو سرخ رنگ کے نہایت قیمتی اونٹوں

---

[51] تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۱۶۷ [52] تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری جلد ۲۸ صفحہ ۱۹

سے زیادہ میری خوشی کا سبب ہوتی ایک یہ کہ آپکی شادی حضرت علی سے ہوئی اور
جنگ خیبر میں شب کو وعدہ کرنے کے بعد صبح کو حضرت صلعم نے علم حضرت علی ہی کو
دیا اور آپکی شان میں آیہ نجوے نازل ہوئی (کیونکہ آپ ہی نے صدقہ دیکر حضرت سے سرگوشی کی)
اور کیا کوئی انصاف پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے راز کی باتیں کرنا صرف
اسمیں کچھ مال خرچ ہونے کی وجہ سے، برا تھا؟ علاوہ بریں آیت میں مناجاۃ کرنے سے
کوئی ممانعت نہیں ہوئی بلکہ صرف یہ حکم ہوا تھا کہ صحابہ مناجاۃ سے پہلے کچھ صدقہ دیدیا
کریں تو جس شخص نے اس آیت پر عمل کیا اسکو دو صورتوں سے فضیلت حاصل ہوئی
ایک اس حیثیت سے کہ اس نے صدقہ دیکر فقرار کی حاجت پوری کی اور انکا فاقہ توڑا
دوسرے اس جہت سے کہ اس نے آنحضرت صلعم سے سرگوشی کرنے کو محبوب رکھا
جس سے آنحضرت صلعم سے قربت حاصل ہوتی اور مشکل مسئلوں کا جواب ملنا اور اس
امر کا اظہار ہوتا کہ اس نے آنحضرت صلعم سے سرگوشی کو مال سے زیادہ قیمتی اور عزیز سمجھا"
علامہ نیشاپوری کا قول تمام ہوا میں (جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ) کہتا ہوں کہ فخرالدین
رازی کا جو کچھ جواب علامہ نیشاپوری نے دیا اسکے علاوہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم سے
مناجاۃ کرنے کے قبل صدقہ دینے کا جو حکم خدا نے مقرر کیا اسکے علت صرف یہ
تھی کہ اس ذریعہ سے فقرا مسلمین کی تنگدستی زائل اور انکی پریشان حالی دفع ہو
اور انکے ساتھ نیکی کرنے کا موقع ملے۔ باوجود اسکے وہ لوگ اسمیں شرعی اور عرفی
حیثیت سے معذور اور آیت کے حکم سے یقیناً خارج تھے (کیونکہ انکے پاس مال تھا
ہی نہیں وہ اسکے مخاطب کیونکر ہوتے) لہذا اس سے انکی شکستہ دلی بھی لازم نہیں
آتی ہے جو واضح امر ہے غرض فخرالدین رازی نے جو کہا ہے کہ اس سے نادار فقیر کا دل تنگ
ہوگا یہ صرف مغالطہ ہی ہے) علاوہ بریں آپ نے جو اعتراض اس صدقہ نجوی پر کیا ہے
وہی اعتراض زکوۃ خمس۔ حج وغیرہ عبادات کے واجب ہونے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ
ان کاموں میں بھی مال خرچ ہوتا ہے جس سے فقیروں کا دل تنگ اور مالداروں کا دل
متنفر ہوتا ہے تو جس طرح آپ نے صدقہ نجوی کو بے ضرورت بتایا اسی قیاس پر زکوۃ حج
وغیرہ کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کاموں کا حکم نہ ہونا چاہئے کیونکہ جو فقیر نصاب
زکوۃ کا مالک نہیں ہے اس حکم سے اس کا دل تنگ ہوگا اور جو مالدار ہے اسکا دل متنفر ہوگا

گمراہ یا کہنا شریعت اسلام کو لغو بتانا ہے جو بالکل کفر اور خدا ہی سے انکار کرنا ہے یہ امر بھی خیال کرنا چاہئے کہ خدا نے صرف یہ حکم دیا تھا کہ سرگوشی کے پہلے کچھ صدقہ دیدیا کرو مگر اسکے لئے کوئی حد نہیں معین کی تھی کہ اس مقدار کا صدقہ دینا پس اب یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوبکر یا فقرار مسلمین اس مقدار کے ادا کرنے سے عاجز تھے کیونکہ اسمیں تو ہر شخص کی حیثیت کے مطابق گنجایش تھی مالدار چاہتے تو ایک دینار دیتے اور کم مال والے نصف درہم بلکہ ایک دانہ کھجور دیکر بھی یہ شرف حاصل کر سکتے تھے۔ آخر میں فخر الدین رازی کا یہ کہنا بھی کہ رسولخدا صلعم سے سرگوشی کرنا مستحب تک نہ تھا انکو کفر کی حد تک پہونچا دیتا ہی کیونکہ آنحضرت صلعم سے کلام کرنا اور مسئلہ پوچھنا کیا ایسا بے حقیقت ہو سکتا ہے کہ خدا اسکو پسند نہ کرے ہ اسی مضمون کی طرف علامہ نیشاپوری نے بھی اشارہ کیا ہے جو بخوبی غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ سولہوین قول خداوند عالم واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا۔ یعنی ہمنے تم سے پہلے اپنے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان سب سے دریافت کر دیکھو پارہ ۲۵ سورہ زخرف آیت ۴۵) کی تفسیر میں علامہ ابن عبد البر وغیرہ علمار اہلسنت نے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کو معراج ہوئی تو اس شب میں خدا نے حضرت اور دیگر انبیار متقدمین کو اکٹھا کیا پھر حضرت رسولخدا صلعم کو حکم دیا کہ ان انبیار سے پوچھئے کہ آپ لوگ کس بات پر پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے؟ حضرت نے ان لوگوں سے پوچھا تو ان حضرات نے جواب دیا کہ ہم لاالہ الا اللہ کی شہادت اور آپکی نبوت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت کا اقرار کرنے پر بھیجے گئے تھے۔

قول ابطال یہ اہلسنت کی روایت نہیں ہے اور ظاہر آیت بھی اس مطلب کو انکار کرتا ہے کیونکہ اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے اجعلنا من دون الرحمن الھة یعبدون یعنی کیا ہم نے خدا کے سوا اور معبود بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے۔ اور خدا کی مراد یہ ہے کہ کل انبیار کا اجماع اسپر واقع ہے کہ توحید کا اقرار واجب اور شرک سے انکار کرنا ضروری ہے اور آیت کا مفہوم یہی ہے رہی وہ روایت جسکو علامہ نے نقل کیا ہے تو وہ مہملات سے ہے لیکن اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آپکا مقصود اور دعوی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ "ولایت" کا لفظ کئی معنوں پر

بولا جاتا ہے۔

قول احقاق یہ روایت بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ تفسیر نیشاپوری میں بھی تفسیر ثعلبی سے نقل کی گئی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ شب معراج میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ اے محمد صلعم اپنے قبل کے انبیار سے پوچھئے کہ وہ لوگ کس بات پر پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان پیغمبروں سے پوچھا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم آپکی رسالت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت پر بھیجے گئے تھے اس روایت کو علامہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے لیکن یہ قول خدا اجعلنا من دون الرحمن کے مطابق نہیں ہے انتہٰی سلہ تو تفسیر نیشاپوری و ثعلبی کی جو روایت ہم نے نقل کی اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ روایت حضرات اہلسنت کی روایتوں سے ہے اور فاضل مخاطب نے اسپر جو اعتراض کیا ہے اسکو علامہ نیشاپوری ہی سے لیا ہے جو بالکل کمزور اعتراض ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ لفظ اجعلنا حکم کے معنے میں ہو جیسا کہ علامہ نیشاپوری نے آخر میں تصریح کی ہے اور یہ جملہ قول رسولخدا صلعم کی حکایت ہو اور تاکید ہو اس اقرار کی جو اس کلام میں مضمر ہے یعنی وہ انبیار امور مذکورہ کی شہادت اور اقرار پر اسطرح بھیجے گئے ہیں کہ کسی شخص کو اسمیں توقف کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس کیلئے جس نے خدا کے سوا کچھ معبودوں کو عبادت کیلئے قرار دے رکھا ہے۔ اور اس قسم کی ضمیر لانے کی مثال قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی وارد ہے چنانچہ پارہ ۱۲ سورہ یوسف کی آیہ ۴۵ میں ہے انا انبئکم بتاویلہ فارسلون یوسف ایھا الصدیق افتنا یعنی ساقی نے کہا مجھے جانے دیجئے تو میں اسکی تعبیر بتائے دیتا ہوں اے یوسف اے بڑے سچے ذرہ ہمیں بتائے تو اس آیت کا مطلب بھی جیسا کہ علامہ نیشاپوری وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے یہ ہے کہ ساقی نے کہا اے بادشاہ مجھے حضرت یوسف تک جانے دیجئے تاکہ میں اُن سے پوچھوں اور مجھے حکم دیجئے کہ ان سے اسکی تعبیر دریافت کروں تو بادشاہ کے لوگوں نے اس ساقی کو حضرت یوسف کے پاس بھیجا غرض وہ حضرت کے پاس آیا تو کہا اے یوسف اے بڑے سچے تا آخر آیت پس ملاحظہ ہو اس جگہ بھی خدا کس قدر اضمار کو کام

سلہ تفسیر نیشاپوری۔ برحاشیہ تفسیر طبری جلد ۲۵۔

میں لایا ہے اسی طرح آیت واسئل من ارسلنا میں بھی سمجھنا چاہئے۔ زیادہ سے
زیادہ فرق یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ اس آیت میں جو امر محذوف ہے اس کی
تعیین کا قرینہ مخفی ہے لہذا یہ آیت آیات متشابہات سے قرار دیجائے جس کا
معنے بغیر خدا کی توفیق اور حضرت رسولخدا صلعم کے بیان کے معلوم نہیں ہوسکتا تو یہ بھی
اس آیت کے اپنے بعد کے حصہ اجعلنا من دون الرحمن کے مطابق ہونے میں کوئی
خرابی نہیں پیدا کرتا اور اسکے شان نزول میں جو روایت وارد ہوئی ہے اس کی
کسی قسم کی مخالفت یا اجنبیت نہیں معلوم ہوتی لہذا کوئی جھگڑا نہیں رہا اور نہ یہ
روایت مہملات سے شمار ہوسکتی ہے ہاں جو شخص ایسی روایتوں کو مہمل سمجھے
وہ خود جس عقل و فہم کا ہوگا واضح ہے۔

قول علما علیہ الرحمہ سترہویں کلام مجید کی آیت وتعیھا اذن واعیۃ یعنی اسے
یاد رکھنے والے کان (سنکر) یاد رکھیں (پارہ ۲۹ سورہ حاقہ
آیت ۱۲) جمہور نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے

قول ابطال مفسرین نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو
حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ میں نے خدا
سے دعا کی ہے کہ ایسا کان خدا تمھارے کان کو کر دے۔ تو حضرت علی فرماتے
ہیں کہ اسکے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔ بہر کیف یہ آیت اور اسکی تفسیر حضرت علی
کے کمال علم اور قوت حافظہ اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے لیکن اس سے حضرت
علی کے امامت کی نص کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔

قول احقاق علامہ واحدی نے اپنی کتاب اسباب نزول القرآن میں بریدہ سے اور
علامہ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں حضرت علی سے اور ابوالقاسم بن حبیب نے
اپنی تفسیر میں زر بن حبیش سے اور انھوں نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت
علی بن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم نے مجھے
اپنے سینہ سے لگا کر فرمایا کہ اے علی میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے
کہ میں تم کو اپنے سے قریب کر دوں اور دور نہ کروں اور یہ کہ تم سنو اور یاد رکھو
اور تفسیر ثعلبی میں بریدہ کی روایت سے یہ مضمون بھی ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ

اے علی میں تمکو تعلیم کرتا رہونگا اور تم یاد کرتے رہو اور خدا پر حق ہے کہ (تمکو اتنی قوت عطا فرمائے کہ) تم جو کچھ سنو اسکو یاد کر لو اسپر یہ آیت نازل ہوئی وتعیہا اذن واعیۃ انتہٰی۔ ہاں بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر وہی ذکر کی ہے جسکو فاضل مخاطب نے روایت کیا ہے مگر انھوں نے جو کل مفسرین کے بارے میں مطلقاً یہ دعوی کردیا کہ "مفسرین نے روایت کی ہے" اس سے انکی حق پسندی اور راست بیانی پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ صرف بعض مفسرین کی روایت کو مطلقاً کل مفسرین کی روایت بنادی۔ اور علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں[۲] اور فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس روایت کو جسے فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے نقل کرکے کہا ہے کہ "اگر کوئی شخص سوال کرے خدا نے اذن واعیہ کیوں فرمایا جو لفظ واحد اور نکرہ ہے (حالانکہ سبکے کان دو ہوتے ہیں تو بجائے واحد کے جمع اور بجائے نکرہ کے معرفہ ہونا چاہئے تھا) تو ہم جواب دینگے کہ لوگوں کو اس پر آگاہ کرنے کے لئے ایسا کیا کہ احکام خدا و رسول کے یاد رکھنے والوں میں قلت ہے اور لوگوں کو اسپر زجر و توبیخ کرنے کے لئے بھی کہ جو لوگ یاد رکھتے ہیں وہ بہت کم ہیں اور اسکو واضح کردینے کے لئے بھی کہ اگر ایک ہی کان احکام خدا کو یاد رکھے اور سمجھ لے تو خدا کی نظروں میں وہی سواد اعظم ہے اور اسکے سوا جس قدر کان ہیں وہ ناقابل التفات ہیں اگرچہ تمام دنیا ایسے ہی کانوں والوں سے بھری ہو" انتہٰی۔

---

[۱] علامہ واحدی و ابو نعیم و ابو القاسم بن حبیب کی کتابیں جن حضرات کے پاس نہ ہوں وہ حضرات اہلسنت کے سب سے بڑے مفسر علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ ملاحظہ فرمالیں کہ اسمیں وہ سب روایتیں موجود ہیں جو اوپر نقل کی گئیں۔ ان روایتوں کو سعید بن منصور و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و مکحول و ابن عساکر و ابن النجاری و بریدہ وغیرہ ایسے جلیل القدر علماء و محدثین و ارکان اہلسنت نے روایت کی گئی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب کروں اور دور نہ ہونے دوں اور تمکو تعلیم کروں اور تم یاد رکھو اور تم پر حق ہے کہ اسکو یاد رکھو اسی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی تم میری علم کا یاد رکھنے والے کان ہو۔ ہاں تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۲۹ صفحہ ۳۵ میں ایک روایت اس مضمون کی بھی ہے کہ مکحول کہتے تھے حضرت رسولخدا صلعم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی پھر حضرت علی کیطرف توجہ ہوکر فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ وہ کان تمہارے ہی کان کو بنادے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت صلعم کی اس دعا کے بعد جو کچھ بھی میں نے آنحضرت صلعم سے سنا یاد کرلیا اور کبھی کچھ نہیں بھولا ۱۲

[۲] جلد ۳ صفحہ ۲۱۳ [۳] تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۲۰۲

اب ہم (جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ) کہتے ہیں کہ فرقہ معتزلہ کے علامہ (زمخشری) اور فرقہ اشاعرہ کے امام (فخرالدین رازی) اسنے اس آیت کے جن اسرار کو کھولدیا ہے ان سے معلوم ہوا کہ زمانہ حضرت رسولخدا صلعم میں یہ آیت حضرت علی کی ذات کے لئے مخصوص تھی کیونکہ ان لوگوں نے تصریح کردی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کے لئے خدا سے جو دعا کی وہ مقبول ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کے سوا جو حضرات تھے ان کی زجر و توبیخ بھی کی گئی کہ وہ احکام خدا کو محفوظ نہیں رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ قابل التفات نہیں ہیں لہذا امامت کے سب سے زیادہ حقدار بھی حضرت علی ہی ہو سکتے ہیں (کیونکہ آپ ہی احکام خدا و رسول کے سب سے زیادہ محافظ اور نگہبان تھے) اور یہی جناب علامہ علیہ الرحمہ کا مدعا ہے۔

مناسب ہے کہ اسی جگہ وہ مضمون بھی ذکر کردیا جائے جس پر آیندہ کی بڑی بڑی بحثیں موقوف ہیں اور وہ یہ کہ جو شخص قران اور حدیث میں غور و فکر سے کام لیگا معلوم کرلیگا کہ کسی کو دوسرے سے افضلیت بغیر علم کے نہیں ہو سکتی چنانچہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم یعنی عابد سے عالم اسی طرح افضل ہے جسطرح تملوگوں کے ادنے سے میں افضل ہوں [۱] اور خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی اس کے بندوں میں خدا کا خوف کرنے والے تو بس علما ہیں (پارہ ۲۲ سورہ فاطر آیت ۲۹) اب غور کرنا چاہئے کہ خدا نے دوسرے مقام پر فرمادیا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہو (پارہ ۲۶ سورہ حجرات آیت ۱۳) پھر انما یخشی اللہ میں خدا سے ڈرنے اور پرہیزگاری کرنے کا حصر علماء میں کیوں کردیا؟ تو اسی وجہ سے کہ جس میں علم دین زیادہ ہوگا اسی کو خدا کا خوف بھی زیادہ ہوگا اور شک نہیں کہ حضرت علی اپنے زمانہ کے کل صحابہ سے اعلم تھے کیونکہ خلفائے ثلثہ اور دیگر صحابہ کا اپنے زمانہ میں حضرت سے علمی و دینی مسائل کے بکثرت استفسار کرتے رہنا مشہور ہے اور ان مسائل دینیہ میں ان حضرات نے حضرت علی کے مقابلہ میں اپنے جہل کا پورا اقرار کرلیا ہے یہانتک کہ حضرت عمر کا

---

[۱] منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۴۔

قول لولا علی لہلک عمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا[۵] زبان زد خواص و عوام ہوکر ضرب المثل ہوگیا جو بڑی دلیل اسکی ہے کہ حضرت علی ان سب میں اعلم تھے۔ رہا یہ کہ جو شخص سب سے زیادہ عالم ہو وہی سب سے افضل بھی ہے خدا اور رسولخدا صلعم کے نص سے ثابت ہوچکا ہے جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے پس جب منطق کے شکل اول کی طرح صغری اور کبری ثابت ہوگیا تو اسکا نتیجہ بدیہی طور پر ثابت ہوگیا کہ حضرت علی اُن سب میں افضل اور وہی سب سے زیادہ مستحق خلافت تھے جس سے انکار کرنا محض مکابرہ اور دشمنی ہے جسکی طرف توجہ نہیں ہوسکتی

قول علامہ علیہ الرحمہ اٹھارہویں سورہ ہل اتی (پارہ ۲۹ کی) ہے چنانچہ جمہور نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن و امام حسین ؑ عہد رسولخدا صلعم میں بیمار ہوئے اور حضرت رسولخدا صلعم نیز دوسرے لوگ ان حضرات کی عیادت کو آتے رہے تو حضرت علی نے نذر کی کہ انکی صحت پر آپ تین روزے رکھیں گے اسی طرح حضرت سیدہ اور ان کی خادمہ فضہ نے بھی نذر مانی جس کے بعد ان صاحبزادوں کو صحت ہوگئی اسوقت خانہ جناب سیدہ میں کوئی چیز نہیں تھی نہ کوئی غلہ تھا۔ تو حضرت امیر المومنین ؑ نے (ایک شخص سے) تین صاع جو قرض لیا اور اسکے تین حصہ کرکے پہلے روز جناب سیدہ نے ایک صاع جو پیسا اور اسکی پانچ روٹیاں پکائیں۔ ہر شخص (جناب امیر جناب سیدہ حضرت حسن حضرت حسین اور فضہ) کے لیئے ایک ایک روٹی اور حضرت علی ؑ نے مسجد میں نماز مغرب ادا کی پھر دولت سرا پر تشریف لائے اور آپکے سامنے افطار کیلئے کھانا لاکر رکھا گیا کہ دفعتہً ایک مسکین آیا اور سوال کیا۔ تو ان کل حضرات نے اپنی اپنی روٹیاں اٹھاکر اس مسکین کو دیدیں اور رات بھر بغیر کچھ کھائے بسر کرتے رہے پھر دوسرے دن ان حضرات نے دوسرا روزہ رکھا اور جناب سیدہ نے حسب معمول پھر ایک صاع جو کے آٹے کی پانچ روٹیاں پکائیں جب وقت افطار روٹیاں سامنے رکھی گئیں تو ایک یتیم نے دروازہ پر آکر سوال کیا پھر سب نے اپنی اپنی روٹی اٹھاکر دیدی۔ تیسرے دن بھی ان حضرات نے روزہ رکھا اور افطار کے وقت

---

[۵] ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ وغیرہ

کھانا لایا گیا تو دروازہ پر ایک قیدی نے آکر سوال کیا اس وقت بھی کل حضرات نے اپنی اپنی روٹی اٹھا کر دیدی غرض تینون دنون مین روزہ رکھ کر ان لوگون نے صرف پانی سے افطار کیا اور کھانے کی کوئی چیز چکھی تک نہین۔ چوتھے دن حضرت رسولخدا صلعم نے ان حضرات کو دیکھا کہ بھوک سے ان کے جسم مین رعشہ پڑا ہوا ہے اور جناب سیدہ علیہا السلام کا تو بسبب گرسنگی شکم اقدس پشت سے لگیا تھا اور آنکھین خلقے پڑ گئے تھے یہ کیفیت دیکھ کر آنحضرت صلعم چیخ اٹھے کہ واغوثاہ یا اللہ اھلبیت محمد یموتون جوعا۔ یعنی واغوثاہ۔ یا اللہ محمد کے اہلبیت بھوک سے مرے جارہے ہین! اسی وقت جناب جبرئیل نازل ہوے اور کہا یا حضرت اس تحفہ کو قبول فرمائیے جسکو خدا نے آپ کے اہلبیت کی شان مین بھیجا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے جبرئیل وہ کون تحفہ ہے؟ جبرئیل نے سورہ ہل اتی پڑھی کہ یہی ہے۔

قول الابطال علامہ نے جو روایت ذکر کی ہے اس کو بعض مفسرین نے اس سورہ کی شان نزول مین بیان ضرور کیا ہے لیکن اکثر محدثین اور اہل تفسیر نے اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ کیا جائز ہے کہ کوئی شخص خدا کی راہ مین صدقہ دینے مین اس قدر مبالغہ کرے اور اپنے نفس اور اہل وعیال کو اتنا بھوکا رکھے کہ وہ سب ہلاکت کے قریب پہونچ جائین؟ حالانکہ خدا فرماتا ہے ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو یعنی یہ لوگ تم سے پوچھتے ہین کہ خدا کی راہ مین کیا خرچ کرین تم ان سے کہدو کہ جو تمھاری ضرورت سے بچے (سورہ بقرہ آیہ ۲۱۹) اور ظاہر ہے کہ عفو وہی ہے جو اپنے خرچ سے فاضل ہو اور حضرت رسول خدا صلعم نے بھی فرمایا ہے خیر الصدقۃ ما یکون عنوا عفوا یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو لندہ اور اپنے عیال کی ضرورت سے فاضل ہو۔ لیکن اگر روایت مذکورہ صحیح بھی ہو تو حضرت علی کی امامت پر نص نہین ہوسکتی جیسا کہ تمھین پہلے معلوم ہو چکا۔

قول احقاق امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر مین لکھا ہے[1] کہ "ہماری اصحاب (علمائے اشاعرہ) سے علامہ واحدی نے کتاب البسیط مین ذکر کیا ہے

[1] تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۳۹۲ مین یہ مضمون ہے ۱۲

کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان مین نازل ہوئی ہے اور فرقہ معتزلہ کے پیشوا علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے[۱] چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن و حسین مریض ہوئے تا آخر روایت۔ اور جن لوگون نے اس آیہ کی شان نزول یہ روایت نہین ذکر کی ہے انھون نے آیت کو اس کے عموم پر اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ ہو سکتا ہے ان کو یہ روایت نہین پہونچی ہو یا حضرات اہلبیت کی عداوت چھپانے کا قصد کیا ہو نہ یہ کہ انھون نے حضرات اہلبیت کے سوا کسی مخصوص جماعت کی شان مین اس کا نازل ہونا بیان کیا ہو جیسا کہ فاضل مخاطب کا ظاہر کلام اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "اکثر محدثین اور مفسرین نے اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے الخ" تو ظاہر یہ ہے کہ یہ شبہہ خود فاضل موصوف ہی کی تشکیکات سے ہے نہ کہ محدثین و مفسرین نے اس کو بیان کیا ہو کیونکہ اگر محدثین و مفسرین سے کسی شخص کے دل مین یہ شک گذرا ہوتا تو مشہور امام المشککین فخر الدین رازی اپنی تفسیر مین اسکو ضرور ذکر کیے ہوتے حالانکہ ایسا نہین ہے۔ اور ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ علمائے اہلسنت نے جن مین علامہ فخر الدین رازی اور علامہ نیشاپوری بھی ہین لکھا ہے کہ کلام مجید کی یہ آیت کونوا مع الصادقین (سورہ توبہ آیت ۱۱۹) یعنی تم لوگ سچون کے ساتھ رہا کرو ان لوگون کی شان مین نازل ہوئی ہے جنھون نے اپنے کو پایون سے باندھ رکھا تھا۔ تو یہ حضرات اس روایت کو تسلیم کرتے اور اس سے انکار نہین کرتے ہین اور اس پر یہ اعتراض نہین کرتے کہ کیا اپنے نفس کی ریاضت اور مشقت اس حد تک جائز ہے کہ اپنے کو ستونون مین باندھ کر ڈال دیا جائے ؟ بلکہ علمائے اہلسنت تو اس پر بھی ترقی کرتے اور اپنے بزرگون اور فرقہ نقشبندی کے صوفیون اور پیرون کے بھوک پیاس کے بارے مین ایسے واقعات ذکر کرتے ہین جو اس سے کہین بڑھ چڑھ کر ہین بلکہ خود فاضل مخاطب ہی نے اپنی اسی کتاب ابطال الباطل مین اس سے پہلے خداوند عالم کے دوسرے مین حلول کرنے کے عقیدہ سے انکار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ مشہور صوفی پیر حضرت ابو یزید بسطامی نے اپنے نفس کی ریاضت اور تادیب کے لیے سال بھر تک پانی پینا ترک کر دیا تھا اور فاضل مخاطب نے اس واقعہ کو لکھکر

---

[۱] تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۲۹

اسے پسند بھی کیا ہے حالانکہ ان لوگون کا اپنے نفس کو اس درجہ اذیت دینا اور ضرر پہونچانا کسی طرح عقل اور شرع کی روسے مناسب نہین سمجھا جا سکتا اور پھر اس سے کسی دوسرے کو نفع بھی نہین ہوا باوجود اسکے یہی علما حضرات اہلبیت کے خود بھوکے رہکر مسکین و یتیم و اسیر کو سیر کرنے پر اعتراض کرتے اور ان حضرات کے انتہا درجہ کی سخاوت اور جود سے فقرا مسلمین کو اپنے نفسون پر ترجیح دینے کو قابل طعن قرار دیتے ہین حالانکہ یہ روایت باتفاق فریقین ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان تینون راتون مین جناب جبرئیل ہی حضرات اہلبیت کے گھراون کا امتحان لینے کے لئے خدا کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اور کیا خوب حصفکی نے ایسا شک کرنے والے کے جواب مین یہ دو شعر کہے ہین ؎ قوم اتی فی مدحھم ھل اتے۔ ما شک فی ذالک الا ملحد + قوم لھم فی کل ارض مشھد۔ لا بل لھم فی کل قلب مشھد یعنی (حضرات اہلبیت) وہ قوم ہین جنکی مدح مین سورہ ہل اتی نازل ہوا ہے جس مین سوا ملحد شخص کے کوئی شک و شبہہ نہین کر سکتا۔ یہ حضرات وہ قوم ہین جنکی زیارت گاہ ہر زمین مین ہے۔ نہین بلکہ ان حضرات کی جگہ تو ہر دل مین ہے اور یہ جو فاضل مخاطب نے توہم کیا ہے کہ حضرات اہلبیت کا اس قدر خیرات کرنا اور اپنے کو تین دنون تک بھوکا رکھکر جود و سخاوت کرنا جائز نہین تھا اور آیت یسئلونک ماذا ینفقون کے خلاف تھا تو یہ بھی بے جوڑ بات ہے کیونکہ اس آیت کے لفظ عفو کا معنے تفسیر مین جس طرح کہ خرچ سے فاضل آیا ہے اسی طرح بہترین اور پاکیزہ ترین مال بھی آیا ہے اور اسکی تائید کلام مجید ہی کی اس آیت سے ہوتی ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون یعنی تم ہرگز نیکی کے درجہ پر فائز نہین ہو سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزون مین سے کچھ راہ خدا مین خرچ نہین کروگے (پارہ ۴ سورہ آل عمران آیت ۹۲) اور حضرت رسول خدا صلعم کی جو حدیث نقل کی کہ خیر الصدقۃ ما یکون صنوا عفوا تو یہ بھی آنحضرت صلعم ہی کی اس دوسری حدیث خیر الصدقۃ ما ابقت غنی کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنا باقی رکھے کے معارض ہے اور اگر ہم اس سے بھی تنزل اختیار کرین تو کہینگے کہ منافاۃ تو اسوقت لازم آتی جب حضرت علی علیہ السلام کے عیال خود ہی وہ روٹیان صدقہ مین نہ دیئے ہوتے اور حضرت علی نے ان لوگون کی خواہش کے خلاف وہ سب دیدیا ہوتا لیکن جب صاحب عیال اپنے عیال کا نفقہ (خرچی) لاکر دیدے اور وہ لوگ اپنے اختیار اور اپنی خوشی سے

وہ خرچ یتیم - اسیر اور مسکین کو دیدین اور اپنے طور پر ان فقراء کو اپنے نفسون پر ترجیح دین تو پھر اس آیت عفو کے خلاف کیونکر ہوگا اور حضرت علی ان بقیہ اہلبیت کی سخاوت سے مورد اعتراض کیون قرار پائینگے؟ جس طرح حضرت علی نے خود بھوکا رہنا اور مخلوق خدا کو سیر کرنا پسند کیا اسی طرح حضرت فاطمہ و حسن و حسین و فضہ نے بھی خود بھوکے سو رہنا اور خدا کے محتاج بندون کو کھلا دینا خوشی سے گوارا کیا جو صرف خدا کی خوشنودی ہی کے لئے کیا گیا -

قول علامہ انیسوین کلام مجید کی یہ آیت ہے والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون (اور یاد رکھو کہ جو شخص یعنی رسول سچی بات لیکر آیا وہ اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ تو پرہیزگار ہین - پارہ ۲۴ سورہ زمر آیت ۳۳) جمہور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ تصدیق کرنے والے بزرگ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام ہین انتہے -

قول ابطال جمہور علمائے اہلسنت کہتے ہین کہ یہ آیت حضرت ابوبکر الصدیق کی شان مین نازل ہوئی ہے لیکن اگر اس کا حضرت علی مرتضی کی شان مین نازل ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف حضرت علی کے فضائل ثابت ہوسکتے ہین اور کسی طرح امامت کی نص پر دلالت نہین ہو سکتی -

قول احقاق جس روایت کو علامہ علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا ہے اسے صاحب کشف الغمہ نے حافظ ابو بکر موسی بن مردویہ سے روایت کیا ہے اور حافظ ممدوح نے اسے جناب ابو جعفرؑ سے بھی روایت کیا ہے[۱] رہا اس آیت کا حضرت ابوبکر کی شان مین نازل ہونا جیسا کہ فاضل مخاطب نے ذکر کیا ہے تو یہ ایسی بات ہے جسکو صرف آپ کے امام فخر الدین رازی نے تنہا ایجاد کیا ہے اور وہ بھی صرف اس مناسبت کے لحاظ سے کہ اس آیت مین حضرت رسولخدا صلعم کی تصدیق کرنے کا بیان ہے اور یہ حضرات کہتے ہین کہ چونکہ حضرت ابوبکر نے آپ کی تصدیق کی اسی وجہ سے انکا لقب ہی صدیق ہوگیا - تو علامہ فخر الدین رازی کی عادت اکثر آیات کی تفسیر مین یہی ہے کہ بے تکی مناسبت پیدا کر کے اپنے مذہب کی تائید کرنے لگتے ہین جیسا کہ تفسیر کبیر کے غور سے دیکھنے والون کو اچھی طرح معلوم ہے لیکن اگر یہی علمائے اہلسنت اس

[۱] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ طہران صفحہ ۹۰ اور تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۳۲۸ مین بھی یہ روایت موجود ہے ۱۲

روایت کے وجود کو فخر الدین رازی سے قبل کے علماء و مفسرین و محدثین کی کتابوں یا روایتوں سے ثابت کرنا چاہین بشرطیکہ کذب و افتراء سے بچنے کا بھی لحاظ رکھین تو ہرگز اس ارادہ مین کامیاب نہین ہو سکتے ہین۔ اور فخر الدین رازی صاحب کی بے مثل جرءت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ صرف اسی پر اکتفا نہین کی کہ خدا پر کذب کا ارتکاب کیا (یعنی غلط طور پر یہ دعوی کر دیا کہ خدا نے یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان مین نازل کی ہے) بلکہ اس روایت کو حضرت علی کی زبانی بھی وضع کر دیا تاکہ جو لوگ اس آیت کا نازل ہونا حضرت امیر المومنین کی شان مین بیان کرتے ہین ان کی زبان بند ہو جائے اسطرح کہ خود حضرت علی جب کہتے ہین کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان مین نازل ہوئی ہے تو پھر تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ نہین بلکہ یہ حضرت علی ہی کی شان مین نازل ہوئی ہے۔ مگر وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ اگر محققین اس روایت کی جانچ کرینگے اور دیکھینگے کہ فخر الدین رازی نے اس روایت کو حضرت علی کی زبانی بیان کرنے مین حضرت پر تہمت و افترا کی ہے لہذا اس تہمت کو دفع کرنے کے لئے اس روایت کو اجمالی طور پر مفسرین کیطرف بھی نسبت دیدی (چنانچہ ان کی عبارت یہ ہے[۱] الذی جاء بالصدق محمد والذی صدق به هو ابوبکر وهذا القول مروی عن علی ابن ابی طالب علیه السلام و جماعة من المفسرین یعنی سچی بات لانیوالے حضرت محمد اور جس نے آپ کی تصدیق کی وہ حضرت ابوبکر ہین اور یہ قول حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور مفسرین کی ایک جماعت سے مروی ہے) مگر جو شخص ذکی اور سمجھدار ہوگا اور تحقیق کریگا اس پر حقیقت حال مخفی نہین رہ سکتی ہے۔ اور اس روایت کے حضرت ابوبکر کی شان مین وارد نہ ہونے اور اس روایت کے جو اس آیت کا

حضرت علی کی شان مین نازل ہونا بتاتی ہے فخر الدین رازی تک بھی پہونچنے کی دلیل یہ نہین فخر الدین کا وہ قول ہے جو اسی کے بعد لکھا ہے کہ "یہ آیت اس شخص کو شامل ہے جو حضرت رسول صلعم کی تصدیق کرنے مین سب سے آگے تھا اور لوگون کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت کی رسالت کی تصدیق کرنیوالون مین سب سے اول اور افضل یا حضرت ابوبکر تھے یا حضرت علی مگر اس لفظ کو حضرت ابوبکر کی شان مین قرار دینا بہتر اور اولی ہے اسلئے کہ آنحضرت کی بعثت کے وقت حضرت علی کمسن تھے تو آپ کی حیثیت اس چھوٹے بچے کی ایسی تھی جو عموماً گھر وادن مین ہوتا ہے اور معلوم ہے کہ آپ کا حضرت رسول صلعم کی رسالت کی

[۱] تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۶۲

تصدیق کیلئے آمادہ ہونا اور آگے بڑھنا اسلام کی قوت و شوکت بڑھانے مین کوئی فائدہ نہین پہونچا سکتا تھا پس اس آیت کو حضرت ابو بکر ہی کی شان مین سمجھنا بہتر ہے انتہے۔ تو ہم نے جو ابھی دو باتین ذکر کین (اول یہ کہ یہ روایت حضرت ابو بکر کی شان مین نہین نازل ہوئی ہے اور دوسرے یہ کہ فخر الدین رازی صاحب کو بھی معلوم تھا کہ درحقیقت یہ آیت حضرت علی ہی کی شان مین نازل ہوئی ہے) ان کا ثبوت امام صاحب کی اس عبارت سے اسطرح ہوتا ہے کہ اگر واقعا کوئی روایت ایسی ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کی شان مین نازل ہوئی ہے تو مدح کو اسقدر تکلف کرنے اور باتین بناکر اس آیت کو حضرت ابو بکر کی شان سے چسپان کرنے کی ضرورت نہین پڑتی صاف صاف کہدیتے کہ فلان راوی نے فلان صحابی سے روایت کی ہے اور فلان محدثین نے اپنی کتابون مین اس روایت کو لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر ہی کی شان مین نازل ہوئی ہے نہ کہ اگر مگر اور کھینچ تان کرنا پڑتی اور نہ حضرت علی کے ذکر کرنے کی ضرورت ہوتی کیونکہ اگر درحقیقت یہ آیت حضرت علی کی شان مین نازل نہین ہوئی تو آپکا نام کیون لیا اور یہ کیون کہا کہ چونکہ وہ چھوٹے تھے اس وجہ سے مراد نہین ہو سکتے۔ علاوہ برین امام صاحب کے دوسرے تشکیکات کی طرح ان کے اس استدلال کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے اسلئے کہ نبوت کا درجہ اسلام کے مرتبہ سے اعلی و افضل ہے پھر جب بچہ کا نبی ہونا جائز ہے تو اسکا اسلام و ایمان کیون نہین صحیح ہوگا؟ خدا نے حضرت یحیی کے بارے مین فرمایا ہے واتیناہ الحکم صبیا ہم نے ان (یحیی) کو بچپن مین نبوت دی (پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۲) اور حضرت عیسی کے متعلق فرمایا کہ حضرت نے پیدا ہونے کے کچھ ہی دیر بعد فرمایا انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا یعنی مین بیشک خدا کا بندہ ہون مجھکو اس نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھکو نبی بنایا ہے (پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۳۰) اور حضرت یوسف جب بچپن مین کنوین کے اندر ڈالے گئے تو اسوقت آپ کے بذریعہ وحی فرمایا واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون کہ اے یوسف تم گھبراؤ نہین ہم عنقریب تمھین بڑے مرتبہ پر پہونچائین گے تب تم ان کو ان کے اس فعل بد سے متنبہ کروگے جب وہ کچھ نہین خیال کرتے ہونگے (پارہ ۱۲ سورہ یوسف آیت ۱۵) اور حضرت سلیمان کے بارے مین فرمایا ففھمناھا سلیمان وکلا اتیناہ

حکما وعلما یعنی ہم نے سلیمان کو اسکا صحیح فیصلہ سمجھا دیا اور یون تو سب کو ہم ہی نے فہم سلیم اور علم عطا کیا ہے (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۷۹) جب خدا نے حضرت سلیمان کو نبی بنایا ہے آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ پس جب بچون کا نبی ہونا اور ان پر وحی اترنا جایز ہے تو ان کا صاحب ایمان ہونا بدرجہ اولی جائز ہوگا اور ان کے ایمان کی مدح اور قدر بھی عقلا مناسب ہوگی۔ علاوہ برین جس طرح اس شخص کو جو یا ندار والدین کے یہان اور فطرت اسلام پر پیدا ہو یہ نہین کہا جائیگا کہ اس نے ایمان قبول کرلیا کیونکہ وہ تو حالت ایمان مین پیدا ہی ہوا ہے قبول کیا چیز کریگا۔ قبول تو آدمی اس چیز کو کرتا ہے جو پہلے سے اسکے پاس نہین ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کے بارے مین بھی یہ نہین کہا جاسکتا کہ آپ نے ایمان قبول کیا کیونکہ آپ تو ایمان کے ساتھ پیدا ہی ہوئے اور حضرت رسولخداؐ کی گود مین آنکھ ہی کھولی اور ایک سکنڈ کو بھی نہ کفر پر رہے نہ کسی بت کی عبادت کی۔ ہان حضرت ابوبکر نے البتہ بتون کی پرستش اپنی عمر کے چالیس سال سے زیادہ زمانہ تک کی تھی تو آپ کے بارے مین بیشک یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ پہلے سے تو مسلمان نہین تھے بعد کو اسلام قبول کیا۔ اور حضرت علی کے بارے مین یہ البتہ کہہ سکتے ہین کہ آپ نے حضرت رسولخدا صلعم کی بعثت پر آپ کی تصدیق کرکے اپنا ایمان (جس پر آپ بچپن سے تھے) ظاہر فرما دیا۔ اور ہمارے اصحاب اس کو بھی نہین تسلیم کرتے کہ حضرت علی اپنا ایمان ظاہر فرماتے وقت بالکل بچے تھے بلکہ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی اور بعضون نے چودہ سال بھی بیان کی ہے اور حضرت کی عمر کے متعلق یہ دونون روایتین حضرات اہلسنت کے یہان بھی موجود ہین چنانچہ صاحب کتاب شرح الطوالع نے اپنے اصحاب سے اسی کتاب مین اور علامہ عافونی نے اپنی کتاب شرح مصابیح مین ذکر کیا ہے کہ حسن بصری نے روایت کی ہے کہ حضرت علی کی عمر ایمان ظاہر کرتے وقت پندرہ سال کی تھی اور صاحب شرح الطوالع نے چودہ سال کی روایت بھی کی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حد بلوغ سے اسوقت گزر گئے تھے کیونکہ انھون نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ انھون نے کہا احتلمت وانا ابن اثنتی عشرۃ کہ مین جب بارہ سال کا تھا جب ہی مجھے احتلام ہونے لگا تھا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت اسوقت کمسن تھے جب بھی کوئی مضائقہ نہین ہوسکتا کیونکہ تمام محدثین ومورخین

اسلام روایت کرتے آئے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو اسلام کی دعوت دی یعنی اسلام ظاہر کرنے کیلئے کہا اور یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم اُسی شخص کو اسلام کیطرف دعوت دیسکتے تھے جسکا اسلام قبول کرنا یا ظاہر کرنا صحیح ہوتا جیسا کہ خلیفہ مامون الرشید نے بیان کیا تھا جب اس نے (حضرت علی کے کل صحابہ سے افضل ہونے کے متعلق) اپنے ملک کے بڑے بڑے علماء سے مشہور مناظرہ کیا تھا اور اسکو بھی تمام مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے معویہ کو ایک تحریر بھیجی جس میں یہ شعر بھی لکھا تھا سبقتکم الی الاسلام طرا۔ غلاما ما بلغت اوان حلمی۔ یعنی میں اسلام کیطرف تم سب لوگوں سے پہلے بڑھا جب میں لڑکا تھا اور حد بلوغ کو نہیں پہونچا تھا۔ تو باوجودیکہ معویہ کو حضرت سے جو عداوت اور مخالفت تھی وہ بھی معلوم ہے مگر اس نے بھی حضرت کے کمسنی کے ایمان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پھر فخر الدین رازی اس پر کیا زیادتی کرسکتے ہیں درصورتیکہ آپ بھی اسی کی جماعت سے ہیں۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اسلام کا مرجع حضرت رسولخدا صلعم کی نبوت و رسالت کی تصدیق اور ہر اس چیز پر یقین کرنے کیطرف ہے جس کو حضرت خدا کی جانب سے لائے تھے اور یہ بات عقل کی تکلیفوں سے ہے (یعنی ان باتوں کا یقین کرنا عقل ہی کا کام اور فریضہ ہے) اور معلوم ہے کہ عقلی باتوں کی تکلیف انسان کی عقل کے کامل ہونے پر موقوف ہے خواہ انسان پانچ برس کا ہو خواہ پچاس سال کا اور یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؑ نے جس وقت اسلام و ایمان کا اعلان فرمایا تھا آپ کی عقل پوری طرح کامل ہو چکی تھی۔ رہا بالغ ہونا تو یہ شرع کے اُن احکام کی شرط ہے جو فروع دین اور اعمال و عبادات سے متعلق ہیں۔ ایمان اور اسلام کیلئے کہیں یہ شرط نہیں کیگئی ہے کہ وہ شخص بالغ ہو چکا ہو تب اسکو قبول یا ظاہر کرے۔ اور اگر ہم اسلام کے وقت حضرت علی کو بچہ فرض کرلیں جب بھی آپکا ایمان و اسلام صحیح تھا اور یہ بات آپکے دیگر بکثرت خصائص سے ہے جس طرح حضرات حالت شیر خوارگی میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جسکی طرف پہلے بھی علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری سے اشارہ ہو چکا ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت امیر المومنین کی فطرت میں خدا نے وہ نور ودیعت فرما دیا تھا جس کی وجہ سے آپ میں معرفت و یقین اور اسباب ایمان کے وہ خصوصیات جمع ہو گئے تھے جو دوسروں میں پختہ عمر کے بعد بھی نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا حضرت کی اسی مخصوص فطری فضیلت نے

آپ میں معمولی لڑکوں کی عمر سے پہلے شرعی بلوغ کی صفت پیدا کردی اور یہ کوئی
عجب خیز بات نہیں ہے کیونکہ حضرت کی ذات تو مظہر العجائب و منبع الغرائب تھی ہی۔

قول علامہ علیہ الرحمہ انہیں کلام مجید کی یہ آیت ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین
(یعنی اے رسول وہی تو وہ خدا ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین
سے تمہاری تائید کی پارہ ۱۰ سورۂ ہود آیت ۶۲) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت
رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے مکتوب علی العرش لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد عبدی
و رسولی ایدتہ بعلی بن ابی طالب عرش پر لکھا ہوا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ
یکہ و تنہا ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہے محمد مصطفے میرے بندے اور رسول ہیں انکی تائید
میں نے علی ابن ابی طالب سے کی ہے۔[1]

قول ابطال بیشک یہ روایت اہلسنت کی کتابوں میں موجود ہے اور ان کے
محدثین اسکو بیان کرتے ہیں اور اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت علی
افضل مومنین اور انکے خلفاء اور آئمہ سے ہیں اور جب حضرت رسولخدا صلعم کی
تائید مومنین تک سے کیگئی تو پھر حضرت علی سے آپکی تائید بدرجہ اولی کیگئی تھی لیکن یہ
آیت حضرت علی کی خلافت پر نص تو نہیں ہے جیساکہ آپکا دعوی ہے۔

قول احقاق فاضل مخاطب نے اس مقام پر جس قسم کا مغالطہ دینا چاہا ہے وہ سمجھدار
لوگوں سے مخفی نہیں رہ سکتا کیونکہ جناب علامہ علیہ الرحمہ کا کلام صرف یہ
نہیں ہے کہ خدا نے حضرت علی سے حضرت رسولخدا صلعم کی تائید کی ہے تاکہ دوسرے
مومنین کی تائید کی وجہ سے حضرت علی کی تائید کا وزن جاتا رہے اور پھر حضرت کیلئے
کوئی مخصوص فضیلت نہ ثابت ہو بلکہ جناب علامہ کا اصل دعوی یہ ہے کہ خداوند عالم نے اس
جملہ کو اپنے عرش اعظم پر ازل الآزال میں تحریر فرماکر حضرت علی کی بے مثل فضیلت
پر مہر کردی ہے کہ آپ کا درجہ اسقدر رفیع ہے کہ عرش پر خدا اور رسول کے نام کے
ساتھ آپ کا ذکر خیر بھی اس عنوان سے کردیا گیا ہے کہ خدا نے آپ ہی سے حضرت
رسولخدا صلعم کی تائید کی ہے اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے
بعد حضرت علی ہی سب سے افضل تھے اور یہی جناب علامہ علیہ الرحمہ کا دعوی ہے
جیساکہ بار بار پہلے ذکر ہوچکا۔ علاوہ بریں فاضل مخاطب نے یہ جو اقرار کیا کہ "پھر حضرت

[1] ابن عساکر نے بھی ابو ہریرہ سے یہ روایت کی ہے دیکھو تفسیر در منثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔ اور یہی روایت ابن عدی و ابن عساکر نے انس سے بھی کی ہے اور کتاب زین الفتی میں بھی مذکور ہے ۱۲

علی سے آپ کی تائید بدرجہ اولےٰ کی گئی تھی"، تو یہ بھی ہمارے مقصود کے ثابت کرنے میں کافی ہے کیونکہ جب کل مسلمانوں کی تائید کے مقابلہ میں حضرت علی کی تائید اولےٰ (افضل) کہی گئی تو ثابت ہو گیا کہ حضرت علی کی تائید بہترین تائید تھی اور آپنے جیسی خدمت یا لتصدیق حضرت رسولخدا صلعم کی ویسی کسی نے نہیں کی اور یہی شروع سے شیعوں کا دعویٰ ہے جسکو حضرات اہلسنت ماننے میں تامل کرتے ہیں۔

قول علامہ علیہ الرحمہ اکیسویں کلام مجید کی یہ آیت یاایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین (اے رسول تم کو بس خدا اور مومنین سے جو شخص تمھارا تابع فرمان ہے کافی ہیں۔ پارہ ۱۰ سورہ ہود آیت ۱۴) جمہور نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابطال ظاہر آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ تمام مومنین کی شان میں نازل ہوئی اور اگر اس کا حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہونا صحیح مان لیا جائے جب بھی یہ بات صرف حضرت علی کے فضایل سے ثابت ہو گی مگر حضرت کی خلافت پر نص نہیں ہو سکتی ہے۔

قول احقاق آیت مذکورہ کا وہ مطلب نہیں ہو سکتا جو فاضل مخاطب نے لکھا ہے کیونکہ اگر اس آیت کا تمام مومنین کی شان میں نازل ہونا مراد ہوتا تو خدا یوں فرماتا حسبک اللہ والمومنون (خدا اور مومنین تمکو کافی ہیں) لیکن بجائے اسکے من اتبعک من المومنین (مومنین سے وہ جو تمھارے تابع فرمان ہے) کی قید لگا دی گئی تو معلوم ہوا کہ اس سے خاص شخص مراد ہے جس نے حضرت کی کامل درجہ فرمانبرداری کی۔ رہا اس حدیث کا صحیح ہونا تو اسکا طریق اہلسنت سے ثابت ہونا اور انکی کتابوں میں مروی ہونا ہی اسکی صحت کیلئے کافی ہے کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح نہیں ہوتی تو حضرات اہلسنت کی معتبر و معتمد علیہ کتب حدیث میں نہیں ہوتی حالانکہ انکے کتابوں میں کثرت سے موجود ہے۔ اور اس روایت کو صاحب کشف الغمہ نے بھی عزالدین عبدالرزاق المحدث الحنبلی کی کتاب سے نقل کیا ہے[۵]۔ رہا اس آیت سے حضرت علی کی افضلیت اور خلافت بلافصل کا ثابت ہونا تو اس طرح

[۵] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ طہران صفحہ ۹۲

کہ چونکہ خداوند عالم نے حضرت رسولخدا صلعم سے کفار کے شر و فساد روکنے کو دو ہی صورتوں میں حصر کیا ایک اپنی حمایت اور دوسرے علی کی نصرت و جانفشانی۔ اور اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم کی حقیقی فرماں برداری کو بھی حضرت علی ہی میں حصر کر دیا لہٰذا اس مقصلے روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت علی کل مومنین سے افضل تھے تو آپ ہی انکے خلیفہ اور امیر المومنین بھی ہوئے۔

قول علامہ علیہ الرحمہ

بائیسویں کلام مجید کی یہ آیت فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ (یعنی عنقریب خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کر دیگا جنہیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسکو دوست رکھتے ہونگے۔ پارہ ۶ سورہ مائدہ آیہ ۵) ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابطال

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت یمن والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولخدا صلعم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کون قوم ہے تو حضرت نے اپنا دست مبارک جناب سلمان فارسی کی پشت پر مار کر فرمایا کہ وہ یہی اور انکی قوم ہے مگر آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اُسوقت تک ایمان نہیں لائی تھی کیونکہ خدا نے سوف یاتی (عنقریب ظاہر کریگا) فرمایا ہے اور حضرت علی تو ابتدا ہی سے مسلمان تھے اور آپکو تو خدا نے شروع ہی سے ظاہر کر دیا تھا تو آپ اس سے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جب بھی یہ آپکے فضائل میں ہے جس سے کسی کو انکار نہیں مگر آپکی خلافت پر نص نہیں ہے جو علامہ کا دعوی ہے۔

قول احقاق

وہ مفسرین جنھوں نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت یمن والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے مثل امام فخر الدین رازی و قاضی بیضاوی کے انھوں نے اپنے دعوے کی دلیل یہ روایت بیان کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولخدا صلعم نے ابو موسی اشعری کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ لوگ اسی شخص کی قوم ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس کی تحقیق میں بحث ہے کیونکہ اگر اہل یمن سے مراد وہ لوگ ہوں جو یمن کے شہروں میں رہتے تھے اگرچہ وہ قبیلہ اشعریہ سے نہ ہوں مثل طائفہ ہمدان کے

تو ان لوگوں نے کوئی جنگ ہی نہیں کی سوا حضرت علی کی جنگوں کے کہ انہیں وہ حضرت
کے ساتھ تھے جیسا کہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے۔ اور اگر
مراد اشعریہ ہی ہوں جیسا کہ سیاق روایت کا مقتضے ہے تو اُن لوگوں نے بھی
حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مرتدین کی لڑائیوں میں شرکت نہیں کی تھی۔ ہاں یہ صورت
ہو سکتی ہے کہ اس سے اشعریوں کے بعض اشخاص کی جنگ مراد لی جائے (ان کل کی)
جیسے ابوموسیٰ اشعری کہ جب حضرت علی صفین میں قاسطین مرتدین سے جنگ کر رہے
تھے تو وہ ظاہرا حضرت علی ہی کی طرف سے لڑتے تھے تو اس صورت میں بھی اسکا
نتیجہ وہی ہوگا جو اُس روایت کا ہے جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی
شان میں نازل ہوئی ہے۔ غرض اس صورت میں بھی آیت کا حضرت علی ہی کی شان
میں نازل ہونا ثابت ہوگا کیونکہ ابوموسیٰ اشعری حضرت علی ہی کیطرف تھے۔ لیکن جن
مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اس آیت سے
مراد جناب سلمان فارسی اور انکے لوگ ہیں جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں ہے تو اسمیں یہ
بات ہے کہ "لوگ" سے متبادر (فوراً ذہن میں آجانے والا مطلب) اصحاب
سلمان یعنی مولانا امیر المومنین حضرت علی اور بقیہ اہلبیت ہی ہیں کیونکہ جب حضرت صلعم
نے فرمادیا تھا کہ سلمان منا اہل البیت (سلمان ہم اہلبیت ہی سے ہیں) تو سلمان
انھیں اہلبیت سے ہوئے اور انکے لوگ اور قوم و قبیلہ بھی یہی اہلبیت قرار پائے
اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ جناب سلمان نے اہل الردہ سے کسی جنگ میں شرکت
نہیں کی تھی اور اگر انکے لوگ سے مراد فارس والے لئے جائیں تو ان لوگوں سے
بھی زمانہ حضرت ابوبکر میں اہل ردہ کے ساتھ کوئی جنگ نہیں معلوم ہوتی لامحالہ
اس روایت کو اسی مطلب پر حمل کرنا ہوگا جسکو ہم نے بیان کیا ہے (کہ جناب سلمان کے
لوگ سے مراد حضرات اہلبیت علیہم السلام ہی ہیں) ورنہ اس روایت سے حضرت
رسولخدا صلعم کا کذب ثابت ہو جائیگا جسکو کوئی مسلمان گوارا نہیں کر سکتا۔ لہذا اس
صورت میں بھی آیت کا وہی نتیجہ ہوگا جو ثعلبی کی روایت اور شیعوں کی اس تفسیر
کا ہوگا کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت ہی نے
ناکثین۔ قاسطین اور مارقین سے بصرہ۔ صفین اور نہروان میں جنگ کی تھی۔ اور

ہمارے اس بیان پر کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ جس زمانہ میں حضرت علی نے یہ تینوں جہاد کئے ہیں اُسوقت تک حضرت سلمان زندہ ہی نہ تھے اور وہ حضرت علی کی طرف سے کسی جنگ میں لڑے ہی نہیں پھر اس آیت سے حضرت علی کا ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جہاد کرنا کیونکر مراد ہوسکتا ہے۔ یہ اعتراض اسوجہ سے نہیں ہوسکتا کہ کسی فعل کو کسی جماعت کی طرف نسبت دینے کیلئے اسقدر کافی ہے کہ وہ فعل اس جماعت کے اکثر لوگوں سے صادر ہوا ہو خصوصاً اس صورت میں کہ روایت کیگئی ہے کہ جناب سلمان مداین میں رہتے تھے اور وہاں انھوں نے قبیلہ بنی کندہ میں شادی کی تھی جن سے انکے کئی اولاد ہوئی جو کبھی لڑائیوں میں حضرت امیر المومنین کے ساتھ رہے تو چونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے اسکو ملاحظہ فرمالیا تھا کہ اولاد کے اچھے کام والدین کی پاکیزہ طینت کی وجہ سے ہوتے ہیں لہذا جناب سلمان کی اولاد کے ان جہادوں کو (جو انھوں نے حضرت علی کی طرف ہوکر کیا تھا) جناب سلمان ہی کی طرف منسوب کردیا۔ پس اب کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا کہ اگر اس آیت کا جناب سلمان ہی کی شان میں نازل ہونا فرض کیا جائے جب بھی اس سے مراد حضرت علی ہی ہیں کیونکہ حضرت ہی کے پیرو لوگ ہیں جناب سلمان اور آپکی اولاد تھے جنھوں نے آپکی طرف سے جہاد کیا تھا۔ شیخ موحد محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ چونکہ حضرت رسولخدا صلعم خدا کے ایسے خالص بندے تھے جنکو اور جنکے اہلبیت کو خدا نے پاک و پاکیزہ کر رکھا تھا اور ان سے ہر عیب و برائی و مذمت کو دور رکھا تھا کیونکہ رجس کا معنے عرب میں برائی اور گندگی ہی ہے جیسا کہ امام فن عربیۃ فرار نے بیان کیا ہے لہذا خدا نے فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ یعنی اے اہلبیت خدا نے تو بس یہ طے کر رکھا ہے کہ تم سے ہر برائی اور گندگی کو دور رکھے اور تمکو ایسا پاک کرے جو پاک و پاکیزہ کرنے کا حق ہے۔ تو ان حضرات کی طرف نسبت بھی اسی شخص کو دیجائیگی جو پاک ہوگا اور ضروری ہے کہ وہ بھی ایسا ہی ہو کیونکہ انکی طرف وہی منسوب ہوگا جو انکے مشابہ ہو۔ لہذا یہ حضرات خود بھی کسی کو اسی وقت اپنی طرف منسوب کرینگے جب اسکے لئے طہارۃ اور تقدس کا حکم ثابت ہوگا۔ پس حضرت رسولخدا صلعم کا وہ قول بھی جناب سلمان فارسی کی طہارۃ اور حفظ الٰہی اور گویا عصمت کی شہادت ہے جو ان کے

بارے میں حضرت نے فرمایا سلمان منا اھل البیت (کہ سلمان ہم ہی اہلبیت سے ہیں) اور حضرات اہلبیت کی یہ شان ہے کہ خدا نے ان کی پاکیزہ کرنے اور ہر برائی و عیب کو ان سے دور رکھنے کی شہادت دی ہے اور جب ان اہلبیت کیطرف سوا پاکیزہ اور مقدس شخص کے کوئی منسوب بھی نہیں ہوسکتا اور ان حضرات کیطرف کسی کے صرف منسوب ہی ہوجانے سے اسکو عنایت الٰہی حاصل ہوجاتی ہے تو پھر خود ان اہلبیت کی طہارت و تقدس کی کیا حد بیان ہوسکتی ہے اور ان حضرات کی پاکیزگی اور عصمت کو کوئی کیونکر سمجھ سکتا ہے؟ کہ یہ تو ہر طرح پاک و پاکیزہ بلکہ عین طہارت اور مجسم پاکیزگی تھے۔ پھر یہی شیخ محی الدین ابن العربی کہتے ہیں کہ حضرات اہلبیت تو نص (قول خدا) سے پاک و پاکیزہ ثابت ہوچکے ہیں پھر جناب سلمان بھی انھیں سے ہیں۔ جسمیں کوئی شک نہیں ہوسکتا اور مجھے امید ہے کہ حضرت علی اور جناب سلمان کی اولاد بھی) اس عنایت الٰہی کے قریب ہونگے جسطرح یہ عنایت الٰہی حضرت علی کے معصوم صاحبزادوں امام حسنؑ و امام حسینؑ اور انکی اولاد اور انکے شیعوں تک پہونچی کیونکہ خدا کی رحمت وسیع ہے۔ پھر تم ان حضرات معصومین کے بارے میں کیا خیال کرسکتے ہو جو ہر گناہ اور برائی سے محفوظ ہیں اور اپنی حدود پر قائم ہیں اور اسکے مراسم پر ٹھہرے ہوئے ہیں ان حضرات کا شرف تو کہیں اعلےٰ و اکمل ہوگا اور اس بلند درجہ تقرب خدا کے قطب یہی حضرات ہیں اور انھیں قطبوں سے جناب سلمان فارسی نے بھی اہلبیت کی منزلت کا شرف پایا اور اسی وجہ سے آپ حقوق خدا بر عباد و حقوق عباد بر خدا کے سب سے بہتر جاننے والوں اور ان حقوق کو کمال مستعدی و انہماک و پابندی سے ادا کرنے والوں میں ہوئے چنانچہ انھیں کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ لوکان الایمان بالثریا لناله رجال من فارس یعنی اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو اسکو فارس کے کچھ لوگ حاصل کرکے رہیں گے اور یہ حدیث ارشاد فرماتے وقت حضرت نے جناب سلمان فارسی ہی کی طرف اشارہ کیا تھا۔" فتوحات مکیہ کی عبارت تمام ہوگئی۔

اس آیت کی تفسیر میں جو روایتیں حضرات اہلسنت نے ذکر کی ہیں انکے لطائف سے یہ بھی ہے کہ فخر الدین رازی و بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت نے ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ھم قوم ھذا یعنی وہ لوگ اس شخص کی

قوم ہیں۔ تو حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ "یہ شخص اور اسکی قوم ہے" بلکہ صرف انکی قوم کو فرمایا
اور اسطرح ابو موسیٰ کو ان لوگوں سے علیحدہ اور خارج کر دیا۔ اور اس آیت کے شرف
میں ان کو داخل نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ حضرت کو معلوم تھا کہ ابو موسیٰ کا آخر وقت
میں برا انجام ہو جائیگا۔ اور وہ حضرت علی سے منہ پھیر لینگے (جیسا کہ جنگ صفین کے
بعد قصہ تحکیم میں انھیں ابو موسیٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ نہ حضرت علی خلیفہ رہیں نہ معویہ ہو
بلکہ تیسرا شخص مقرر کیا جائے) رہی انکی قوم یعنی یمن والے تو انکے بزرگوں کی ایک جماعت
اور انکے اشراف و معززین جنکا ایک ایک شخص دوسرے قبیلہ کے ہزار ہزار شخص
کے برابر تھا سب کے سب حضرت علی ہی کے شیعہ تھے اور انھیں سے قبیلہ ہمدان
بھی تھا اور انھیں سے اویس قرنی بھی تھے جنھوں نے جنگ صفین میں حضرت
علی کے لشکر میں شہادت پائی اور جن روایتوں میں یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس
آیت کے نازل ہونے پر فرمایا کہ وہ سلمان اور انکے لوگ ہیں تو حضرت نے جناب
سلمان کی قوم کو اس حکم میں انکا تابع قرار دیا اور انکی قوم کو لفظ ذوو (لوگ) سے
تعبیر فرمایا جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو لوگ معرفت ولایت اور
احکام خدا کی پیروی میں جناب سلمان کے تابع ہونگے وہی جناب سلمان کے لوگ
اور انکی قوم اور اس حکم میں داخل سمجھے جاینگے اور جو ایسے نہیں ہونگے وہ نہیں سمجھے
جاینگے۔ اس مضمون کو اچھی طرح سمجھنا چاہئیے۔

امام فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس مضمون کو نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت
علی کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن چونکہ اسکو نقل کرنے کے بعد وہ شیعوں پر
خوب جھنجھلائے اور اگرچہ ہیں اور اپنے تعصب سے اس مضمون پر بکثرت شکوک و شبہات
کے حملے کئے ہیں لہذا ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکے کلام کو ذکر کر دیں اور پھر
اس کلام میں جو غلطیاں ہیں انکو بھی واضح کر دیں تاکہ ناظرین شکوک و اوہام کی جال
میں پھنسنے نہ پائیں۔ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں "ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ
یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اسکی دلیل دو وجہیں ذکر کی ہیں
پہلی یہ کہ جب جنگ خیبر میں حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو علم مرحمت فرمایا
تو اس سے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ لادفعن الرایۃ الی رجل یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ

ورسولہ یعنی اب میں اس عَلَم کو اُسے دونگا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور
خدا اور رسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں اور آیت زیر بحث میں بھی یہی الفاظ ہیں
کہ خدا ایسی قوم کو ظاہر کر دیگا جو خدا کو دوست رکھتے ہیں اور خدا بھی ان کو دوست
رکھتا ہے لہذا قرآن کی تفسیر حدیث سے بہتر کیا چیز کر سکتی ہے؟ دوسری وجہ
یہ کہ خداوند عالم نے اسکے بعد فوراً ہی جو آیت ذکر کی ہے وہ مشہور آیت ولایت
یعنی انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون
الزکوۃ وھم راکعون (اے ایماندارو تمھارے سرپرست تو بس یہی ہیں خدا اور
اسکا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز کو قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوۃ
دیتے ہیں) ہے اور یہ مسلم ہے کہ یہ آیت حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی
ہے لہذا اسکے قبل والی آیت (فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ) کو بھی
حضرت علی ہی کی شان میں تسلیم کرنا بہتر ہے۔ اس آیت کے حضرت علی کی شان
میں نازل ہونے کی جو دلیلیں دی گئی ہیں انکا خلاصہ اقوال یہی ہے مگر ہمیں
(فخر الدین رازی کے اس کلام اور اس آیت کے متعلق کئی امور ذکر کرنا ہیں اول
یہ کہ شیعوں کا مذہب باطل کرنے کے لئے یہی آیت بہترین دلیل ہے جسکی
توضیح یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ اور امام مانا
وہ سب کافر ہو کر مرتد ہو گئے اسلئے کہ انھوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کی
امامت و خلافت پر جو نص جلی تھی اس سے انکار کر دیا اور اسکو چھوڑ کر اپنے نفس کی
پیروی میں حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنا لیا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر واقعاً ایسا ہی ہوتا جیسا
شیعہ کہتے ہیں تو یقیناً خدا ایسی قوم کو لاتا جو ان (حضرت ابو بکر کو خلیفہ ماننے والی)
مسلمانوں سے لڑتی اور انکو زیر کرتی اور انھیں دین حق کی طرف پلٹا لاتی کیونکہ خود
خدا نے اسکا وعدہ فرما دیا ہے کہ من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم
یحبھم تا آخر آیہ یعنی تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہوگا تو (کچھ پروا نہیں ہے)
خدا بہت جلد ایسی قوم کو لا دیگا جسکو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی اسکو
دوست رکھتے ہیں۔ اور اس آیت میں لفظ "مَن" (جو شخص) شرط کی صورت میں
عموم کیلئے ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص بھی دین اسلام سے مرتد ہو جائیگا

اسکے زیر کرنے کے لئے خدا ایسی قوم کو ضرور لائیگا جو اُسے مغلوب کرے اور اسکی شوکت واقتدار کو باطل کر دے۔ پس جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ مقرر کیا تھا اگر وہ دین اسلام سے مرتد ہوگئے ہوتے تو اس آیہ کے حکم کے مطابق خدا پر واجب تھا کہ ایسی قوم کو لائے جو ان کو زیر کرے اور انکے مذہب کو باطل کر دے مگر واقع میں ایسا نہیں ہوا بلکہ اسکے خلاف ہی ہوا کیونکہ ہمیشہ یعنی جب سے ہمیں رافضیوں کے باطل عقائد اور انکے فاسد مذہب کا علم ہوا یہی جانتے ہیں کہ برابر رافضی لوگ ہی زیر کئے گئے اور اپنے باطل عقیدوں کے ظاہر کرنے سے برابر روکے جاتے رہے اور جو شخص انصاف سے کام لے اُس کے لئے یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ دوسرا امر یہ کہ ہمارا دعوی ہے کہ واجب ہے اس آیت کو حضرت ابو بکر کے حق میں نازل ہونا تسلیم کیا جائے جسکی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ یہ آیت مرتد لوگوں سے جہاد وقتال کرنے کے متعلق مخصوص ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے شرح وبسط سے ذکر کیا ہے حضرت ابو بکر ہی وہ بزرگ ہیں جو اسلام سے پھر جانے والوں (مرتدین) سے جہاد پر آمادہ ہوئے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے مراد خود حضرت رسولخدا صلعم ہوں کیونکہ حضرت کو تو اپنی عمر میں کبھی بھی مرتد لوگوں سے جہاد کا اتفاق نہیں ہوا اور یہ بات بھی ہے کہ خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے فسوف یاتی اللہ بقوم (خدا جلد ایسی قوم کو لائیگا) جسمیں لفظ سوف استقبال (آنے والے زمانہ) کیلئے ہے نہ کہ حال (موجودہ زمانہ) کیلئے۔ تو واجب ہے کہ جس وقت یہ آیت اتری اور یہ خطاب نازل ہوا اسوقت وہ قوم موجود نہ ہو کیونکہ اگر وہ قوم اسوقت موجود ہوگی تو خدا کا قول غلط ہو جائیگا جو فرماتا ہے عنقریب ایسی قوم لائیگا۔ یہاں اگر کوئی کہے کہ اس سے حضرات اہلسنت ہی کا دعوی غلط ہوا جاتا ہے کیونکہ حضرت ابو بکر اس آیت کے اُترتے وقت موجود تھے اور انکو زمانہ استقبال سے تعلق نہیں تھا تو اسکے جواب میں ہم دو باتیں کہیں گے ایک یہ کہ وہ مرتد لوگ جن سے حضرت ابو بکر نے جہاد کیا آیت کے اُترتے وقت موجود نہیں تھے لہذا انکو زمانہ حال میں موجود نہیں کہہ سکتے دوسری یہ کہ آیہ کا معنے یہ ہے کہ خدا جلد ایک ایسی قوم کو لائیگا جو مرتدین سے لڑنے پر قدرت رکھتی ہوگی اور اسکا موقع اسکو ملیگا۔ اور حضرت ابو بکر اگرچہ آیت اُترتے وقت موجود تو تھے مگر اُسوقت مرتدین سے جہاد وقتال کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور نہ امر ونہی کرنے کا انکو حق تھا لہذا اعتراض مذکور زائل ہوگیا۔ غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس آیت سے حضرت رسولخدا صلعم کسی طرح مراد نہیں ہو سکتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہرگز مراد

نہیں ہو سکتی کیونکہ قوم مرتدین (اسلام سے پھر جانے والوں) سے جہاد کا اتفاق ہی نہیں ہوا یہاں اگر کوئی (شیعہ) یہ اعتراض کرے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علی کو مرتدین سے جہاد کا اتفاق نہیں ہوا، اسلئے کہ آپکی امامت میں جن لوگوں نے آپ سے مخالفت کی اور حضرت نے ان لوگوں سے جنگ کی وہ بھی مرتد ہی تھے۔ تو ہم کہیں گے یہ اعتراض دو وجہوں سے باطل ہے ایک یہ کہ لفظ "مرتد" صرف اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اسلامی شریعتوں کا تارک ہو اور اسلام کی کسی بات کو نہ مانے اور وہ قوم جس نے حضرت علی سے مخالفت اور نزاع کی وہ بظاہر شرائع اسلام کی تارک نہیں تھی اور کوئی شخص یہ نہیں کہتا تھا کہ حضرت علی نے ان لوگوں سے اسوجہ سے جنگ کی کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے اور حضرت علیؑ نے بھی اُن لوگوں کو کسی موقع پر مرتدین کے نام سے یاد نہیں فرمایا پس ایسا اعتراض جو روافض کرتے ہیں وہ درحقیقت کل مسلمانوں بلکہ حضرت علیؑ پر بھی افترار و بہتان کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ جن لوگوں نے مسئلہ امامت میں حضرت علیؑ سے مخالفت اور نزاع کی اگر اسی وجہ سے وہ سب مرتد ہو گئے تو لازم آئیگا کہ حضرت ابو بکر اور اُس زمانہ کے جو مسلمان انکو اپنا امام مانتے تھے ان کو بھی مرتد کہا جائے۔ اور اگر ایسا ہو تو بظاہر آیت کے مطابق خدا پر واجب تھا کہ وہ ان لوگوں سے جہاد کرنے کے لئے بھی ایک قوم کو لاتا جو ان پر قہر و غلبہ حاصل کرتی اور ان سب کو پھر دین اسلام کی طرف پھیرتی اور چونکہ یہ واضح ہے کہ ایسا نہیں ہوا یعنی حضرت ابو بکر پر قہر و غلبہ کرکے انھیں حضرت علی کی امامت کا قائل کرنے کیلئے کوئی قوم نہیں آئی لہذا ہمیں یقین ہو گیا کہ مسئلہ امامت میں حضرت علی سے مخالفت اور نزاع کرنا ارتداد کا سبب نہیں تھا اور آپ سے جن لوگوں نے جنگ کی وہ مرتد نہیں تھے اور جب وہ مرتد نہیں تھے تو اس آیت کو حضرت علی کی شان میں بھی نہیں مانا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں تو ان لوگوں کی مدح ہے جو مرتد لوگوں سے جہاد کرنے والے تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ یمن والوں یا فارس والوں کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ان لوگوں کو بھی مرتدین سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا اور اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ یمن والوں یا فارس والوں کو مرتدین سے لڑنے کا موقع ملا جب بھی چونکہ وہ رعایا تابع اور پیرو تھے لہذا اس لڑائی میں انکے سردار اور مقتدا و پیشوا بھی حضرت ابو بکر ہی ہونگے اور معلوم ہے کہ اس عبارت میں جو بزرگ اصل اور سردار اور پیشوا و مقتدا ہو اس کی شان میں اس آیت کا ماننا بہتر اور اولیٰ ہے اس سے کہ یہ آیت رعایا، تابع اور پیرو لوگوں کی شان میں مانی جائے۔ پس ہم نے جو واضح دلیل ذکر کی اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ آیت خاص حضرت

ابو بکر ہی کی شان میں ہے۔ یہ تو پہلی دلیل تھی۔ دوسری دلیل اس امر کی کہ یہ آیت خاص حضرت ابو بکر ہی کی شان میں نازل ہوئی یہ ہے کہ اچھا ہم فرض کر لیتے ہیں کہ حضرت علی نے مرتدین سے جہاد اور جنگ کی تھی لیکن حضرت ابو بکر نے جو مرتدین سے اپنے زمانہ میں جنگ کی اسلام میں اسکی حالت اعلیٰ اور اسکا موقع اکثر و بہتر تھا اُس جنگ سے جو حضرت علی نے ان لوگوں سے کی جنھوں نے حضرت سے مسئلہ امامت و خلافت میں مخالفت کی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ تواتر سے معلوم ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم نے دنیا سے انتقال فرمایا تو عربوں میں ایک سخت اضطراب پیدا ہوا اور وہ سب سرکشی پر آمادہ ہوگئے اور حضرت ابو بکر ہی وہ بزرگ تھے جو اُن کو زیر کرنے پر آمادہ ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب اور طلیحہ بن خویلد کا فتنہ بھی فرو کر سکے اور وہی تھے جو مرتدین کے ساتوں گروہوں سے لڑے اور وہی تھے جو اُن مسلمانوں سے بھی لڑے جنھوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پس جب وہ ان کارہائے نمایاں میں کامیاب ہوگئے تو اسلام کا پاؤں جم گیا اور اسکی شوکت عظیم الشان ہوگئی اور اسکی دولت بڑھ گئی برخلاف حضرت علی کے کہ آپکو وہ زمانہ ملا جب اسلام پہلے ہی سے مشرق و مغرب میں دور دور تک پھیل چکا تھا اور دنیا کے بادشاہ مسلمانوں سے زیر ہو چکے تھے اور اسلام دوسرے دینوں اور مذہبوں پر غالب آچکا تھا پس ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر کا جہاد اپنی تاثیر اور حمایت و تقویت اسلام میں حضرت علی کے جہاد سے بڑھا ہوا تھا۔ اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ اس آیت سے خدا کا مقصود اس قوم کی مدح و ثنا اور تعظیم و تکریم کرنا ہے جو دین کے قوی اور اسلام کی نصرۃ کرنے میں کوشش کرتے ہیں پس جب حضرت ابو بکر ہی اس غرض خداوند عالم میں زیادہ جاں فشانی کرتے رہے تو واجب ہے کہ اس آیت سے مراد بھی آپ ہی ہوں۔

تیسرا امر اس آیت میں یہ ہے کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسی آیت سے حضرت ابو بکر کی خلافت اور امامت کی صحت و حقیت بھی ثابت ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہم نے جو وجہیں ذکر کی ہیں اُن سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ آیت خاص ابو بکر ہی کی شان میں نازل ہوئی اور وہی اسکے مصداق بھی ہیں نہ کوئی اور۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے جن لوگوں کو اس آیت سے مراد لیا ہے انکی چند صفتیں اسمیں ذکر کی ہیں پہلی صفت یہ کہ خدا اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہیں اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت ابو بکر ہیں تو خود ہی یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ خدا کا یہ قول "اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہیں" حضرت ابو بکر ہی کی صفت ہے اور خدا جس شخص کی صفت یہ بیان کرے ہماں سے کو وہ

ظالم ہو اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ حضرت اپنی خلافت وامامت میں حق پر تھے۔ دوسری صفت یہ کہ وہ لوگ مومنین کے لئے نرم اور کافرین کے لئے سخت ہیں۔ اور یہ بھی حضرت ابوبکر کی صفت ہے بسبب اسی دلیل کے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اسکی تاکید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو خبر مستفیض میں وارد ہوئی ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا ارحم امتی بامتی ابی بکر کہ ہماری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہماری امت سے ابوبکر ہیں۔ تو آپ مومنین پر رحم اور شفقت کرنے اور کافروں پر سختی کرنے سے موصوف ہوئے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابتدائے امر میں جب حضرت رسولخدا صلعم مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور آپ بہت ہی ضعیف و بے بس ہو رہے تھے اسوقت حضرت ابوبکر آپکی کس کس طرح حمایت فرماتے آپ سے کفار کو کیونکر دفع کرتے اور کس قدر حضرت کی صحبت میں رہتے اور آپکی خدمت کرتے اور کفار مکہ کے سرکشوں اور شیطانوں سے کسی کی بھی تو پروا نہیں کرتے تھے اور آخر وقت یعنی اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی آپ ذرہ برابر کسی کے قول کی طرف ملتفت نہیں ہوئے اور جن لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا ان سے جنگ کرنے ہی پر اصرار کرتے رہے آخر کار نوبت یہاں تک پہونچی کہ آپ تن تنہا اس قوم سے لڑنے کے لئے نکل پڑے جس پر اکابر صحابہ آپکے پاس دوڑے آئے اور الحاح وزاری سے اور خوشامد کے ساتھ آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا لہذا آپ نے ایک لشکر ان لوگوں کی طرف روانہ کیا جسنے جاکر انھیں شکست دی اور خدا نے اس فتح کو دولت اسلام کا سبب قرار دیا لہذا خدا کا یہ قول اذلۃ علے المومنین واعزۃ علے الکافرین۔ حضرت ابوبکر کے سوا کسی پر چسپاں ہو ہی نہیں ہوسکتا۔ تیسری صفت یہ کہ خدا فرماتا ہے یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم وہ لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرینگے۔ تو یہ صفت حضرت ابوبکر میں بھی تھی اور حضرت علی میں بھی مگر اس میں بھی حضرت ابوبکر کا حصہ زیادہ ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کا جہاد کفار کے ساتھ ابتدائے نشوونمائے اسلام میں بمقام مکہ معظمہ ہوا جب کہ اسلام نہایت ضعف و اضمحلال میں تھا پس حضرت ابوبکر کافروں سے اپنی قدرت کے مطابق جہاد کرتے اور اپنے امکان بھر کافروں کو آپ سے دفع فرماتے تھے برخلاف حضرت علی کے کہ آپ کا جہاد مکہ معظمہ میں کوئی بھی ثابت نہیں ہے ہاں جب حضرت ہجرت فرماکر مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہیں اور کفار مکہ سے لڑائی ہونے لگی اسوقت سے آپکی اس خدمت کا آغاز ہوتا ہے چنانچہ سب سے پہلے آپ کا جہاد غزوہ بدر و غزوہ احد میں ہوا ہے اور اسوقت اسلام بہت قوی ہوگیا تھا اور اسلامی لشکر اکٹھے اور کافی تعداد میں ہوگئے تھے لہذا ثابت ہوگیا کہ حضرت

ابوبکر کا جہاد حضرت علی کے جہاد سے کامل تر تھا دو وجہوں سے ایک یہ کہ وہ حضرت علی کے جہاد سے باعتبار زمانہ کے مقدم تھا پس افضل بھی تھا کیونکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل (پارہ ۲۷ سورہ حدید آیت ۱۰) یعنی تم میں سے جو شخص فتح مکہ کے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کرتا اور جہاد کرتا رہا اسکے برابر دوسرے لوگ نہیں ہو سکتے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت ابوبکر کا جہاد حضرت رسولخدا صلعم کے ضعف و بے بسی کے وقت تھا اور حضرت علی کا جہاد اسوقت ہوا جب اسلام خود قوی ہو گیا تھا۔ چوتھی صفت یہ کہ خدا فرماتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ خدا کا فضل ہے جسکو وہ چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے۔ یہ بات بھی حضرت ابوبکر کے سوا کسی کے لئے نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اسکی تاکید اس قول خداوند عالم سے بھی ہوتی ہے ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعة یعنی تم میں سے جو لوگ صاحب فضل و وسعت ہیں وہ قسم نہ کھا بیٹھیں (پارہ ۱۸ سورہ نور آیت ۲۲) اور ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ضروری ہے یہ آیت حضرت ابوبکر ہی کی شان میں ہو۔ ماحصل یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ضروری ہے یہ آیت حضرت ابوبکر ہی کی شان میں مانی جائے اور جب بات یہ ہوئی تو یہ بھی ضروری ہے کہ یہ صفتیں حضرت ابوبکر ہی کی ہوں اور جب یہ ثابت ہو گیا تو واجب ہے کہ یقین کیا جائے حضرت ابوبکر کی امامت و خلافت صحیح اور برحق تھی اسلئے کہ اگر آپ کی امامت باطل ہوتی تو یہ صفتیں آپ کے لائق نہیں ہوتیں یہاں اگر کوئی شخص کہے کہ کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر میں یہ کل صفتیں اسوقت تو پائی جاتی ہوں جب حضرت رسولخدا زندہ تھے مگر جب آپکا دنیا سے انتقال ہو گیا (اور حضرت ابوبکر کے دل میں خلافت کی طمع پیدا ہوئی) اور آپ نے اپنی خلافت و امامت شروع کی اسوقت آپ سے یہ کل صفتیں زائل اور باطل ہو گئی ہوں؟ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ بھائی تمہارا یہ احتمال قطعاً باطل ہے کیونکہ خدائے تعالےٰ نے تو فرما دیا ہے فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ تو خود خدا ہی نے ثابت کر دیا کہ جب خدا اُن لوگوں کو آئندہ زمانہ میں ظاہر کریگا اسی وقت وہ لوگ ان صفتوں سے متصف ہونگے۔ پس یہ جملہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ خداوند عالم گواہی دیتا ہے کہ جس وقت حضرت ابوبکر مرتدین سے جہاد کر رہے تھے اسی وقت وہ ان صفات کے متصف تھے اور وہ وقت آپکی خلافت ہی کا زمانہ تھا پس ہم نے جو ذکر کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی صحت خلافت پر دلالت کرتی ہے۔ رہا رافضیوں[1] کا یہ قول کہ آیت حضرت علی کی شان

[1] فخر الدین رازی نے اس جگہ کی عبارت یہ لکھی ہے "اما قول الروافض لعنھم اللہ یعنی رافضیوں کا قول خدا اُن پر لعنت کرے" یہ ہے تہذیب علمائے اہلسنت کی ۱۲۔

میں نازل ہوئی ہے اس دلیل سے کہ حضرت صلعم نے جنگ خیبر میں فرمایا تھا لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کہ میں کل یہ علم اسلام اُس مرد کو دونگا جو خدا و رسول خدا کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں اور یہ مرد حضرت علی ہی تھے تو رافضیوں کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ حدیث اخبار احاد سے ہے اور شیعوں کے یہاں عمل کرنے میں اخبار احاد سے تمسک کرنا جائز نہیں ہے پھر جس قسم کی حدیثوں سے اعمال میں تمسک جائز نہیں ان حدیثوں سے علم کے معاملہ میں تمسک کرنا کیونکر جائز ہوگا ؛ دوسرا جواب یہ کہ اس صفت کے حضرت علی میں پائے جانے سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابو بکر میں نہیں پائی جاتی تھی (یعنی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی میں بھی پائی جاتی ہو اور حضرت ابو بکر میں بھی) اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اس صفت کے حضرت علی میں پائے جانے سے ضروری ہوگا کہ یہ حضرت ابو بکر میں نہیں پائی جائے جب بھی یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ یہ مجموع صفتیں حضرت ابو بکر سے خارج تھیں اور من جملہ ان صفات کے انکا کرار غیر فرار ہونا بھی ہے پس جب یہ صفت حضرت ابو بکر میں نہیں پائی گئی تو ان صفات کا مجموعہ بھی انمیں نہیں پایا گیا تو عمل میں بدلیل خطاب اسقدر کافی ہے۔ رہی یہ بات کہ ان صفتوں سے کوئی صفت بھی حضرت ابو بکر میں نہیں پائی جاتی تھی تو یہ بات الفاظ حدیث سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتی بغرض خدای تعالے نے اس صفت (محب و محبوب خدا و رسول اور مومنین کے لئے اذلہ اور کافرین کیلئے اعزہ ہونا) کو جو آیت زیر بحث میں ہے حضرت ابو بکر میں واقعہ خیبر کے بہت زمانہ بعد یعنی اسوقت پیدا کر دیا جب وہ مرتدین سے جہاد میں مشغول ہو گئے تھے۔ پس اگر ہم مان بھی لیں کہ جنگ خیبر کے وقت یہ صفت حضرت ابو بکر میں نہیں پائی جاتی تھی جب بھی اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ یہ آیندہ بھی انمیں نہیں پیدا ہو سکے (غرض ہو سکتا ہے بعد وفات رسول خدا حضرت ابو بکر میں یہ صفت پیدا ہو گئی ہو) علاوہ بریں ہم اہلسنت اپنے دعوی میں (کہ یہ آیت حضرت ابو بکر ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے) ظاہر قران سے دلیل پیش کرتے ہیں اور رافضی لوگ حدیث روایت سے دلیل پیش کرتے ہیں جو اوپر ذکر کی گئی کہ وہ اخبار احاد سے ہے اور یہ حدیث اُن بکثرت حدیثوں کے خلاف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر یقینا خدا اور رسول کے دوست رکھنے والے تھے اور خدا بھی اُنکو دوست رکھتا اور اُن سے راضی تھا چنانچہ خدا نے حضرت ابو بکر کے بارے میں فرمایا ہے ولسوف یرضی کہ ابو بکر عنقریب خوش ہو جائیں گے

(پارہ ۳۰ سورہ لیل آیت ۲۱) اور حضرت رسولخدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے ان اللہ یتجلی للناس عامۃ ویتجلی لابی بکر خاصۃ کہ خدا تمام لوگوں کے لئے تو عام طور پر تجلے فرمائیگا اور حضرت ابو بکر کے لئے خاص طور پر تجلی[1] فرمائیگا اور حضرت صلعم ہی نے یہ بھی فرمایا ہے ماصب اللہ شیئا فی صدری الا وصبہ فی صدر ابی بکر کہ خدا نے میرے سینہ میں کوئی چیز نہیں ڈالی مگر یہ کہ اس چیز کو ابو بکر کے سینہ میں بھی ضرور ڈالی ہے۔ اور یہ کل باتیں اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر یقینا خدا اور رسول کو دوست رکھتے تھے اور خدا و رسول بھی اُن کو دوست رکھتے تھے۔

دوسری وجہ اس امر کی کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے رافضی لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسکے بعد کی آیت (یعنی انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون جو آیت زیر بحث کے فوراً ہی بعد ہے حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور حضرت علی ہی کی خلافت و امامت ثابت کرتی ہے تو واجب ہے کہ یہ آیت زیر بحث بھی حضرت علیؑ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہو۔ تو اس دلیل کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ ہم اسکو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ بعد والی آیت انما ولیکم اللہ سے حضرت علی کی خلافت ثابت ہوتی ہے چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں ہم اپنے اس دعوے کی دلیل بھی ذکر کرینگے۔ غرض اس جگہ اسی قدر بحث تھی جو ہم نے ذکر کی اور اللہ سب سے زیادہ عالم ہے۔" امام فخر الدین رازی کا قول تمام ہوا۔ (تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۱۷)

مگر ہمیں انکی اس عبارت سے کئی مقام قابل اعتراض ملتے ہیں اول یہ کہ انھوں نے جو کہا ہے کہ اگر واقعاً ایسا ہی ہوتا جیسا شیعہ کہتے ہیں تو یقیناً خدا ایسی قوم کو لاتا الخ" تو اسپر خود انھیں کے ہم مذہب علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں یہ اعتراض کیا ہے کہ ولنا صرمذھب الشیعہ ان یقول ما یدریک انہ تعالیٰ لا یجیٔ بقوم یحبھم ویحبونہ ولعل المراد بخروج المھدی ؟ ھو ذلک فان محاربہ من حان بدین الا وائل ھی محاربۃ الاوائل یعنی مذہب شیعہ کے

---

[1] تجلی فرمانے کا مطلب مولوی وحید الزمان خان صاحب انوار اللغۃ پارہ ۵ صفحہ ۴۷ میں یہ لکھتے ہیں فیتجلی لھم یعنی پروردگار ان پر تجلی فرمائیگا یعنی ظاہر ہوگا اون کو دکھلائی دیگا ضاحکا ہنستا ہوا۔ اس حدیث میں رویت الٰہی اور ضحک صفت الٰہی دونوں کا ثبوت ہے منکرین صفات کی ایسی حدیثوں سے جان نکلتی ہے اور دور از قیاس تاویلات کرتے ہیں اور نام کے سنیوں کا عجب حال ہے رویت الٰہی کو تو تسلیم کرتے ہیں اور ضحک و تعجب وغیرہ دوسرے

طرفدار کہہ سکتے ہیں کہ اسے فخر الدین رازی بھیں کیا معلوم کہ خدا ایسی قوم نہیں لائیگا جو اُن مرتدین سے جنگ کریگی اور شاید حضرت امام آخر الزمان مہدی علیہ السلام کے ظاہر ہونے کا مطلب یہی ہو کہ وہی حضرت مرتدین سے جنگ کرینگے کیونکہ جو شخص ابتدائی مومنین کے عقاید کا پابند ہو اس کی جنگ درحقیقت ابتدائی مومنین ہی کی جنگ ہوگی پھر یہی علامہ نیشاپوری باوجودیکہ ظاہری اور باطنی دونوں حیثیت سے شافعی مذہب کے پابند تھے جیسا انھوں نے اپنی تفسیر کے آخر میں تصریح کردی ہے جس سے وہ اس میں متہم نہیں ہو سکتے اور اُن کے ہم مذہب متعصب لوگ بھی ان کے اس حال سے واقف ہیں اپنے اس اعتراض کا عذر بھی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ھذا انما ذکرتہ بطریق المنع لا لاجل العصبیۃ والمیل فان اعتقاد ارتداد الصحابۃ الکرام امر فظیع واللہ اعلم انتھی کہ ہم نے یہ جو ذکر کیا تو صرف عقلی حیثیت سے امام فخر الدین رازی پر جو اعتراض ہوتا ہے اسکو ظاہر کردیا ہے نہ یہ کہ ہمیں کچھ تعصب یا شیعوں کی طرف میلان ہو کیونکہ صحابہ کرام کے مرتد ہو جانے کا اعتقاد نہایت ہولناک امر ہے واللہ اعلم انتہےٰ (تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۱۴۴)۔

اور علامہ نیشاپوری کی اس عبارت پر بعض ناظرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ "حق وہی ہے جو ناصر الاسلام و امام علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے۔ رہا وہ شبہہ جو اس فاضل نیشاپوری نے شیعوں کی حمایت میں ذکر کیا ہے وہ نہایت فاحش بیہودہ اور شنیع کلام ہے جس کو اہل دیانت سے کوئی شخص بھی زبان سے نہیں نکال سکتا۔ اور کاش کوئی شخص مجھے بتاتا کہ آخر زمانہ میں جب ایام دنیا کا اکثر حصہ گزر جائیگا اور صحابہ و تابعین اور انکے بعد والوں سے بھی دنیا خالی ہو جائیگی اور قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں گی اسوقت حضرت مہدیؑ جہاد کرینگے بھی تو اس سے کیا نفع ہوگا حالانکہ احادیث سے یہ بھی نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس غرض کے لئے ظاہر ہونگے۔ انتہےٰ۔ ہم (شہید ثالث علیہ الرحمہ) کہتے ہیں کہ حق اور انصاف کی بات وہی ہے جسکو خدا نے علامہ نیشاپوری کی زبان پر جاری کردیا اگرچہ وہ بھی مخالفین شیعہ ہی سے ہیں مگر ان کی یہ بات مذہب شیعہ کے فائدہ ہی کی ان سے نکل گئی ہے اور ہم ان کی بات کو حق اسوجہ سے کہتے ہیں کہ صحابہ و تابعین مرتدین کا زمانہ گزرنے کے بعد ان سے انتقام لینے کے لئے جہاد کرنا آیہ زیر بحث کے مطلب کے خلاف اُسوقت ہوگا جب اُسوقت ان صحابہ و تابعین سے کوئی شخص موجود نہیں ہوگا لیکن جب یہ بات

مسلم ہے کہ آخر زمانہ میں رجعت ہوگی جسکا ثبوت قرآن مجید اور احادیث جناب رسالتمآب صلعم میں بھرا ہوا ہے تو اس بنا پر شیعوں کے یہاں یہ بھی طے ہوگیا ہے کہ جس وقت حضرت امام آخر الزمان مہدی علیہ السلام ظاہر ہونگے اسوقت ان مرتد صحابہ کی ایک جماعت بھی رجعت سے زندہ ہوگی جنکے پاس حضرت مہدیؑ تشریف لیجائینگے اور ان سے شدید ترین انتقام لینگے اور اس کی تائید اس مضمون سے ہوتی ہے جسکو شیخ الموحدین محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے تین سو چھیاسٹھویں باب میں حضرت مہدی کی صفات اور آپکے ظاہر ہونے کی علامتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "خدا کا ایک خلیفہ زمین پر ظاہر ہونے والا ہے جو حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ والہ کی عترت اور حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد سے ہونگے انکا نام حضرت رسولخدا صلعم کا نام (یعنی محمد) ہوگا وہ حضرت امام حسین بن علی ابن ابی طالب کی نسل میں ہونگے اور رکن و مقام کے درمیان لوگوں سے بیعت لینگے صورت میں حضرت رسولخدا صلعم کے مشابہ ہونگے اور اخلاق و سیرت میں حضرت ہی کی منزلت پائینگے۔ آپکی وجہ سے سب لوگوں سے زیادہ سعادتمندی حاصل کرنے والے اہل کوفہ ہونگے۔ آپ پانچ یا سات یا نو سال تک زندہ رہینگے جزیہ کو موقوف کر دینگے اور خدا کی طرف لوگوں کو دعوت دینگے اور کل باطل مذہبوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینگے کہ اس وقت سوا خالص دین حق کے اور کوئی مذہب باقی نہیں رہیگا حضرت کے دشمن وہ لوگ ہونگے جو علمائے اہل اجتہاد اور پیشوایان دین کے مقلدین ہونگے کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ جو مذہب انکے عالموں اور پیشوایان دین کا تھا اسکے خلاف حضرت مہدی حکم دینگے تو وہ لوگ حضرت کے مذہب میں اپنے نفس پر بڑا جبر کرکے داخل ہونگے کہ آپکی تلوار کا خوف ان پر چھایا ہوگا۔ مگر عامہ مسلمین کو خواص مسلمین سے زیادہ آپکے ظہور سے خوشی ہوگی۔ اہل حقائق سے جو لوگ عارفین ہیں وہ آپکی بیعت کرینگے کہ کچھ تو آپ کی زیارت سے مشرف ہوکر اور کچھ کشف سے جسکی تعریف خدا ہی انکے دل میں پیدا کریگا (یعنی ان لوگوں کے دل میں خدا بطور کشف واضح کردیگا کہ فلاں بزرگ جو اس مقام پر ظاہر ہوئے ہیں حضرت مہدی امام آخر الزمان ہیں تو وہ لوگ بغیر حضرت کی زیارت حاصل کئے آپکی بیعت کرلینگے) ان حضرت کے لئے خدا اپنے ایسے مقرب اور برگزیدہ لوگوں کو مقرر کریگا جو آپکی دعوت قایم کرینگے اور آپکی مدد کرتے رہیں گے"۔ اسقدر لکھکر پھر ایک ورق کے بعد ممدوح لکھتے ہیں "حضرت کا اثر ایسا تیز ہوگا کہ اگر آپکے ہاتھ میں تلوار نہیں ہوگی

تو اس زمانہ کے فقہاء اور پیشوایان دین حضرت کے قتل کا فتویٰ دیتے جیسا کہ حنفی اور شافعی اس مسئلہ میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں جسمیں انکا اختلاف ہوتا ہے لیکن خدا حضرت کو تلوار اور بزرگی کی وجہ سے غالب کرکے رہیگا تو وہ لوگ حضرت کی اطاعت کریں گے آپ سے ڈر ینگے اور آپکے حکم کو قبول کرینگے بغیر ایمان کے بلکہ دلمیں آپکی مخالفت پوشیدہ رکھکر۔ اور جب حضرت ان لوگوں کو انکے سابق مذہب کے خلاف دین و شریعت کی تعلیم کرینگے تو وہ لوگ آپکے بارے میں اعتقاد کرینگے کہ اس تعلیم میں آپ گمراہی اور غلطی پر ہیں اسلئے کہ اُن کا اعتقاد تو یہ ہوگا کہ صاحبان اجتہاد ختم ہوگئے اور انکا زمانہ گزر گیا اور دنیا میں اب کوئی مجتہد باقی نہیں ہے اور ان کے اماموں اور مجتہدوں کے بعد خدا کسی ایسے شخص کو پیدا نہیں کریگا جو درجہ اجتہاد پر فائز ہو سکے اور جو شخص اُن لوگوں کے سامنے اس کا دعوے کریگا کہ وہ احکام شرعیہ کو خدائی تعلیم و تعریف سے سمجھتا ہے اسکو وہ مجنوں اور فاسد الخیال سمجھنے لگیں گے جسکی بات کی طرف اعتبار بھی نہیں کرینگے۔ دوسرا مقام قابل اعتراض یہ کہ امام فخر الدین رازی نے جو کہا کہ "اگر واقعاً ایسا ہی ہوتا تو خدا یقیناً ایسی قوم کو لاتا الخ" تو اسکی رد اس طرح ہے کہ آیت مذکورہ میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے کہ خدا ایسی قوم کو لائیگا جو مرتدین سے تلوار و نیزہ کے ساتھ جہاد کرینگے اور ان پر غلبہ حاصل کرینگے جیسا کہ ان امام فخر الدین رازی صاحب کا کلام ہے بلکہ آیت مذکورہ کا صاف و صریح مطلب صرف یہ ہے کہ مرتدین کے مقابلہ میں خدا ایسی قوم کو لائیگا جو دین میں راسخ ہونگے اور حق و یقین کے ساتھ انکی تائید کی گئی ہوگی خواہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان جنگ واقع ہو یا نہیں اس صورت میں جائز ہے کہ خدا کبھی تو ایسی قوم لائے جو دین کی مدد اور مرتدین سے جہاد تلوار اور نیزے کے ساتھ کرے اور کبھی ایسی جماعت کو برآمد کرے جنکی مدد حجت و برہان سے کی گئی ہو اور اپنی قوت احقاق و طاقت استدلال سے دین حق کی حمایت کرے مگر بات یہ ہے کہ جب شیعوں نے حضرات اہلسنت کو دیکھا کہ یہ اس آیت کا مطلب یہی قرار دیتے ہیں کہ وہ قوم مرتدین سے تلوار اور نیزے کے ساتھ جہاد کریگی تو انھیں کے اصول کے مطابق اسکا جواب یہ دیا کہ اگر تم تلوار و نیزے ہی سے جہاد کرنے کو مانتے ہو تو جائز ہے کہ اس صورت میں بھی اس آیت سے مراد حضرت علی ہی ہوں کیونکہ حضرت ہی نے اصلی مرتدین ناکثین و قاسطین و مارقین سے جہاد کیا تھا۔ پس امام رازی کا یہ قول "جو شخص بھی

بھی دین اسلام سے مرتد ہو جائیگا اس کے زیر کرنے کے لئے خدا ایسی قوم کو ضرور لائیگا جو اسے
مغلوب کرے " باطل ہو گیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ اسی طرح انکا بعد والا قول " خدا پر واجب تھا کہ ایسی
قوم کو لائے جو ان کو زیر کرے اور انکے مذہب کو باطل کردے " بھی غلط ہو گیا کیونکہ ہم پہلے بیان
کرچکے کہ آیت کا حکم عام ہے اور خاص تلوار و نیزے سے ہی جہاد کرنے سے متعلق نہیں ہے مگر یہ
کہ کہا جائے امام رازی کا مطلب بھی یہی ہے کہ حجت و برہان اور احقاق و استدلال سے
ان کو زیر کرے نہ تلوار و نیزے سے تو الحمد للہ یہ بات ہر زمانہ میں شیعوں ہی کو حاصل رہی
ہے خدا انکی برابر تائید کرتا رہا ہے اور انکو ہمیشہ ہر جگہ غالب ہی رکھے اور اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو
کہ ان بزرگ نے جنکو لوگ امام رازی کہتے ہیں اس موقع پر اس ایک آیت مبارکہ سے شیعوں
کی حقیقت ثابت ہوتے اور انکے مذہب کی صحت واضح ہوتے دیکھکر کس قدر اپنی عقل کی
جولانی دکھانی چاہی اور آپ کے مزاج میں کیسا ہیجان پیدا ہوا اور کس طرح کا بے ربط کلام کرنے
لگے بلکہ اس ایک آیت کے متعلق آپ اپنے آپے سے گزر گئے اور اپنی کتاب کے اوراق
کو ان باتوں سے سیاہ کر دیا جو کسی طرح بھی منہ سے نکالنے قابل نہیں تھیں اور انھیں یقینا
یہ بات معلوم تھی کہ اس دلیل میں وہ شیعوں کا مقابلہ کسی طرح نہیں کر سکتے اور اس بحث
میں یقینا شکست پائیں گے لیکن مذہب باطل کی حمایت و تائید کی ہوس نے انکو مکابرہ و
ہٹ دھرمی کی بدترین صورت پر آمادہ کر دیا تیسرا اعتراض یہ کہ انھوں نے یہ جو کہا " واقع میں ایسا
نہیں ہوا بلکہ اس کے خلاف ہی ہوا کہ رافضی لوگ ہی برابر زیر کئے گئے " تو معلوم ہوتا ہے آپ کو خلاف
ہونے کا مطلب ہی نہیں معلوم کیونکہ خلاف تو اسوقت ہوتا جب حضرات اہلسنت یہ حکم صادر
کرتے کہ مسئلہ امامت میں ان لوگوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے شیعہ مرتد ہو گئے لیکن
ایسا حکم نہ تو انھیں (امام رازی) نے دیا نہ انکے یہاں فروع دین سے ہے جیسا کہ گزرا تو وہ
مجتہد جو فروع دین سے کسی امر میں مخالف ہو فاسق تک نہیں ہو سکتا اور نہ اسکے مقلدین ہی فاسق
ہونگے چہ جائیکہ وہ لوگ مرتد سمجھے جائیں، تو شیعوں کے بارے میں آپ زیادہ سے زیادہ بس یہی تمنا
کرسکتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے زمانہ کے مرتد ظالم اور جابر فاجر حاکموں کے ظلموں سے چور چور کئے گئے
اور اسوقت ان بیچاروں نے بجز حضرت اپنے امام زمانہ کے ظاہر ہونے کا انتظار کیا اور اس
وقت کے پہنچنے کی دعا کرتے رہے جنکے بارے میں خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ عنقریب
ایسی قوم کو لائیگا جو خدا کو محبوب ہوگی اور وہ قوم بھی خدا کو دوست رکھتی ہوگی اور اسکی وجہ

شیخ محی الدین ابن العربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ "حضرت مہدی کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادتمندی حاصل کرنے والے شیعیان کوفہ ہونگے" جیسا کہ ابھی گزرا تو اسکو خوب سمجھو اور امام رازی صاحب نے یہ جو کہا کہ "رافضی لوگ اپنے عقیدوں کے ظاہر کرنے سے روکے گئے" تو یہ بھی دعویٰ بے دلیل ہے اور اگر ہم اسکو تسلیم بھی کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ خدا کی عادت یہی جاری ہوئی ہے کہ شیعوں کے مستحکم عقاید اور زبردست دلائل و براہین کو ملحدین مرتدین تک دین مبین کی نصرت کے لئے پہنچا دیتا ہے جیسا شیعوں کے اس قول کو امام فخرالدین رازی تک پہنچایا تاکہ اپنا وہ وعدہ وفا کرنے کے لئے جسکو اس آیت میں فرمایا ہے "وکان حقا علینا نصر المومنین" کہ مومنین کی مدد کرنا ہم پر لازم و واجب ہے چوتھا مقام یہ کہ یہ جو کہا کہ "حضرت ابوبکر ہی وہ بزرگ ہیں جو اسلام سے پھر جانے والوں سے جہاد پر آمادہ ہوئے"، تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جن لوگوں سے جہاد کیا وہ اہل ردہ (یعنی اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جانے والوں) سے تھے چنانچہ پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ جن لوگوں سے حضرت ابوبکر اور انکے اصحاب نے جنگ کی اور جنکو یہ لوگ بار بار اہل ردہ اہل ردہ کہتے پھرتے ہیں انکی دو قسمیں تھیں ایک قسم تو وہ لوگ تھے جو کبھی مسلمان ہوئے ہی نہیں تھے اور ہمیشہ کافر ہی رہے مسیلمۃ الکذاب اور اسکے پیروان یا سجاح اور اسکے تابعین وغیرہ تو یہ سب حربی کافر تھے جنھوں نے ایک منٹ کیلئے بھی اسلام نہیں قبول کیا تھا تو انکو اہل ردہ یا مرتد کہہ نہیں سکتے اسلئے کہ مرتد تو زبان عرف اور زبان لغت اور زبان شرع میں اسی کو کہتے ہیں جو پہلے مسلمان رہا ہو اور پھر اسلام کو ترک کرکے اس سے پھر جائے اور غیر مسلم ہو جائے پس ان لوگوں سے حضرت ابوبکر کا لڑنا کسی طرح مرتدین سے جہاد کرنا نہیں کہا جا سکتا دوسری قسم وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنی زکوۃ روک لی تھی اور کہتے تھے کہ وہ اسے ابوبکر کو ادا نہیں کرینگے اور اس مال زکوۃ کو انھوں نے اپنی قوم کے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیا تھا کیونکہ انکا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت ابوبکر خلافت کے مستحق نہیں ہیں لہذا انھیں زکوۃ دینا بھی جائز نہیں ہے اور حقیقی خلیفہ جنکی خلافت پر خدا و رسول صلعم نے نص کر دی ہے حضرت علی ہیں جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزرا تو یہ بات بھی یعنی زکوۃ کا حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں نہ دینا انکے مرتد ہونے کا سبب نہیں قرار پا سکتی (کیونکہ دنیا میں کڑوروں مسلمان مرگئے اور زندہ ہیں جنھوں نے کبھی زکوۃ نہیں دی تو کیا اسکی وجہ سے وہ مرتد کہہ دیئے جائینگے؟)

غرض حضرت ابو بکر کا مرتدین سے لڑنا کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ پانچواں مقام یہ کہ امام رازی نے یہ جو کہا کہ "وہ مرتد لوگ جن سے حضرت ابو بکر نے جہاد کیا آیت کے اترتے وقت موجود نہیں تھے"، تو اسکا باطل ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ جن مخالفین حضرت ابو بکر کو یہ لوگ مرتدین کے نام سے یاد کرتے ہیں انکے سردار تو مسیلمۃ الکذاب اور سجاح مدعیان نبوت تھے اور یہ دونوں حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں یعنی آیت مذکورہ اترتے وقت موجود تھے اور قبیلہ بنی حنیف (جس نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا اس) کا سردار مالک بن نویرہ تھا جو صحابہ میں تھا۔ یہی بات قبیلہ بنی کندہ کے متعلق بھی ہے کہ اسکا سردار اشعث بن قیس تھا جو (حضرات اہلسنت کے قول کے مطابق) مرتد ہوا اور پھر حضرت ابو بکر نے اپنی بہن اس سے بیاہ دی جس سے یہ خلیفہ صاحب کا بہنوئی ہو گیا۔ غرض یہ سب موجود تھے پھر خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ وہ اس قوم کو بعد میں لائیگا؟ چھٹا مقام یہ کہ جو کہا "حضرت ابو بکر آیت اُترتے وقت موجود تو تھے مگر اسوقت مرتدین سے جہاد و قتال کرنے پر قادر نہیں تھے" تو اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ حضرت ابو بکر خود بنفس نفیس جہاد پر قادر نہیں تھے تو وہ ہمیشہ ایسے ہی رہے یعنی کبھی بھی اپنی تنہا ذات سے جہاد پر قادر نہیں ہوئے کیونکہ آپ تو صرف جناب رسالتمآب صلعم کے لشکر کے ساتھ رہنا ہی جانتے تھے آپ کی ذات سے تو کوئی غزوہ بھی فتح نہیں ہو سکا۔ غرض آپ عضو معطل رہتے تھے بلکہ اس سے بھی ایک زینہ بلند کیونکہ عضو معطل تو جنگ سے بھاگتا نہیں ہے۔ لیکن آپ اکثر ایسا کرتے تھے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ مہاجرین و انصار کی مدد کے ساتھ بھی جہاد پر قادر نہیں تھے تو ہم کہینگے کیوں نہیں؟ بیشک حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں ایسے جہاد کی قدرت حاصل تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی تھی کیونکہ یہ حضرات یعنی ابو بکر اور جماعت مہاجرین و انصار جنھوں نے عہد خلیفہ اول میں ان مرتدین سے جہاد کیا حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں موجود اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے پھر اسکا کیا مطلب کہ خدا مرتدین کو یوں دفع کرے کہ جب آنحضرت صلعم کا انتقال ہو جائیگا تب وہ ایسی قوم لائیگا جو ان سے جہاد کرے۔ [illegible] حکم کو آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد والے زمانہ سے مخصوص کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ علاوہ بریں آپ کا یہ جواب ان لوگوں سے متعلق نہیں ہو سکتا جنھوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا کیونکہ آیت مذکورہ نازل ہوئی تھی اس وقت تو ان لوگوں نے زکوۃ روکی ہی نہیں تھی

پھر آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اسوقت ان مرتدین سے جنگ وجدال کرنے پر قادر ہی نہیں تھے اسلئے کہ کسی کام پر قادر اور آمادہ ہونے کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ کام پہلے سے موجود ہو (پس یہاں زکوٰۃ کا روکنا تھا ہی نہیں تو اس پر جنگ وجدال کی قدرت وآمادگی ہونے یا نہ ہونے کی بحث ہی نہیں پیدا ہو سکتی ہے) جیسا کہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا ساتواں مقام یہ کہ یہ جو کہا "لفظ مرتد صرف اُس شخص پر بولا جاتا ہے جو اسلامی شریعتوں کا تارک ہو" تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ ناکثین۔ قاسطین اور مارقین (جن سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی ظاہری خلافت میں جہاد کیا) شیعوں کی تحقیق میں مرتدین تھے کیونکہ انھوں نے اسلام وایمان کے اصول دین سے پانچویں اصل یعنی امامت کا انکار کیا تھا اور اس مسئلہ کے اصول دین سے ہونے کی بحث اس کتاب کے باب الامامۃ کے شروع میں مفصل طور پر لکھدی گئی ہے اسے دیکھنا چاہئے۔ آٹھواں مقام یہ کہ یہ جو کہا کہ "کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ حضرت علی نے اُن لوگوں سے اسوجہ سے جنگ کی کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے،" تو اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ اہلسنت میں سے کوئی شخص نہیں کہتا تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے اور اسکی وجہ ظاہر ہے کیونکہ ان لوگوں نے امامت کو فروع دین سے قرار دے رکھا ہے جیسا اوپر بیان کیا گیا لیکن یہ بات ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ حضرت علی اور انکے شیعہ جو امامت کو اصول دین سے مانتے ہیں ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہتا تو یہ غلط ہے جسکی سند وہ مضمون ہے جو حضرت علی سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نے جنگ جمل میں فرمایا "اس آیت والوں سے جہاد نہیں کیا گیا مگر آج ہی کے دن" اور اسکی تائید حدیث حوض کے مضمون سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے اور وہ حدیث مشہور ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ سے بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے اور دونوں کتابوں کی روایتوں کو جناب علامہ علیہ الرحمہ عنقریب بیان کرینگے[1]۔ اور حدیث طیر کی تحقیق میں انشاء اللہ ہم تملوگوں کو اس

---

[1] چونکہ اس ترجمہ میں وہ حدیث ابھی دیر میں آئیگی لہذا مختصر طور پر یہاں بھی نقل کر دی جاتی ہے صحیح بخاری مطبوعہ دہلی پارہ ۱۳ صفحہ ۲۲۳ میں ہے عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان اناسا من اصحابی یوخذ بہم ذات الشمال فاقول اصحابی اصیحابی فیقول انہم لم یزالوا مرتدین علی اعقابہم اور پارہ ۲۷ صفحہ ۲۱۳ میں ہے انا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم ثم لیختلجن دونی فاقول یا رب اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا

نکتہ پر بھی مطلع کرینگے جس سے اُس جماعت کا آسانی سے پتہ لگجائیگا جسکا وصف خدائے سبحانہ
نے اس آیت میں محبت کے ساتھ کیا ہے اور اسی محبت سے اپنے حبیب کا اسم گرامی مشتق کیا
ہے تاکہ اس نکتہ سے تم لوگ اس نسبت کی حقیقت پر واقف ہوجاؤ جو حضرت رسولخدا صلعم اور
انکے وصی یعنی ولی خدا اور ولی خدا میں ہے اور ہر شخص پر یہ امر ظاہر و واضح ہوجائے کہ امامت کا
انکار بعینہٖ نبوت کا انکار ہے اور نبوت کا انکار گویا خدا کی خدائی سے انکار کرنا ہے تب یہ بات
ثابت ہوجائیگی کہ امام کی معرفت اور انکے حق کا اعتراف جزو ایمان ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا،
تو خدا اسکے انکار کرنے والوں پر ارتداد کا حکم نہ کرتا (یعنی ان کو مرتد نہ کہتا) اسلئے کہ آیت مذکورہ
کے معنے و مقصود کا خلاصہ ان لوگوں کو ڈرانا اور دھمکی دینا ہے جو معرفت امام سے انکار کرتے
اور اس طرح دین اسلام سے خارج ہوکر مرتد ہوجاتے ہیں تو خدا ان منکرین کو اس طرح دھمکاتا
ہے کہ وہ عنقریب ایک ایسی جماعت کو ظاہر کرکے رہیگا جو امام کو پہچانینگے اور انکے حق کا اقرار
کرینگے اُنھیں خدا دوست رکھیگا اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھینگے اور خدا کے دوست
رکھنے کی وجہ سے وہ امام سے بھی محبت رکھینگے اور انکی مودت پر قائم رہینگے اور انکے دشمنوں
سے بیزاری چاہتے ہیں۔ اے اللہ تو ہمیں بھی انھیں لوگوں کے زمرہ میں قرار دے
جن پر تونے اسوجہ سے اپنی نعمت نازل کی کہ وہ تیرے دوستوں کو دوست رکھتے اور تیرے
دشمنوں سے برأت ظاہر کرتے ہیں یقینا تو ہر چیز پر قادر اور اس دعا کے قبول کرنے اور اپنا
تفضل ظاہر کرنے کے لئے سزاوار ہے۔ نواں مقام یہ کہ آپ نے یہ جو کہا کہ "جن لوگوں نے
مسئلہ امامت میں حضرت علی سے مخالفت اور نزاع کی اگر وہ سب مرتد ہوگئے الخ" تو اسکا
جواب تمکو پہلے ہی اس مضمون سے جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا اور تفسیر نیشاپوری سے نقل کردیا ہی
معلوم ہوچکا ہے دسواں مقام یہ کہ یہ جو کہا کہ "حضرت ابوبکر کی جنگ اعلیٰ اور اسکا موقع اکثر
وبہتر تھا اس جنگ سے جو حضرت علی نے کی الخ" تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت والا پہلے
آپ یہ تو ثابت کریں کہ حضرت ابوبکر نے اپنی خلافت میں مرتدین سے کوئی جنگ کی بھی ابھی
تو آپکے پاس اسی کا کوئی ثبوت نہیں ہے جب یہ ثابت ہوجائیگا اسوقت اسمیں بحث کیجیئے گا
کہ کن کی جنگ بہتر و اعلیٰ تھی چنانچہ ہم نے ابھی واضح کردیا کہ حضرت ابوبکر نے ایک مرتد سے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اصحاب سے کئی لوگوں کو فرشتہ پکڑکر جہنم کی طرف لیجائینگے تو میں چلاؤنگا کہ یہ
میرے صحابہ میں میرے صحابہ میں تو خدا فرمائیگا یہ برابر مرتد ہوتے رہے (اسوجہ سے جہنم میں ضرور ڈالے جائینگے) ۱۲

جنگ نہیں کی وہ جو کچھ لڑے یا کفار سے جو مسیلمۃ الکذاب و سجاح مدعیان نبوت کے پیرو تھے یا مومنین سے جنھوں نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ نہیں مانا اور اسوجہ سے انکے ہاتھ میں زکوۃ نہیں دی اور ان دونوں جماعتوں سے کوئی بھی مرتد نہیں تھی علاوہ بریں حضرت ابوبکر کی جنگ حضرت علی کی جنگ سے اعلے و افضل کیونکر ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت علی نے تو اپنے زمانہ میں اکابر و سرداران قریش کے مرتدین سے جو بڑے صاحب شوکت و اقتدار اور جمعیت و قوت تھے۔ خود بہ نفس نفیس جنگ کی اور حضرت ابوبکر خود تو گھر کے اندر تشریف رکھتے تھے اور اصحاب نبی کی جماعتوں اور لشکروں کو ان کمزور بے حقیقت اور ضعیف و ناتواں لوگوں سے لڑنے کو بھیجدیتے تھے جنکے پاس نہ قوت تھی نہ آلات حرب نہ جمعیت نہ سامان جنگ۔ تو خود میدان جنگ میں دشمنوں سے لڑنے والے کے مقابلہ میں وہ کیونکر پیش ہوسکتا ہے جو گھر میں بیٹھا رہے کیا خدا کا یہ قول بھول گئے وفضل اللہ المجاھدین علے القاعدین اجرا عظیما۔ یعنی خدا نے جہاد کرنے والوں کو خانہ نشینوں پر ثواب عظیم کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے (سورہ نسار آیت ۹۵) گیارہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا کہ "حضرت ابوبکر کی جنگ سے اسلام کا پاؤں جم گیا اور اسکی شوکت عظیم الشان ہوگئی الخ" تو یہ بھی قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اس جنگ سے اسلام کو تو کوئی بھی نفع نہیں ہوا ہاں خود انکی خلافت مستحکم ہوئی اور انکی سلطنت عظیم الشان ہوگئی اسلئے کہ وہ بیچارے تو انھیں کی خلافت سے انکار کرتے اور انکے ہاتھ میں زکوۃ دینے سے رکتے تھے اور انکے اوپر باقی قبائل کو اس طرح ابھارتے تھے کہ دیکھو یہ خلافت حضرات اہلبیت کا حق ہے جسپر بغیر حکم خدا و رسول کے حضرت ابوبکر قبضہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس کا بیان تفصیل سے اوپر گزر چکا۔ پھر حضرت ابوبکر کی خلافت کے مستحکم ہونے کو اسلام کی قوت سے کیا ربط ؟۔ بارھواں امر یہ کہ امام صاحب نے یہ جو کہا "حضرت علی کے زمانہ میں اسلام پھیل چکا تھا" تو حقیقت یہ ہے کہ صرف عوام کا اسلام پھیلا تھا۔ رہے خواص جیسے قریش یا جو انکے موافقین تھے اور وہی اسلامی لشکروں کے رکن اعظم تھے تو مفروض یہ ہے کہ وہ سب حضرت رسولخدا صلعم کی وفات پر مرتد ہوگئے تھے تو ان لوگوں سے معاملہ اب زیادہ اہم ہوگیا تھا اور ان سے جنگ زیادہ دشوار اور صعب ہوگئی تھی چنانچہ جو لوگ جنگ جمل و جنگ صفین کے مفصل واقعات سے واقف ہیں اور ان لڑائیوں میں قریش کی طرف سے جو سخت مقابلہ کیا گیا اسکو جانتے ہیں

اس پر ہمارے دعوے کی حقیقت پوشیدہ نہیں رہیگی۔ تیرہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا "جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ آیت خاص ابو بکر ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی ثبت العرش ثم انقش پہلے آپ اسکو تو ثابت کیجئے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی اسکے بعد اس کے نتیجہ کو ثابت کیجئے گا۔ یہی بات دوسری صفت کے متعلق بھی ہے کہ اسکو پہلے ثابت کر لیجئے پھر آگے بڑھیگا۔ چودھواں مقام یہ کہ یہ جو کہا۔ "اسکی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو خبر مستفیض میں وارد ہوئی ہے کہ ارحم امتی بامتی ابی بکر" تو عجب تماشہ کی بات ہے کہ جس حدیث خیبر کو شیعہ خود حضرات اہلسنت ہی کی سیکڑوں معتمد کتابوں سے پیش کرتے ہیں (کہ آنحضرت نے فرمایا کل میں یہ علم اس شخص کو دونگا جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا ورسول بھی اسکو دوست رکھتے ہیں) اور وہ سب کتابیں آپکے یہاں صحیح مانی جاتی ہیں اس حدیث کو تو آپ اخبار احاد سے فرمائیں اور اسوجہ سے ناقابل استدلال قرار دیں اور یہ حدیث جسکا کوئی نام ونشان بھی ان کتابوں میں نہیں ہے اور حضرات اہلسنت کی کل قابل اعتبار اور صحیح کتابیں اس حدیث کے بیان سے خالی ہیں اس کو آپ "خبر مستفیض" فرمائیں" اور مضحکہ کی بات تو یہ بھی ہے کہ آگے آپ فرماتے ہیں "مکہ معظمہ میں حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کی کس کس طرح حمایت فرماتے" حالانکہ تمام تاریخیں پکار پکار کر اس دعوے کی تکذیب کر رہی ہیں مکہ معظمہ میں خود حضرت رسولخدا صلعم تو اسپر قادر تھے ہی نہیں کہ کفار مکہ کے مظالم واذیات کو روک سکیں اسی وجہ سے بعض مومنین کو حکم دیدیا تھا کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں اور حضرت نے خود بھی مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی غار میں چھپے انصار مدینہ کی حمایت میں تشریف لائے پھر حضرت ابوبکر کیا حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ قوت واقتدار مکہ میں رکھتے تھے جو آپکی حمایت کر سکتے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ قریش سے کوئی شخص حضرت ابوبکر کو اذیت نہیں پہنچاتا اور آپ سے کچھ تعرض نہیں کرتا تھا وہ سب جانتے تھے آپ کے دل میں اسلام کی کیا حالت تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ حضرت ابوبکر کفار قریش کے بچوں کو زمانہ جاہلیت میں پڑھاتے تھے اور انکے اکثر نوجوان آپکے شاگرد رہ چکے تھے لہذا وہ سب آپ سے چشم پوشی اور پڑھنے کا حق ادا کرنے کے لئے آپکا لحاظ کرتے تھے اور یہ بات بھی تھی کہ ماننے اور نہ ماننے میں حضرت ابوبکر کا وجود وعدم برابر تھا۔ پندرہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا "خلافت کے زمانہ میں بھی کسی کے قول کی

طرف ملتفت نہیں ہوئے الخ" تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ آپ جو کسی کے قول کی طرف ملتفت نہیں ہوئے اور ان لوگوں سے لڑنے ہی پر اصرار کرتے رہے تو یہ سب کچھ اسلام کی حفاظت وحمایت میں نہیں تھا بلکہ آپ چونکہ جانتے تھے کہ ان لوگوں کے انکار کرنے اور زکوۃ روکنے سے آپکی خلافت میں بٹہ لگتا ہے اور بادشاہی تشریف لیئے جاتی ہے اسوجہ سے آپ نے جان توڑ کوشش کی کہ جس طرح ہو ان لوگوں کو زیر کرکے اپنی سلطنت کا سکہ قایم کیا جائے۔ تو اس سے حضرت ابو بکر کی مدح کیونکر ثابت ہوئی سلہ

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ "حضرت ابو بکر تن تنہا اس قوم سے لڑنے کے لئے نکل پڑے" بھی حضرت ابو بکر کی کوئی خوبی نہیں ثابت کرتا کیونکہ انکو تو معلوم ہی تھا کہ جب ہم خود لڑنے کے لئے روانہ ہونگے تو آپکے ماننے والے مسلمان اور آپکے اعوان وانصار اس سے روکیں گے اور خود اس کام کے انجام دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور آپکو یہ بھی یقین تھا کہ اگر خود نکل پڑینگے تو آپکے ساتھ اکثر مہاجرین وانصار بھی روانہ ہو جائینگے کیونکہ وہ بیچارے تو آپکی اطاعت اور فرمانبرداری میں گرفتار ہی ہو گئے تھے اور آپکی خلافت کو قبول ہی کر لیا تھا اور آپکو اسکا بھی پورا وثوق تھا کہ جب خالد بن ولید کو ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ وہ کامیابی ہوئی تو آپکے نکلنے پر ہزاروں مہاجرین وانصار آپکے ساتھ ہونگے پھر نہ بھاگنے کا خوف تھا نہ شکست کا اندیشہ۔ ایسی صورت میں آپ کیوں

سلہ امام فخر الدین رازی نے واقعا عجیب دعوی کیا ہے حالانکہ ابتدائے عالم سے آجتک ہر زمانہ اور ہر ملک میں یہ دستور رہا ہے کہ جس سلطنت کے لوگ کسی بادشاہ کے ظلم وجور یا اسکی ناقابلیت وغیرہ سے اسکو اپنا بادشاہ نہیں تسلیم کرتے ہیں بادشاہ اُن لوگوں پر بغاوت کا الزام قایم کرکے اُن سے اعلان جنگ کر دیتا اور لڑکر انکو اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کرتا ہے جس سے غرض اسکی یہی ہوتی ہے کہ اس کی سلطنت مضبوط رہے اسکی بادشاہت میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہو۔ تو عقلا کے نزدیک ایسے بادشاہوں کا یہ فعل خود غرضی دنیا پرستی اور حرص وطمع پر محمول ہوتا ہے نہ عدل وانصاف پر۔ بس اگر حضرت ابو بکر کو اسلام کی حمایت مقصود ہوتی تو عہد حضرت رسولخدا صلعم میں بھی کسی غزوہ میں جہاد کیا ہوتا۔ کسی جگہ مخالفین سے لڑے ہوتے کسی کافر کو قتل کیا ہوتا۔ لیکن جیسا وہ زمانہ گذرا اور اپنی خلافت کے زمانہ میں آپکو ادھر توجہ ہوئی تو اس سے سوا اپنی بادشاہت کا تسلط قایم کرینگے اور کیا مقصود تھا ۱۲ مترجم

نہ نکلنے پر آمادہ ہوجاتے؟ سولہواں مقام یہ کہ جو کہا "یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم یہ صفت حضرت ابوبکر میں بھی تھی الخ"، تو یہ قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ زمانہ حضرت ابوبکر میں عرب کے جو لوگ (بقول آپکے) مرتد ہوگئے تھے اُن سے لڑنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف ہونا تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا پھر حضرت ابوبکر کے متعلق کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ آپ نے کسی ملامت کرنے والے سے خوف نہیں کیا؟ آخر وہاں ملامت کرنے والا تھا کون جس سے حضرت ابوبکر خوف کرتے؟ ہاں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے جنگ جمل جنگ صفین و جنگ نہروان میں جہاد کیا تو اسکے متعلق یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ حضرت نے کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہیں کیا کیونکہ ان لوگوں میں بہت سے صحابہ حضرت رسولخدا صلعم موجود تھے جو اگرچہ ناحق اور باطل پر ہوگئے تھے مگر انکی صحابیت کی وجہ سے لوگ ان سے لڑنے میں تامل اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف کرسکتے تھے اور واقع بھی ایسا ہی ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے کہا حضرت علی کی فوج میں کیونکر داخل ہوں درصورتیکہ آپکے مقابل وہ قابل احترام ہستیاں ہیں جو صحابیت وغیرہ کے شرف سے مشرف ہیں جیسے جنگ جمل میں جناب طلحہ و زبیر ایسے جلیل القدر صحابہ اور حضرت عائشہ ایسی زوجہ رسولخدا صلعم تھیں اور جنگ صفین میں حضرت کے خلاف معویہ تھا جو مسلمانوں کا ماموں کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ام حبیبہ زوجہ حضرت رسولخدا صلعم کا بھائی تھا اور اسکے ہمراہ جماعت قریش کے سوا طائفہ اپنے اہل و اولاد کے ساتھ شریک تھے اور ظاہر یہ ہے کہ انمیں سے بھی اکثر صحابہ ہی تھے۔ رہے خوارج تو وہ بھی صحابہ سے سمجھے جاتے اور اہل قرآن مانے جاتے تھے۔ غرض ان وجوہ سے ان لوگوں سے جہاد کرنے میں ملامت کا اندیشہ تھا لیکن حضرت علی یا آپکے ساتھیوں نے ان لوگوں سے جہاد کرنے میں ذرہ برابر بھی کسی کی ملامت کا خوف نہیں کیا کیونکہ یہ حضرات حق پر تھے اور آپکے مخالفین باطل پر لہذا حضرت علی اور آپکے ساتھی خدا کے سوا کسی کا خوف کرہی نہیں سکتے تھے۔ اور بڑے مضحکہ کی بات تو یہ ہے کہ بار بار حضرت ابوبکر کے جہاد کا نام لیا جاتا ہے۔ کاش کوئی صاحب ارشاد کرتے کہ آپ نے کب جہاد کیا۔ کیا ابتدائے بعثت حضرت رسالت صلعم میں کوئی جہاد کیا؟ کیا جب حضرت مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے اس وقت کوئی

جہاد کیا؟ کیا مدینہ منورہ میں کوئی جہاد کیا؟ ہاں شاید اس سے یہ مراد ہو کہ آپ دل سے کفار کو برا کہتے اور اپنے منہ ہی میں ان کو برا کہکر زبانی جہاد کا حق ادا کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک تو اسکی بھی کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ نے کبھی دل ہی سے کفار کو برا سمجھا ہو یا اُن سے نفرت ظاہر کی ہو یا اُن کو برا کہا ہو یا اُن سے کسی قسم کے تعلق کو قطع کیا ہو غرض نہیں ان باتوں کا کوئی ثبوت کسی کتاب سے نہیں ملتا۔

ستترہواں مقام یہ کہ یہ جو کہا حضرت علی کے جہاد کا آغاز غزوہ بدر و احد میں ہوا جب اسلام بہت قوی ہو گیا تھا، تو معلوم ہوتا ہے فخر الدین رازی صاحب کے سینہ میں بدر و احد کے کینہ انکے بزرگوں سے میراث میں چلے آرہے ہیں اسلئے کہ مہاجرین و انصار کا لشکر جنگ بدر میں تو صرف تین سو سے کچھ زائد کی تعداد میں تھا اور حضرت علیؑ نے تن تنہا کفار کے نصف لشکر کو قتل کیا اور باقی کو دوسرے اصحاب حضرت رسولخدا صلعم نے قتل کیا وہ بھی اس طرح کہ ان کے ساتھ فرشتے بھی تھے اور جنگ احد میں تو اس سے بھی کم تعداد تھی۔ اور جنگ خندق میں تو مسلمان مجبور ہوئے کہ خندق کھود کر اس سے اپنے کو بچائیں یہاں تک کہ خدا نے حضرت علیؑ کے ہاتھوں اس غزوہ کو بھی فتح کرایا کہ آپ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا اور لشکر کفار کو پوری شکست دی اور اسی جہاد حضرت علیؑ کے متعلق اس روز حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا لضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین یعنی جنگ خندق میں حضرت علی کی جو ضربت واقع ہوئی وہ ثقلین کی عبادت سے افضل تھی اور غزوہ خیبر و حنین میں بھی یہی حال رہا کہ حضرت علی ہی کی جان فشانیوں سے اسلام کو فتح نصیب ہوتی رہی برخلاف حضرت ابوبکر کے جو ان معرکوں سے فرار ہی کرتے رہے جسپر متعدد حدیثیں اور تاریخی شہادتیں گواہ ہیں اور علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی اپنے بعض اشعار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں سہ ولیس ینکر فی حنین فراسا ہ + ففی احد قد فرخوفا وخیبرا

یعنی غزوہ احد میں حضرت ابوبکر بھاگے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور غزوہ احد و غزوہ خیبر میں بھی آپ نے خوف سے فرار ہی کی راہ لی۔ اور اگر مسلمانوں کی زیادتی اور کفار کی کمی سے "اسوقت اسلام بہت قوی ہو گیا تھا اور اسلامی لشکر اکھٹے اور کافی تعداد میں ہو گئے تھے"، تو ان غزوات میں حضرت ابوبکر کا فرار کرتے رہنا اور بھی زیادہ شرمناک

فضیحت کن اور ذلت آمیز تھا بلکہ کیا عجب یہ گناہان کبیرہ میں شمار کیا جائے۔ اٹھارہواں
مقام یہ کہ یہ جو کہا "حضرت ابوبکر کا جہاد حضرت علی کے جہاد سے کامل تر تھا دو وجہوں سے"
تو یہ اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے حضرت علی کے
قبل کبھی جہاد کیا بھی حالانکہ تمکو معلوم ہو چکا کہ جہاد کرنے اور جوانان عرب سے لڑنے
کا کوئی موقع کبھی بھی حضرت ابوبکر کو نہیں ملا اور پوری مدت اسلام میں بھی کوئی شخص نہیں
ملتا جو آپ کے ہاتھ سے زخمی ہوا ہو چہ جائیکہ خاص حیوۃ جناب رسالتمآب صلعم میں آپ
نے کسی کافر کو قتل کیا ہو یا حضرت کی وفات پر کسی مخالف اسلام کا شکار کیا ہو اسی طرح امام
صاحب نے دوسری وجہ میں جو فرمایا کہ "حضرت ابوبکر کا جہاد حضرت رسولخدا صلعم کے
ضعف و بے بسی کے وقت تھا" تو اسکا باطل ہونا بھی واضح ہو گیا کیونکہ حضرت ابوبکر نے اتو
کبھی بھی کوئی جہاد کیا ہی نہیں خواہ رسولخدا صلعم کی بے بسی کا وقت ہو یا قوت کا اور عنقریب
یہ بھی معلوم ہو گا کہ حضرات اہلسنت جو دعوے کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حمایت
اسلام میں اپنا بہت سا مال خرچ کیا تھا وہ بالکل موضوع اور قطعاً غلط ہے اور کبھی
بھی آپ کا کوئی مال حضرت رسولخدا صلعم کی اعانت یا اسلام کی حمایت میں نہیں خرچ ہوا
پھر آپ کی خدمات کو حضرت علی کی خدمات سے کیونکر افضل کہا جا سکتا ہے؟ انیسواں
مقام یہ کہ چوتھی صفت میں جو کہا ہے اسکی لغویت ان لوگوں پر مخفی نہیں رہ سکتی جو امام صاحب
کی دلیل میں غور و فکر کریں کیونکہ آپ نے آیہ مبارکہ ولا یاتل اولی الفضل منکم کی تفسیر
میں چند تشکیکات اور مغالطے بیان کئے ہیں جنکا اثر انھیں کے ہم مذہب سادہ لوحوں پر
ہو سکتا ہے اور کسی سمجھدار پر اسکا جادو نہیں چل سکتا۔ اب ہم یہاں اختصار کو مد نظر رکھتے
ہوئے امام صاحب کی دلیل کے رد جواب پر متنبہ کرنے کے لئے اس راز کو فاش کرتے ہیں
جسپر امام صاحب نے اپنے مقدمات فاسدہ اور دعاوی کاذبہ کی عمارت قائم کی ہے ممدوح
اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مفسرین نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ اس آیت
میں اولے الفضل سے مراد حضرت ابوبکر ہیں اور یہ آیت بتاتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم
کے بعد حضرت ابوبکر تمام آدمیوں سے افضل تھے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں کہ جو فضل
اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے یا وہ دنیا کا ہو گا یا آخرت کا دنیا کا ہونا تو باطل ہے کیونکہ
خدا نے اسکو مقام مدح میں ذکر کیا ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ خدا کسی کی مدح اسکی دنیوی

فضیلت کی وجہ سے کرے اور یہ بات بھی ہے کہ اگر وہ فضل دنیا کا مانا جائے تو اس آیت کا بعد والا لفظ والسعۃ مکرر ہو جائیگا کیونکہ دینوی فضل کا معنے بھی مال کی زیادتی ہوگا اور سعۃ کا معنے بھی مال کی زیادتی ہوگا اور ایک ہی جگہ ایک معنے کیلئے دو لفظ لانا فصاحت کے خلاف ہے جو قرآن میں نہیں سکتا لہذا ضروری ہے کہ اس فضل سے مراد دینی فضیلت ہی ہو پس اگر حضرت ابو بکر دینی فضیلت کے درجات میں دوسرے لوگوں سے بڑھکر نہیں مانے جائیں گے تو وہ صاحب فضل نہیں ہونگے کیونکہ اگر اور لوگ بھی آپکے برابر ہی ثابت ہونگے تو آپ کو فضیلت کیا ہوگی اور آپ صاحب فضل کیونکر قرار پائینگے پس جب خدا نے آپ کے لئے مطلقاً بغیر کسی قید اور خصوصیت کے فضل کو ثابت کیا تو واجب ہے کہ حضرت ابو بکر افضل ناس مانے جائیں مگر حضرت رسولخدا صلعم کا سب سے افضل ہونا معلوم ہے لہذا حضرت کے بعد باقی کل لوگوں سے حضرت ابو بکر ہی افضل ثابت ہوئے۔ یہاں اگر کوئی شخص کہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ اس آیت کے مخصوص حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہونے پر مفسرین کا اجماع ہے تو میں کہونگا کہ جو شخص کتب تفسیر واحادیث کا مطالعہ کریگا اسکو یقیناً معلوم ہو جائیگا کہ اس آیت کا حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہونا حد تواتر پر پہنچا ہوا ہے۔ پس اگر اس سے انکار کرنا جائز ہو تو پھر ہر متواتر کا انکار جائز ہو جائیگا،، (امام رازی کا بیان اس آیت کی تفسیر کے متعلق ختم ہوا۔ اب ہم (جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ) کہتے ہیں کہ ممدوح کی اس تقریر پر کئی اعتراض ہوتے ہیں اول یہ کہ ہم اسی کو نہیں تسلیم کرتے کہ خاص مفسرین اہلسنت کا اجماع اس پر ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی ہے چہ جائیکہ مفسرین شیعہ کے اجماع کا دعوے بھی کیا جائے کیونکہ خود حضرات اہلسنت کے اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک جماعت صحابہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے قسم کھائی تھی کہ جو شخص قصہ افک (اتہام حضرت عائشہ) کے متعلق ایک حرف بھی اپنی زبان سے نکالیگا اسکو وہ لوگ نہ تو خیرات وصدقہ دینگے نہ اسکے ساتھ کسی طرح مواسات کرینگے۔ اور ان مفسرین کے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خدا نے اس آیت میں اولی الفضل کا لفظ بصیغہ جمع استعمال کیا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت خاص قصہ

افک ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے جب حضرت ابوبکر نے اپنے صدقہ سے مسطح کو محروم کر دیا تو علاوہ اسکے کہ لفظ اولو جو بصیغہ جمع ہے اس مطلب کے خلاف ہے جسکی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے یہ کیوں نہ کہا جائے کہ یہ آیت اصالۃً تو مسطح کی شان میں اور تبعاً حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہاں اس قضیہ کو اُلٹ دینے (یعنی اس آیت کو دراصل حضرت ابوبکر کی شان میں اور بالعرض مسطح کے متعلق ماننے) کی کیا وجہ ہے باوجودیکہ یہ بات ظاہر ہے کہ آیت کا مقصود اصلی مسطح سے مواسات کرنا اور اسکو خیرات دینے کا حکم کرنا اور جن لوگوں نے اسکو صدقہ دینا موقوف کر دیا تھا ان سے اپنی ناراضی ظاہر کرنا تھا جو بالکل واضح امر ہے۔ رہا امام صاحب کا یہ کہنا کہ "اگر اس سے انکار جایز ہو تو پھر ہر متواتر کا انکار جایز ہو جائیگا" تو اسکے متعلق یہ گزارش ہے کہ اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ وہ لفظی حیثیت سے متواتر ہے تو یہ دعوے بے دلیل ہے کیونکہ محدثین محققین نے ان احادیث کو جو لفظی حیثیت سے متواتر ہیں ایک اور دو اور تین راویوں میں حصر کر دیا ہے۔ اور اگر اس سے آپکی مراد یہ ہے کہ وہ معنوی حیثیت سے متواتر ہے تو یہاں چند مستفیض روایات بھی نہیں ہیں تاکہ قدر مشترک انکے درمیان متواتر معنوی بھی ثابت ہو سکتا۔ دوسرا اعتراض یہ کہ امام صاحب نے یہ جو کہا "خدا نے اسکو مقام مدح میں ذکر کیا ہے" تو یہ بھی غلط ہے اور غالباً موصوف کو اس امر کا وہم اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے صرف لفظ فضل اور وسعت کے وصف عنوانی (ظاہری عنوان) پر نظر کی اور یہ نہیں جانا کہ اس قسم کا وصف تو اکثر کافروں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بھی سخاوت کرتے ہیں اور مالدار و تونگر ہوتے ہیں تو کیا اسکی وجہ سے واقعاً خدا کے یہاں افضل ہو جائینگے؟ بلکہ کبھی یہ وصف بُرائی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں قوم باوجودیکہ صاحب فضل و وسعت ہے پھر بھی خدا نے اسکو جو نعمتیں دے رکھی ہیں انمیں بخل کرتی ہے۔ اور تاریخ و احادیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر اور انکے ایسے دوسرے اصحاب کبار باوجودیکہ انکے متعلق مالداری اور جود و سخاوت کا دعوے کیا جاتا ہے پھر بھی ان حضرات نے آیۂ نجویٰ کے نازل ہونے پر بخل کو راہ دیا کہ حضرت رسولخدا صلعم سے سرگوشی کرنے کے قبل کوئی صدقہ نہیں دیا جسکا حکم خدا نے کیا تھا یہانتک کہ وہ آیت نجویٰ منسوخ ہی کر دی گئی

تو اس بات کو اچھی طرح سمجھو (غرض جب حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم سے سرگوشی کرنے کے لئے کوئی پیسہ تک خرچ نہیں کیا جسکا واجبی حکم خدا نے قرآن مجید میں نازل کیا تھا اور ایسے اہم غرض کے لئے بھی آپ نے بخل کیا تو آپ اسلام کی اشاعت اور آنحضرت صلعم کی حمایت میں کب کچھ خرچ کرنے والے تھے؟) اور عجائب روزگار سے یہ امر بھی ہے کہ امام صاحب نے اس کلام سے کچھ ہی پہلے ذکر کیا ہے کہ قول خدا لایاتل اولی الفضل سے مراد یہ ہے کہ تم لوگ احسان اور بھلائی کرنے میں کمی نہ کرو۔ تو وہاں آپ نے لفظ فضل کا معنے بھلائی اور بخشش کرنا لیا پھر اس بات کو چند ہی سطروں کے بعد بھول گئے اور اسپر اصرار کرنے لگے کہ لفظ فضل سے مراد زیادتی ثواب یا کثرت علم ہے حالانکہ یہاں لفظ فضل کا ان دونوں معنوں سے کسی ایک کو مراد لینے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اسلئے کہ بہت سے صاحبان فضل یعنی زیادہ ثواب اور علم والے صلہ رحم اور جود و سخاوت کرنے پر قادر نہیں ہوتے بلکہ اس سے کم خرچ والے کام کرنے سے بھی عاجز ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپنے یہ بھی عجیب بات کہی کہ "جائز نہیں ہے کہ خدا کسی کی مدح اسکی دنیوی فضیلت کی وجہ سے کرے" حالانکہ قرآن مجید میں خدا نے دنیوی فضیلت کی وجہ سے کئی جگہ لوگوں کی مدح کی ہے سورہ یوسف آیت ۱۲ و ۵۶ میں ہے وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوؤ منہا حیث یشاء الآیۃ اور یوں ہم نے یوسف کو زمین مصر میں قابض بنایا کہ اسمیں جہاں چاہیں رہیں۔ تو اس آیہ میں خدا نے حضرت یوسف کے قابض کرنے اور جہاں چاہیں وہاں انکے رہنے کا جو ذکر کیا ہے یہ صاف دنیا کی نعمت کا ذکر ہے پس اگر یہ اچھی بات نہ ہوتی تو خدا حضرت یوسف کو مصر میں یہ قبضہ کیوں دیتا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ ولا یاتل اولی الفضل منکم حضرت ابوبکر کی شان میں خرابی ہی پیدا کرتی اور انکا عیب فاش کرتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کے خالہ زاد بھائی مسطح کے بارے میں (چونکہ اس نے حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی) قسم کھالی تھی کہ کبھی مسطح کے ساتھ اچھا سلوک یا مالی اعانت نہ کرینگے جسپر یہ آیت نازل ہوئی تو ابوبکر کے فعل سے خدا ناراض ہوا اور اس کو اتنا بڑا گناہ سمجھا جسپر حضرت ابوبکر کو ٹوکنا ضروری خیال کیا۔ غرض اسی آیت اور اسکی

از ملکیہ شاہد رضا جعفری صاحب

رجسٹرار